بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصوف یا روحانیت

حصّہ دوُم

مرتب

الفقیر اِلی اللہ تعالیٰ

بلقیس اظہر

جماعت عائشہؓ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصوف یا روحانیت

(حصہ دوم)

مرتب:
الفقیر اِلی اللہ تعالیٰ
بلقیس اظہر
جماعت عائشہؓ

نمبر شمار	فہرست مضامین	صفحہ نمبر
1	دل کے عجائبات	3
2	طریقت کیا ہے؟	12
3	طریقت کے اسباق	13
4	طریقت یا تصوف کی ضرورت واہمیت	25
5	تصوف میں ترقی یا تنزلی	29
6	مرشد و مرید (استاد اور شاگرد)	30
7	اولیاء اللہ	33
8	ولایت، اور کرامت	36
9	اولیاء اللہ اور عام بندے میں فرق	40
10	فقر یا درویشی یا صوفی ازم	45
11	خانقاہی نظام	54
12	لطائف کیا ہیں؟ لطیفہ سے کیا مراد ہے؟	55
13	سلوک میں لطائف کے بعد مراقبہ	62
14	مراقبہ، محاسبہ اور مجاہدہ	67
15	فکر و عبرت (فکر کیا ہے؟)	76
16	عالم امر اور عالم خلق	80
17	دائرہ امکان	81
18	عمل اکسیر	87
19	رجال الغیب	89
20	نسل نو کو روحانی اسلام کی طرف کیسے راغب کیا جائے؟	98
21	"جس کا کوئی مرشد نہیں اس کا مرشد شیطان ہے" (حضرت بایزید بسطامیؒ)	107
22	بارگاہ رسالت سے فیض اور مرشد کا سایہ	111

دل کے عجائبات

قلب، روح اور نفس سے مراد:

1۔قلب:

لفظ قلب کے دو معنی ہیں اول گوشت کا وہ ٹکڑا جو سینے کے بائیں جانب ہے اس کے بیچ میں خلا ہے، اس میں خون رہتا ہے۔اس سے حکیموں کو غرض ہوتی ہے، یہاں اس قلب کی ضرورت نہیں ہے- دین کی اس سے غرض نہیں-اس قسم کا دل جانوروں میں بھی ہوتا ہے بلکہ مردوں میں بھی پایا جاتا ہے-اس لئے یہ تو گوشت کا ایک بے قدر ٹکڑا ہے-

لطیفہ قلب: یہ ایک لطیفہ روحانی ہے، یہ نوری قلب ہے- راہ سلوک یا تصوف میں پہلا قدم جب باطن کی طرف اٹھاتے ہیں تو وہ لطیفہ قلب سے سفر کا آغاز کرتے ہیں-لطیفہ قلب کا پوائنٹ بائیں جانب پُستان سے دو انگلیاں نیچے بائیں طرف کا ایریا ہے۔لطیفہ قلب وہ مقام ہے جہاں سے اللہ کا نور ہمارے اندر داخل ہوتا ہے۔اس کو قلب نوری بھی کہتے ہیں۔ یہ دراصل ہمارے جسم کے اوپر پوائنٹ نہیں ہے بلکہ ہماری روح کے اوپر پوائنٹ ہے۔ یہ جو ہمارے جسم میں خون کا لوتھڑا خون کو پمپ کرتا ہے یہ پوائنٹ اس کے قریب ہوتا ہے-اس کے قریب ہونے کی وجہ سے اس کو لطیفہ قلب یا قلب نوری کا نام دیتے ہیں-قلب نوری پر جب نور اور تجلیات کا ظہور ہوتا ہے تو قلب عام (جو خون بنا رہا ہوتا ہے) پر بھی اس نور کا اثر ہوتا ہے اور پھر وہ نوری خون جسم کے تمام حصوں میں جا رہا ہوتا ہے۔

2۔روح:

لفظ روح کے بھی دو معنی ہیں ایک یہ کہ روح ایک جسم لطیف ہے جس کا منبع قلب جسمانی کا خلا ہے اور وہاں سے بذریعہ شریانوں کے تمام اعضاء بدن میں پھیلتی ہے اور اس کا بدن میں پھیلنا اور حواس خمسہ کا اعضا کو دینا ایسا ہے جیسا کہ ایک چراغ کسی گھر میں رکھ دیا جائے اور گھر کے اندر اور چاروں طرف روشنی ہو جائے۔ پس روح بمنزلہ چراغ کے اور حیات بمنزلہ نور کے، یہ معنی روح کے اطباء (حکیموں) کی اصطلاح میں ہیں جو بدن کا علاج کرتے ہیں-

جبکہ اطباء دین جو نوری قلب کے معالج ہیں اس لیے ہوتے ہیں کہ انسان کو رب العالمین تک پہنچا دیں-وہ اس روح سے ذرا بھی بحث نہیں کرتے بلکہ ان کی غرض دوسرے معنی سے ہے-دوسرا مطلب لطیفہ روح ہے۔

لطیفہ روح قلب کی مخالفت میں پستان سے دو انگلیاں نیچے اور انتہائی دائیں طرف واقع ہے یہ بھی ایک لطیفہ روحانی ہے یہ ایک عجیب ربانی شے ہے جس کے ادراک میں اکثر عقل وفہم عاجز ہیں۔

عالم جبروت میں روح کا مقام ہے اس مقام پر بڑی خاص الخاص ارواح ہوتی ہیں-ان کو عالم جبروت میں اس لیے رکھا جاتا ہے کیونکہ ان روحوں کے اللہ تعالی کے ساتھ معاملات ہوتے ہیں۔

3۔نفس:

نفس انسان کے اندر ایک قوت ہے جس سے وہ کسی چیز کی خواہش کرتا ہے۔خواہش اچھی بھی ہوسکتی ہے اور بری بھی اس اختلاف کی بنا پر نفس کی مختلف حالتیں ہیں۔مثلاً چونکہ اکثر برائی اور فوری لذت کی خواہش کرتا ہے جب یہ بری خواہش یا لذت پوری کر بیٹھے تو وہ نفس امارہ کا مالک ہو جاتا ہے اسی صورت کو ہوائے نفس کہتے ہیں اور اگر وہ کسی برائی کی خواہش کرے اور پھر ندامت بھی محسوس کرے اور اپنی پرانی برائیوں پر بھی ندامت محسوس کرے تو یہ نفس اب نفس لوامہ کہلاتا ہے۔اس نفس لوامہ کا مزید تزکیہ کرتے رہنے سے نفس الہامہ بن جاتا ہے اور جب قوت اکثر نیکی اور بھلائی کی خواہش کرنے لگے تو اسے نفس مطمئینہ کہتے ہیں-

اس لطیفہ نفس کی تربیت کا مطلب یہ ہے کہ سالک اس قوت کو اللہ کے ذکر کے ذریعے اس قابل بنانا چاہتا ہے کہ اکثر خیر کی خواہش پیدا ہونے لگے۔

نفس چونکہ ایک زبردست قوت کا نام ہے اس لیے نفس کو مارنا نہیں ہے بلکہ نفس کو سدھارنا، سنوارنا اور ٹھیک راہ پر لانا ہے یعنی اس سے کام لینا ہے مگر صحیح کام۔اگر نفس مر گیا تو گویا وہ قوت ہی ختم ہوگئی جو خواہش کرتی تھی، خواہ وہ خواہش خیر ہو یا خواہش شر پھر زندگی کیا زندگی رہ گئی؟

دل کے باطنی خدام

قلب کے دو خادم غضب اور شہوت ہیں۔ یہ دونوں جب فرمابرداری بدرجہ اتم کرتے ہیں تو قلب کو راہ سلوک میں ان سے مدد ملتی ہے بلکہ انسان ان دونوں کو

اپنے سفر الی اللہ کے لیے اچھا رفیق سمجھتا ہے۔ اور کبھی یہ دونوں اس سے نافرمانی کر کے اس سے باغی ہو جاتے ہیں تو یہ نوبت پہنچتی ہے کہ اس کو غلام بنا لیتے ہیں اور اس کی بربادی کا سبب بن جاتے ہیں اور جس سفر سے اس کو سعادت ابدی حاصل ہوتی ہے اس سے باز رہتا ہے۔ **مگر قلب کے مددگار اور بھی ہیں جن کو علم، حکمت اور تفکر کہتے ہیں۔**

پس ایسے نازک وقت میں قلب کو مناسب ہے کہ ان مددگاروں سے جو اللہ کے گروہ کہلاتے ہیں ان دونوں خادموں کے مقابلے کے لیے مدد مانگے۔ (یعنی غضب اور شہوت کے مقابلے کیلئے) اس لیے کہ یہ دونوں کبھی شیطان کی جماعت کے ساتھ مل جاتے ہیں اور قلب کو دباتے ہیں پس اگر قلب کی مدد نہ کی اور غضب اور شہوت کا مطیع ہو گیا تب بھی ہلاکت ہی ہلاکت ہے اکثر لوگوں کا یہی حال دیکھا جاتا ہے کہ ان کی عقلیں اپنی شہوات کو پورا کرنے کے لیے بیسیوں حیلے ڈھونڈتی ہیں اور مناسب یہ ہے کہ عقل کی ضروریات میں شہوت اسی کی مطیع رہتی ہے۔ سمجھانے کے لیے مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

مثال اول:

فرض کرو کہ نفس انسان بادشاہ ہے اور انسانی بدن اس کا شہر یا سلطنت، عقل اس کا وزیر خیر خواہ یا تدبیر اور قویٰ اس کا کارکن اور عملہ اور غضب اس شہر کا کوتوال اور شہوت اس کا غلام بدسرشت جو اس شہر میں کھانا وغیرہ لاتا ہے اور بڑا مکار، جھوٹا، فریبی اور پلید ہے۔ یہ بظاہر خیر خواہی کرتا ہے مگر اس کی خیر خواہی سراسر فساد اور زہر قاتل ہے اور اس کی یہ عادت ہے کہ وزیر با تدبیر (عقل) کے ساتھ ہر وقت نزع میں رہتا ہے پس ایسی صورت میں اگر بادشاہ (نفس) اپنے اُمور و سلطنت میں وزیر (عقل) کے مشوروں پر چلے گا اور اس غلام پلید (شہوت) کے کہنے سے روگرداں رہے گا۔ اور یہ بات ٹھان لے گا کہ اس کے خلاف ہی میں بہتری ہے اور اپنے وزیر کی خاطر داری سے کوتوال کو بھی تادیب کرے گا اور وزیر کی طرف ہو کر اس کو اس غلام خبیث اور اس کے تابعین پر ملامت فرمائے گا تا کہ غلام مذکور اپنے درجے سے بڑھنے نہ پائے مغلوب اور محکوم بنا رہے۔ زیادہ منہ نہ لگے، تو ظاہر ہے کہ بادشاہی انتظام بہت درستی اور عدل کے ساتھ ہو گا۔ اس کے سب قویٰ درجہ اعتدال پر رہیں گے اور اس کے اخلاق سب بہتر ہوں گے اور اگر اس طریقہ کے خلاف کرے گا تو ان لوگوں میں سے ہو گا جن کے لیے ارشاد ہوا:

وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ (سورۃ الاعراف 176 : 7)

ترجمہ: ''اور چلا اپنے (ہوائے نفس، شہوت) پر تو اس کا حال جیسے کتا کہ تو اس پر وزن لادے تو ہانپے اور چھوڑ دے تو ہانپے''

اور جو شخص کہ نفس کو شہوت سے روکتا ہے اس کے لیے فرمایا: (سورۃ النازعات۔ آیت نمبر 41-40)

ترجمہ ''اور جو کوئی ڈرا اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے، روکا اپنے آپ کو شہوت سے تو بہشت ہی ہے ٹھکانا اس کا۔''

دوسری مثال

عقل کو ایک سوار سمجھنا چاہیے جس کا ارادہ شکار کا ہے، شہوات کو اس کا گھوڑا، غضب کو اس کا کتا خیال کرنا چاہیے پس اگر سوار ماہر ہو گا تو گھوڑا سدھا یا ہوا اور کتا تعلیم یافتہ تو بے شک اپنے مقصود کو پہنچے گا اور اگر سوار بذات خود فن سواری سے جاہل ہو گا، گھوڑا سرکش، کتا دیوانہ تو نہ گھوڑا اس کا کہنا مانے گا اور نہ کتا اشارے پر چلے گا پس ایسے شخص کو شکار کا ملنا تو درکنار اپنی جان ہی بچانی دشوار ہو گی اس مثال میں سوار کو سواری نہ آنے کی مثال انسان کی جہالت، قلب، حکمت اور کمی بصیرت کی ہے اور گھوڑے کی سرکشی مثل غلبہ شہوت کے خصوصاً شہوت شکم، اور شرم گاہ اور کتے کی دیوانگی مثل غلبہ غضب کے ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و عنایت سے ہمیں ان بیماریوں سے بچائے (آمین)

واضح رہے کہ جس قدر چیزیں اعضائے حواس کی ہیں وہ اللہ تعالیٰ نے تمام حیوانات کو بھی دی ہیں مثلاً شہوت اور غضب اور حواس ظاہری اور باطنی سب حیوانوں کو بھی حاصل ہیں دیکھئے جب بکری بھیڑیئے کو آنکھ سے دیکھتی ہے تو اس کی عداوت دل سے معلوم کر کے فوراً بھاگتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ حیوانات میں بھی ادراک باطنی ہوتا ہے۔

پس اب وہ چیز بیان کی جاتی ہے جو خالص انسان میں پائی جاتی ہے جس کے باعث اس کو شرف اور تقرب الی اللہ حاصل ہوا اور وہ دو باتیں (1) علم (2) ارادہ علم۔

ارادہ سے یہ غرض ہے کہ جب انسان عقل سے انجام کار کو سوچتا ہے اور اس میں بہتری معلوم ہوتی ہے تو اس کی طبیعت میں ایک شوق اس بہتری کا اور اس کے لوازم کو حاصل کرنے کا پیدا ہوتا ہے تو اس کو ارادہ کہتے ہیں اور یہ ارادہ وہ نہیں جو ارادہ شہوات یا ارادہ حیوانات کا ہوتا ہے بلکہ ارادہ شہوت کے ارادہ کی ضد ہے۔ **پس جس شخص نے اپنے تمام اعضاء اور قویٰ سے اس طرح کام کیا کہ علم و عمل میں لگا رہا تو ایسا شخص مشابہ فرشتوں کے ہے اور انسانوں میں رہنے کا سزاوار ہے اور اگر اس کو ملک ربانی کہا جائے تو بجا ہے اور جس شخص نے ہمت اپنی لذت بدنی کی طرف کی اور چوپایوں کی طرح رہنے لگا تو وہ درجہ بہائم میں داخل ہوا یا حریص مثل سور کے یا گرانے والا مثل کتے، بلی کے یا کینہ پرور مثل اونٹ کے یا متکبر مثل چیتے کے یا مکار مثل لومڑی کے بن جائے گا اور اگر ان سب باتوں کا جامع ہو گا تو**

پورا شیطان رجیم ہوگا۔ آدمی میں کوئی عضو یا حساسہ ایسا نہیں کہ جس سے وصول الی اللہ کی طرف مدد نہ مل سکے۔

حضرت کعب بن احبارؓ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا کہ ''میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے عرض کیا'' کہ انسان میں آنکھیں تو راہبر ہیں اور کان محافظ، زبان ترجمان، اور ہاتھ دو طرف لشکر کے، پاؤں قاصد اور قلب بادشاہ ہے۔ پس جب بادشاہ اچھا ہوگا تو اس کے توابع اچھے ہوں گے۔''

حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ ''زمین میں خدا کے برتن قلوب ہیں اور ان میں سے اس کو زیادہ محبوب وہ ہے جو نرم، صاف اور دین میں سخت ہو۔ پھر فرمایا اپنے بھائیوں کے ساتھ نرم، یقین میں صاف اور دین میں سخت ہو''۔

جب گناہوں کی کثرت سے دل پر مہر ہو جاتی ہے تو وہ ادراک حق اور دوستی دین سے اندھا ہو جاتا ہے اور امر آخرت کو ہلکا جاننے لگتا ہے اور دنیا کا کام بڑا سمجھتا ہے اسی میں کوشش کرتا ہے اور جب آخرت کا احوال سنتا ہے تو ایک کان سے سن کو دوسرے کان سے نکال ڈالتا ہے یہ ذکر اسکے دل میں قیام نہیں کرتا اور تدارک اور توبہ کی طرف رغبت نہیں دلاتا۔

اللہ جل شانہ کی اطاعت اور شہوات کی مخالفت سے دل کو جلا (روشنی) ہوتی ہے اور اس کی نافرمانی سے دل سیاہ ہوتا ہے۔ پس جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور اگر گناہ کے بعد نیک کام کرتا ہے اور پہلا اثر مٹانا چاہتا ہے تو اگرچہ سیاہی دور ہو جاتی ہے مگر نور میں نقصان جب بھی رہتا ہے۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ جلاء قلب ذکر اللہ سے حاصل ہوتی ہے اور ذکر تقویٰ والے ہی کرتے ہیں **پس معلوم ہوا کہ تقویٰ ذکر کا پھاٹک ہے اور ذکر کشف کا دروازہ ہے اور کشف نُور اکبر یعنی دیدار الٰہی کا دروازہ ہے۔**

منقول ہے آنحضرت خاتم النبیین ﷺ سے لوگوں نے پوچھا کہ ''یا حضرت! خدا تعالیٰ کہاں ہے، زمین میں یا آسمان پر؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اپنے ایمان والے بندوں کے دل میں ہے'' اور حدیث قدسی میں ارشاد ہے ''نہ میری گنجائش زمین میں ہے نہ آسمان میں، میری گنجائش میرے مومن بندے کے دل میں ہے''۔ (بحار الانوار، جلد ۵۸، صفحہ ۳۹)

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرے دل نے خدا کو جب دیکھا تو تقویٰ کے باعث حجاب دور ہو گیا اور جس شخص کے اور خدائے تعالیٰ کے درمیان حجاب اٹھ جاتا ہے تو اس کی ایسی جنت پر نظر پڑتی ہے جو آسمانوں اور زمین کے برابر ہوتی ہے اور سب کی سب جنت تو آسمانوں اور زمینوں میں نہیں سما سکتیں۔ پس جو تفکر نہ کرے اور عقل کو بالائے طاق رکھے وہ جاہل ہے۔ اس طرح جو صرف عقل ہی پر اکتفا کرے اور انوار قرآنی اور حدیث شریف کی طرف ملتفت نہ ہو وہ مغرور ہے۔ طالب کو چاہیے کہ دونوں اصولوں کا جامع ہو، کیونکہ علوم عقلیہ مثل غذا کے ہیں علوم شرعیہ مثل دوا کے، بیمار شخص کو اگر دوا نہ ملے گی تو صرف غذا سے البتہ تکلیف ہوگی اسی طرح قلوب کی بیماری کا علاج انہی معجونوں سے ہو سکتا ہے جو شریعت کے شفاخانہ سے ملتی ہیں یعنی وظائف، عبادات اور اعمال جن کو اصلاح قلوب کے لیے حکما روحانی انبیاء علیہم نے ترتیب دیا ہے۔ پس جو شخص اپنے دل کا علاج عبادت شرعیہ سے نہ کرے تو اس کو ضرر ضرور ہوگا جیسا کہ اس بیمار کو ہوتا ہے جو دوا نہ کھائے اور غذا کھاتا رہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ علوم عقلیہ، علوم شرعیہ کے خلاف ہیں۔ دونوں کا جامع ہونا ممکن نہیں تو یہ بات ان کی لاعلمی سے ہے وہ لوگ نور بصیرت سے عاری ہیں بلکہ ایسے لوگوں کے نزدیک بعض علوم شرعیہ بھی ایک دوسرے کے مخالف ہونے لگتے ہیں اور ان کے جمع کرنے سے عاجز ہو کر یہ گمان کرتے ہیں کہ اس دین میں نقص ہے اور حیران ہو کر دین سے ایسے نکلتے ہیں جیسے بال آٹے میں سے۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی اندھا آدمی کسی کے گھر میں جائے اور اتفاقاً اس کا پاؤں برتنوں پر پڑ جائے، لوگوں سے کہنے لگے کہ عجیب آدمی ہیں کہ برتن راہ میں چھوڑ دیتے ہیں ان کو جگہ پر نہیں رکھتے۔ یعنی اپنے آپ کو سوجھے نہ اور دوسروں کا قصور بتلایا جائے، یہی نسبت علوم دینیہ کی طرف علوم عقلیہ کی ہے، پھر علوم عقلی کی دو قسمیں ہیں۔

1۔ دنیاوی جیسے علوم طب، حساب، ہندسہ اور نجوم وغیرہ

2۔ اخروی مثلاً علم احوال قلب اور آفات اعمال اور علم اللہ تعالیٰ

یہ دونوں ایک دوسرے کے منافی ہیں۔

اس لیے حضرت علیؓ نے دنیا اور آخرت کی تین مثالیں فرمائیں ہیں۔ ایک میں فرمایا کہ ''دونوں مثل دو پلہ ترازو کے ہیں اور دوسرے میں ارشاد فرمایا کہ مثل مشرق اور مغرب کے اور تیسری میں فرمایا کہ دونوں مثل دو سوتوں (سوکنوں) کے ہے کہ اگر ایک راضی ہوگی تو دوسری ناراض اور یہی سبب ہے کہ جو لوگ علوم دنیا میں خوب ہوشیار ہوتے ہیں وہ علوم آخرت سے جاہل ہوتے ہیں اور جن لوگوں کو علوم آخرت پر عبور ہوتا ہے وہ اکثر علوم دنیا کو نہیں جانتے کیونکہ قوت عقلی اکثر لوگوں کی دونوں باتوں

کے جمع کرنے کو وفا نہیں کرتی جب ایک میں کمال پیدا ہوتا ہے تو دوسری باتوں میں کمال نہیں ہوسکتا۔ حاصل یہ ہے کہ اُمور دنیا اور دین میں کمال بصیرت انہی لوگوں کو حاصل ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے تدبیر معاش اور مواد دونوں عنایت فرمائے ہیں اور وہ انبیاء ہیں جن کو قوت الٰہی سے تائید ہوتی رہتی ہے۔ اور ان کے دلوں میں سب امور کی گنجائش میں دقت نہیں ہوتی مگر لوگوں کے قلوب اگر دنیا میں پکے ہوں گے تو آخرت کے کمال سے قاصر رہیں گے۔

حاصل یہ ہے کہ **قلب کے دو دروازے ہیں، ایک عالم ملکوت اور لوح محفوظ کی طرف ہے دوسرا حواس خمسہ کی جانب ہے۔ عالم ملکوت کا دروازہ اس شخص کے لیے کھلتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی میں مستغرق رہے۔**

اس بیان سے فرق علوم اولیاءؒ اور انبیاء اور علوم علماء اور حکماء کا ظاہر ہوا۔ وہ یہ کہ علم اولیاء اور انبیاء کا تو اس دروازے سے ہوتا ہے جو عالم ملکوت کی طرف کھُلا ہوا ہے اور علم وحکمت وغیرا بواب جو اس سے حاصل ہوتے ہیں وہ عالم ظاہری کی طرف مفتوح ہیں۔

بہرصورت علم قلب کو کسی بھی طرح حاصل ہو قلب مومن کا فنا نہیں ہوتا اور نہ اس قلب کا علم موت کے بعد جاتا رہتا ہے نہ وفائے قلب میں کچھ کدورت آتی ہے جیسا کہ حسن بصریؒ نے فرمایا ''خاک محل ایمان کو نہیں کھاتی'' بلکہ وسیلہ تقرب الی اللہ ہوتی ہے اور نفس علم جو دل میں آتا ہے۔ سعادت ابدی بغیر علم اور معرفت کے کسی کو نہیں مل سکتی اور اس سعادت میں بھی بعض لوگ بعض سے افضل ہوتے ہیں۔

معرفت وہ نور ہے جس سے ایمان والے اللہ تعالی کے دیدار کی طرف چلیں گے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''ان کی روشنی دوڑتی ہے ان کے آگے اور ان کے داہنے''۔ حدیث شریف میں وارد ہے بعضوں کو نور مثل پہاڑ کے عنایت ہوگا اور بعضوں کو اس سے کم یہاں تک کہ سب سے پچھلا وہ شخص ہوگا کہ اس کو دونوں پاؤں کے انگوٹھوں پر نور عنایت ہوگا اور وہ کبھی تو چمکنے لگے گا اور کبھی گل ہوجائے گا۔ چمکنے کی حالت میں تو وہ قدم آگے تو بڑھا دے گا اور گل ہونے کی صورت میں کھڑا رہے گا اور پل صراط پر سے گزرنا موافق نور ہی کے ہوگا۔ کوئی تو آنکھ کے جھپکتے ہی گزر جائے گا اور کوئی بجلی کی طرح اور بادل کی طرح اور کوئی شہاب کی طرح اور کوئی سرپٹ گھوڑے کی طرح اور جس کے صرف انگوٹھوں پر نور ہوگا وہ رگڑتا چلے گا کہ ایک ہاتھ کو بچائے گا تو دوسرا لٹک جائے گا اور اسی طرح ہاتھ پاؤں کو آگ لگ لگ کر خلاص ہوگا۔

اس بیان سے لوگوں کے ایمان کا فرق معلوم ہوا ہے اور ایک روایت میں آیا کہ ابو بکرؓ کا ایمان تمام جہانوں والوں کے ایمان کے ساتھ (سوائے پیغمبروں) وزن کیا جائے تو انہی کا ایمان بھاری ٹھہرے گا اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی یوں کہے کہ اگر آفتاب کا نور اور تمام دنیا کے چراغوں کا مقابلہ کیا جائے تو آفتاب کا نور غالب رہے گا۔ پس عوام میں سے بعضوں کے ایمان کا نور چراغ جیسا ہے اور بعضوں کا نور مشعل جیسا اور صدیقین کے ایمان کا نور مثل چاند اور ستاروں کے نور کے ہے اور انبیاء کے ایمان کا نور آفتاب کی مانند تو جس طرح کہ آفتاب کے نور سے تمام آفاق کو صورت باوجود وسعت کے منکشف ہوجاتی ہے اور چراغ کے نور سے صرف مکان کا ایک کونہ ظاہر ہوتا ہے اسی طرح سینہ کے اشراح کا فرق سمجھ لینا چاہیے کہ قلوب عارفین پر معرفت سے تمام عالم ملکوت منکشف ہوجاتا ہے اور اسی بنا پر فرمان الٰہی ہے:

لَیسَ لِلْاِنْسَانَ اِلاَّ مَاسَعٰی ترجمہ: ''انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے کوشش کی''۔ (سورہ نجم، آیت نمبر 39)

اس حدیث سے کئی باتیں نکلتی ہیں ایک یہ کہ درجہ ایمانی میں تضاد ہوتا ہے اور یہ کہ جس شخص کا ایمان مثقال (ذرہ) سے بڑھ کر ہوگا وہ تو داخل نار نہ ہوگا اور جس کے دل میں بوزن ذرہ ایمان ہوگا اگرچہ دوزخ میں جائے گا مگر اس میں ہمیشہ نہ رہے گا۔ پس ان دلائل سے ثابت ہوا کہ فرق اہل جنت کے مطابق ان کی معرفت اور قلوب کے ہوگا اسی لیے روز قیامت کو ''تغابن'' یعنی گھاٹے کا دن کہتے ہیں کیونکہ جو بھی اس دن اللہ کی رحمت سے محروم رہا اس کو بڑا ہی گھاٹا اور نقصان ہوگا۔ حضرت ابودرداؓ فرماتے ہیں کہ **''مومن وہ ہے جس کو اللہ کے نُور سے پردہ کے پیچھے کی چیز نظر آئے اور قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ یہ بات ٹھیک ہے کہ اللہ تعالیٰ امر حق کو مومن کے دل میں ڈال دیتا ہے اور ان کی زبانوں پر جاری کردیتا ہے''**

بعض علماء سے علم باطن کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا ہوتا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ ''وہ ایک بھید ہے اللہ کے اسرار میں سے کہ اپنے دوستوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے اور کسی کو اس پر آگاہ نہیں فرماتا اور یہی علم لدنی ہے کہ قلب میں بدون کسی سبب خارجی کے وارد ہوجائے''۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عائشہؓ سے اپنی موت کے وقت فرمایا کہ ''تیرے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں'' حالانکہ حضرت ابوبکرؓ کی زوجہ اس وقت حاملہ تھیں اور بعد میں بیٹی ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے ایک دن عین خطبہ کے وقت لشکر اسلام کو للکارا کہ ''پہاڑ کی طرف ہوجاؤ'' پھر اس آواز کا لشکر میں پہنچ جانا بڑی کرامت ہے۔ **حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت عثمانؓ کی خدمت میں جاتا تھا کہ راستہ میں مجھ کو ایک عورت ملی۔ میں نے اس کے حسن کا معائنہ کیا۔ پس جب میں خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت عثمانؓ**

نے مجھ کو ارشاد فرمایا تم میں سے بعض آدمی میرے پاس ایسے آتے ہیں جن کی آنکھوں میں زنا کا اثر ہوتا ہے،، کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ آنکھوں کا زنا بری طرح سے دیکھنا ہے۔ تو توبہ کرو ورنہ تجھ کو سزا دوں گا''۔ میں نے پوچھا کہ کیا آنحضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی وحی ہوتی ہے۔ آپ ؓ نے فرمایا: ''نہیں بلکہ یہ بصیرت اور فراست صادقہ ہے''۔

حضرت ابوسید ؒ ضرار سے نقل ہے کہ ایک بار حرم شریف میں گیا اور ایک فقیر کو دیکھا کہ دو خرقے پہنے ہوئے ہے میں نے دل میں کہا کہ اس قسم کے لوگ آدمیوں پر بھاری ہوتے ہیں۔ اس نے مجھے پکارا اور کہا

اللّٰہ یَعْلَمُ مَا فِیۤ اَنْفُسِکُمْ فَاحْذَرُوْہُ ج (سورۃ البقرہ 235 : 2)

ترجمہ: "اللہ کو معلوم ہے جو کچھ تمہارے دل میں ہے پس اس سے ڈرتے رہو''۔ پھر اس نے مجھ کو پکار کر کہا:

''وَھُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ عَنْ عِبَادِہٖ''(سورۃ الشعرا 25 : 42)

ترجمہ: ''وہی ہے جو قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں کی''۔ اور یہ کہہ کر میری نظروں سے غائب ہو گیا۔

بعض مکاشفین سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ''مجھ کو کراماً کاتبین نے ظاہر ہو کر یہ کہا تم اپنا ذکر خفی اور مشاہدہ توحید کچھ لکھ دو کیونکہ ہم تمہارا کوئی عمل نہیں لکھتے اور ان اسباب کے آرزومند ہیں کہ جس عمل سے تم تقرب الی اللہ کرتے ہو اس کو لے کر آسمان پر جائیں"۔ میں نے پوچھا کہ " کیا تم میرے فرائض نہیں لکھتے"؟ انہوں نے کہا" فرائض تو لکھتے ہیں"۔ میں نے جواب دیا" لکھنے کو بس اسی قدر کفایت ہے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ کراماً کاتبین کو بھی اسرار قلب پر اطلاع نہیں ہوتی، وہ بھی اعمال ظاہری پر مطلع ہوتے ہیں اور بعض عارفین سے منقول ہے کہ میں نے ایک ابدال سے مسئلہ مشاہدہ یقین پوچھا تو وہ اپنے بائیں طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ کیوں بھائی کیا کہتا ہے پھر داہنی طرف متوجہ ہو کر یہی کہا پھر سینے کی طرف متوجہ ہو کر یہی کہا۔ اس کے بعد بڑا عجیب وغریب جواب دیا کہ میں نے ایسا کبھی نہ سنا تھا پھر میں نے ان سے متوجہ ہونے کا حال پوچھا تو انہوں نے فرمایا" مجھ کو جواب تمہارے سوال کا معلوم نہ تھا تو میں نے بائیں طرف کے فرشتے سے پوچھا اس نے کہا کہ مجھ کو معلوم نہیں۔ تب میں نے داہنے فرشتے سے پوچھا کہ وہ زیادہ جانتا ہے اس نے بھی لاعلمی کا بیان کیا۔ پھر میں نے اپنے دل کی طرف دیکھا تو اس نے وہ جواب دیا جو میں نے تم سے ذکر کیا۔ تو معلوم ہوا کہ وہ دونوں سے زیادہ جانتا ہے"۔

ابوسلمان درانیؒ فرماتے ہیں" قلب بمنزلہ ایک برج کے ہے جس کے چاروں طرف دروازے بند ہیں ان میں سے جو دروازہ اس کے لیے نکلتا ہے وہ اسی کام کو کرتا ہے غرض اس سے ظاہر ہو گیا کہ قلب کے دروازوں میں ملکوت کی جانب بھی ایک دروازہ ہے اور یہ دروازہ، مجاہدہ، اور ورع اور انقطاع شہوات، دنیاوی سے کھلتا ہے" اور اسی جہت سے حضرت عمرؓ نے اپنے لشکر کے رئیسوں کو فرمایا تھا کہ " جو مطیع لوگ تم سے کچھ کہیں اس کو یاد رکھا کرو کیونکہ ان پر اُمور صادقہ منکشف ہوتے ہیں" اور بعض علماء نے فرمایا ہے" حکما کے منہ پر اللہ کا ہاتھ ہے وہی بات ان کے منہ سے نکلتی ہے جو اللہ تعالیٰ ان کے لیے امر حق تیار کر دیتا ہے" اور ایک بزرگ فرماتے ہیں" اللہ تعالیٰ عاشقین کو اپنے بعض اسرار پر مطلع فرما دیتا ہے"۔

جو آثار خاص دل میں آتے ہیں ان کو ''خواطر'' کہتے ہیں، خواطر خیر کا سبب فرشتہ اور خواطر شر کا سبب شیطان ہے۔ اور دل کی نرمی جس سے کہ الہام یعنی خواطر خیر کے قبول کے لیے تیار ہوتی ہے توفیق کہلاتی ہے۔ اور اگر اس سے وسواس شیطانی کو پذیرائی ہو تو اس کو خذلان بولتے ہیں۔ ذکر الٰہی اور اس کے متعلقات ایسی شے ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے شیطان کی مجال نہیں ہوتی کہ دل کے پاس پھٹکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وسواس کے دفع کے لیے سوائے ذکر الٰہی اور اس کے متعلقات کے کوئی شے مفید نہیں۔ پس آدمی کو واجب ہے کہ شیطان سے اپنے آپ کو بچائے اور معلوم کرتا رہے کہ اس کے ہتھیار کیا کیا ہیں تاکہ ان سے اپنے آپ کو دور رکھے۔ شیطان کے ہتھیار شہوات نفسانی ہیں، پس اس قدر جاننا کافی ہے۔ یہاں یہ بات جاننے کے قابل ہے کہ خواطر (الہام) تین قسم پر ہیں۔

1۔ اول تو وہ واقعتاً داعی الی الخیر ہوں تو ان کے الہام ہونے سے کوئی شک نہیں

2۔ دوسرے یہ کہ یقیناً داعی الی الشر ہوں ان کے وسوسہ ہونے میں کوئی کلام نہیں

3۔ تیسرے یہ کہ بین بین ہوں اور معلوم نہ ہو کہ خواطر فرشتہ کی طرف سے ہے یا شیطان کی طرف سے تو اس میں بڑا دھوکا پڑتا ہے اور تمیز اس کی بہت دقیق ہے۔ کیونکہ بعض لوگ جو نیک ہوتے ہیں، شیطان ان کو صریح شر کی طرف تو بلا نہیں سکتا بلکہ شر کو خیر کی صورت میں لا کر ان کے سامنے کرتا ہے اور یہ ایک بڑا فریب ہے۔ اس سے

اکثر لوگ ہلاک ہوجاتے ہیں۔مثلاً عالم سے بطریق واعظ کہتا ہے "خلق کا حال دیکھ کہ جہل میں گرفتار اور غفلت میں سرشار، دوزخ کے کنارے پر ہیں اور ان اللہ کے بندوں پر رحم کرے، دوزخ سے بچانا چاہیے اور وعظ نصیحت ان کو کرنی چاہیے۔خدائے تعالیٰ نے تجھ کو نعمت علم اور دل روشن اور تقریر دلکش سے بہرہ مند کیا ہے تو اللہ کی نعمت کی ناشکری کس طرح کرے گا؟ اور علم کی اشاعت سے رک کر مورد عنایت خداوند کیونکر ہوگا؟۔لوگوں کو راہ راست کی طرف بلانا چاہیے"-اسی طرح کی تقریریں اس کے نقش سے ہمیشہ کرتا رہتا ہے۔یہاں تک کہ اس کو وعظ پر آمادہ کرلیتا ہے پھر اس کے بعد یوں دل میں ڈالتا ہے "اگر عمدہ لباس پہن کر اچھے لہجے سے تقریر او راظہار خیر نہ کرے گا تو تمہاری بات دل پر اثر نہ کرے گی اور نہ کسی کو راہ راست ملے گی" اور اس طرح کی تقریریں کرتا رہتا ہے اور شیطان کی غرض ان باتوں سے یہ ہوتی ہے کہ اس بندے کو ریا میں ڈال دے کہ اس کو شوق اپنی تعظیم کا اور کثرت محبت کرنے والوں کی اور تکبر اپنے علم اور جاہ کا ہوجائے۔اب دیکھیں کہ شیطان ظاہر میں تو کیسی خیر خواہی کی بات کرتا ہے مگر اصل میں اسے اس بندے کی ہلاکت منظور ہے۔

اس وجہ سے ایک مرتبہ ابلیس مردود، حضرت عیسیٰؑ کے پاس آیا اور کہا کہ لا الہ الا اللہ، آپؑ نے کہا کہ یہ کلمہ تو ٹھیک ہے لیکن تیرے کہنے سے نہ پڑھوں گا۔اس سے غرض آپؑ کی یہ تھی کہ مردود خیر کے اندر بھی دغا کرتا ہے۔

پس بندے پر واجب ہے کہ جو قصد اس کے دل میں آئے اس میں توقف اور تامل سے یہ بات معلوم کرے کہ فرشتے کی جانب سے ہے یا شیطان کی جانب سے اور اس کو غور سے سوچے کیونکہ یہ بات بدون نور تقویٰ اور کثرت علم و بصیرت کے معلوم نہیں ہوسکتی ،تقویٰ والے ایسے وقت میں نور علم کی طرف رجوع کرتے رہیں تو ان کا اشکال دور ہوجاتا ہے اور جو شخص کہ تقویٰ نہیں کرتا اس کو شیطان دھوکا دے دیتا ہے اور وہ ہلاک ہوجاتا ہے۔شیطانی وسواس کے دفع کے لیے سوائے ذکر اللہ کے اور کوئی چارہ نہیں لیکن شیطان دل کو بڑی مشکل سے چھوڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر اس سے بھلاتا رہتا ہے پس اس صورت میں اس کو مجاہدہ کرنا چاہیے۔اس مجاہدے کی انتہا موت پر ہوتی ہے۔کیونکہ جب تک دل زندہ رہتا ہے شیطان سے چھٹکارا نہیں ہوتا مجاہدے سے اس کے شر کو ٹال دیتا ہے لیکن جب تک خون بدن میں رہتا ہے جب تک اس کا مجاہدہ ضروری ہے کیونکہ ابواب شیطانی زندگی بھر تک آدمی کے دل پر مفتوح رہتے ہیں اور بند نہیں ہوتے اور وہ غضب، شہوت طمع اور حسد وغیرہ میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے جب دروازے کھلے ہوں، دشمن غافل نہ ہو تو بغیر حفاظت اور مجاہدے کے کام نہیں چلتا۔

حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے پوچھا ''اے ابوسعیدؒ کیا شیطان سویا بھی کرتا ہے؟''۔آپؒ نے فرمایا کہ ''اگر وہ کبھی سوتا تو ہم کو چین ہوتا۔''

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ ''مومن کا شیطان دبلا پتلا ہوتا ہے'' اور قیس ابن حجاجؒ فرماتے ہیں کہ ''میرا شیطان مجھے کہنے لگا کہ میں تمہارے پاس اونٹ کی موافق توانا آیا تھا اب چڑیا جیسا ہوگیا ہوں"- میں نے پوچھا "یہ کس طرح" تو اس نے جواب دیا "تم ذکر اللہ سے مجھے گھلاتے رہتے ہو"۔ان روایات سے معلوم ہوا کہ ذکر اللہ سے ابواب شیطانی کا بند ہونا مشکل نہیں۔

خثیمہ بن عبدالرحمن فرماتے ہیں، شیطان کا قول ہے کہ آدمی کتنا ہی مجھ پر غالب آجائے مگر تین باتوں میں جو میں کہتا ہوں وہ مان لیتا ہے۔

☆"اول ناحق کسی کا مال لینا ☆ دوسرے کا مال بے موقعہ خرچ کرنا ☆ تیسرے خرچ کی جہاں ضرورت ہو وہاں خرچ نہ کرنا"

حضرت ابوسفیانؒ فرماتے ہیں کہ "شیطان کے پاس کوئی ہتھیار مفلسی کا خوف دلانے سے بڑھ کر نہیں ہے جب آدمی اس کو مان لیتا ہے تو باطل کی طرف راغب ہوجاتا ہے اور امر حق سے باز رہتا ہے اور مطلب ہی کی بات کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ میں دین میں کوشش کرتا ہوں"۔مثلاً ایک شخص حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی محبت میں متعصب ہے۔مگر حرام خور اور منہ پھٹ، جھوٹا، بھیڑیا اور فسادی ہے تو ایسے شخص کو اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ دیکھتے تو اپنا دشمن تصور کرتے اس لیے کہ ان کا دوست تو وہ ہے جو ان کی راہ پر چلے اور ان کی سیرت مبارکہ کو اپنا دستور العمل بنائے اور اپنی زبان کو واہیات سے روکے حضرت ابوبکرؓ کا یہ دستور تھا کہ منہ میں کنکر رکھتے تھے کہ کوئی کلمہ بے جا منہ سے نہ نکلے۔پس یہ مدعی کیسے ہیں اور ان کی محبت کا دعویٰ کیسا ہے؟

اسی طرح بعضوں کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی محبت میں تعصب ہوتا ہے حالانکہ ریشمی کپڑے بدن پر ہوتے ہیں اور حرام مال سے زرق برق بنے رہتے ہیں پھر دعویٰ محبت حضرت علیؓ کا کرتے ہیں جبکہ حضرت علیؓ نے تو عین خلافت میں وہ کپڑے پہنے ہیں کہ ان کا دام ایک روپے سے بھی کم کا تھا۔پھر ایسے شخص سے وہ کیسے خوش ہوں گے؟ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ شیطان کا یہ قول ہے کہ میں نے امت محمد یہ خاتم النبیین ﷺ کے لیے گناہوں کو آراستہ کیا تو انہوں نے استغفار کرکے میری پیٹھ توڑ دی۔پھر میں نے ان کے لیے ایسے گناہ گڑھے کہ وہ ان سے استغفار نہ کریں اور وہ خواہشات نفسانی ہیں۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں "ایک جماعت ذکر الٰہی میں مشغول تھی، شیطان نے یہ چاہا کہ یہ یہاں سے اٹھ جائیں مگر کچھ بن نہ پڑی، پھر وہ

ایک دوسری جماعت میں گیا جو دنیا کی باتیں کر رہے تھے ان میں فساد کرا دیا، حتیٰ کہ وہ آپس میں کشت وخون ہونے لگے۔ یہ دیکھ کر پہلی جماعت اٹھ کھڑی ہوئی اور بیچ بچاؤ کروا دیا۔ اس سے شیطان کا مطلب دوسری جماعت میں کشت وخون کروانا نہ تھا بلکہ پہلی جماعت کو ذکر الٰہی سے اٹھانا مقصود تھا" اور شیطان کے طریق کار میں سے ایک یہ ہے کہ عام لوگوں کو جو علم میں کم تجربہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات اور ایسے اُمور کی فکر میں الجھا دیتا ہے کہ جو ان کی عقل میں نہ آسکیں یہاں تک کہ یہ لوگ اصل دین میں شک کرنے لگتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ شیطان کو مثل بھوکے کتے کے اپنے پاس سمجھنا چاہیے۔ پس اگر آدمی کے پاس روٹی وگوشت وغیرہ نہیں ہے تو صرف ہُش کہنے سے ہی ٹل جائے گا۔ لیکن اگر سامان سامنے کھانے کا ہوگا اور کتا بھوکا ہوگا تو ضرور کھانے پر گرے گا اور صرف للکارنے سے نہیں ٹلے گا۔ اسی طرح جس دل میں غذا شیطانی نہیں تو اس کے پاس سے شیطان صرف ذکر اللہ سے ہٹ جائے گا لیکن اگر دل پر شہوت غالب ہے دل کا سوت شیطان کے قابو میں ہے اس وقت ذکر اللہ کو قلب کے اطراف میں پھیلائے گا تو بے اثر ہوگا۔ متقیوں کا دل جو ہوائے نفسانی اور صفات مذمومہ سے خالی ہوتے ہیں ان پر شیطان کا آنا شہوات کے باعث نہیں ہوتا بلکہ جس وقت ذکر سے غفلت ہوتی ہے اس وقت اپنی راہ نکالتا ہے اور پھر جب وہ ذکر کرنے لگتے ہیں تو ٹل جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ ایک بار مومن کا شیطان اور کافر کا شیطان آپس میں ملے۔ کافر کا شیطان تو خوب چکنا، موٹا اور اچھا سا لباس پہنے ہوئے تھا اور مومن کا شیطان، ننگا، دبلا، پتلا اور غبار آلود تھا۔ کافر کے شیطان نے مومن کے شیطان سے پوچھا کہ تو دبلا کیوں ہے؟ اس نے کہا کہ میں ایسے شخص پر مسلط کیا گیا ہوں کہ اپنے کھانے، پینے، کپڑا پہننے اور سر میں تیل ڈالتے وقت بسم اللہ کہتا ہے۔ تو نہ کھانا نصیب ہوتا ہے نہ پہننا اور نہ سر میں تیل ڈالنا۔ اس لیے میں بھوکا پیاسا اور ننگا رہ جاتا ہوں۔ اس پر کافر کے شیطان نے کہا کہ شکر ہے میں ایسے شخص پر مسلط ہوں جو ان کاموں میں سے کچھ بھی نہیں کرتا۔

پس اگر کوئی یہ چاہے کہ صرف ذکر الٰہی سے شیطان دور ہو جائے جیسا کہ حضرت عمرؓ سے دور ہو گیا تھا تو یہ محال ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص دوا پیتا ہے لیکن پرہیز نہیں کرتا اور توقع نفع کی کرتا ہے۔ یہاں ذکر الٰہی کو دوا سمجھنا چاہیے اور تقویٰ کو پرہیز اور قلب کے خالی ہونے کو شہوات سے خالی ہونا سمجھنا چاہیے تو جب ذکر الٰہی ایک ایسے قلب میں جائے گا جو ماسوائے اللہ سے خالی ہے تو شیطان دفع ہو جائے گا اور صرف دوا کھانے سے بیماری جاتی رہے گی۔ پس جو کوئی عمل میں شیطان کی متابعت کرے اور زبان سے ذکر اللہ کرے اور کہے کہ حدیث میں تو یوں آیا ہے کہ ذکر اللہ سے شیطان دفع ہو جاتا ہے۔ تو اس کو امتحان اپنے ہی نفس سے کر لینا چاہیے یعنی آدمی کا منتہا ذکر اور عبادت نماز ہے تو جب نماز میں کھڑا ہوا اس وقت اپنے دل کا یہ حال دیکھتا ہے کہ شیطان اس کو کہاں کہاں کھینچتا ہے کہ نوبت تو یہاں تک آجاتی ہے کہ جو بات بھول گئی تھی وہ بھی نماز میں یاد آتی ہے۔

پس نماز دلوں کی کسوٹی ہے کہ اس سے خوبی اور برائی خوب معلوم ہو جاتی ہے اور جو دل شہوات دنیا سے بھرے ہیں ان کی نماز مقبول نہیں ہوتی تو ایسی نماز کی وجہ سے دفع شیطان نہیں ہوگا بلکہ وسواس اور زیادہ ہو جائیں گے جیسا کہ پرہیز کے بغیر دوا اکثر نقصان ہی کرتی ہے۔ اس لیے اگر کسی کو شیطان سے خلاصی منظور ہو تو اول پرہیز یعنی تقویٰ اختیار کرے۔ اس کے بعد ذکر کی دوا پیئے تب شیطان اس کے پاس سے بھاگ جائے گا جیسا کہ حضرت عمرؓ کے پاس سے بھاگتا تھا۔ واہب بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ ''اللہ سے ڈرو اور شیطان کو ظاہر میں برا مت کہو کہ تم باطن میں اس کے دوست یعنی فرمانبردار ہو''۔

حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے منقول ہے کہ ''جب حضرت آدمؑ زمین پر اترے تو انہوں نے جناب الٰہی میں عرض کیا کہ خدایا تو نے مجھ میں اور شیطان میں عداوت ڈال دی اگر مجھے تیری مدد شامل حال نہ ہوگی تو میں اس پر غالب نہ آسکوں گا''۔ ارشاد ہوا کہ ''تیرا جو فرزند پیدا ہوگا۔ اس پر ایک فرشتہ موکل معین ہو جائے گا''۔ عرض کیا کہ ''زیادہ عنایت ہو'' حکم ہوا کہ ''اگر کوئی ایک بدی کرے گا تو ایک ہی بدی کی سزا پائے گا اور ایک نیکی کرے گا تو دس سے مجھے جہاں تک منظور ہوگا دوں گا''۔ پھر کہا کہ اور ''زیادہ عنایت ہو''، ارشاد ہوا کہ ''جب تک روح بدن میں رہے گی توبہ کا دروازہ کھلا رہے گا''۔

پھر شیطان نے عرض کیا کہ "الٰہی اس بندے کو تو نے مجھ سے اشرف بنایا اگر مجھ پر اعانت نہ ہوگی تو میں کیسے اس پر قادر آؤں گا" حکم ہوا کہ ''جب بچہ آدم کے ہاں ہوگا اس کے ساتھ ہی تیرے بھی بچہ پیدا ہوگا''۔ اس نے عرض کیا کہ "اور زیادہ عنایت ہو"، ارشاد ہوا کہ ''جیسے خون بدن میں چلتا ہے ویسے ہی تو بھی ان کے رگ وپے میں جاری ہو گا اور ان کے سینوں میں اپنا گھر بنائے گا'' اس نے عرض کیا کہ اور زیادہ مدد ملے۔ حکم ہوا کہ ''انسانا'' بخیلی پر اور محبت مال اور اولاد کی اور جھوٹا وعدہ۔''

حضرت واہب بن وردائؒ کہتے ہیں کہ شیطان نے ایک بار حضرت عیسیٰؑ کی خدمت میں کہا" آپ کو کچھ نصیحت کرنا چاہتا ہوں"، آپؑ نے فرمایا ''مجھے تیری نصیحت کی ضرورت نہیں ہے مگر مجھے بنی آدمؑ کا کچھ حال بتا دے''۔ اس نے کہا" ہمارے نزدیک بنی آدم تین حکم پر ہیں۔

1۔ ایک قسم جو ہم پر بڑے سخت ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ ہم ان کے پاس جا کر ان کو بہکاتے ہیں اور اپنے قابو میں لاتے ہیں، مگر وہ استغفار اور توبہ کرنے لگتے ہیں اور ہمارا کیا کرایا سب مٹی ہوجاتا ہے۔ پھر اگر ہم دوبارہ کچھ فکر کرتے ہیں وہ اس کے بعد بھی ایسا ہی کرتے ہیں غرض نہ ہم ان سے ناامید ہوتے ہیں اور نہ وہ اللہ سے ناامید ہوتے ہیں اور نہ ہمارا کچھ کام بنتا ہے بس مشقت ہی مشقت ہے۔

2۔ دوسری قسم وہ لوگ ہیں کہ وہ ہمارے پنجہ میں ہیں، ایسے جیسے لوگوں کے ہاتھوں میں گیند ان کو ہم جدھر چاہیں پھیر لیتے ہیں ان کی ہمیں کچھ فکر نہیں ہوتی۔

3۔ تیسری قسم آپ جیسے لوگ ہیں ان پر ہمارا کچھ بس نہیں"۔

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ سے کسی نے پوچھا "ہم لوگوں کی دعا کیوں قبول نہیں ہوتی جبکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے **اُدْعُوْنِی اَسْتَجِب** ''مجھے پکارو میں سنوں گا'' آپؒ نے فرمایا "تمہارے دل مردہ ہوگئے ہیں" پوچھا کہ "ان کے مردہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟" آپؒ نے فرمایا کہ "آٹھ عادتیں:

1۔اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کا حق معلوم کرلیا لیکن اس کو بجا نہ لایا گیا۔
2۔قرآن پڑھا لیکن عمل نہ کیا۔
3۔دعویٰ محبت کیا لیکن عمل نہ کیا (پیروی نہ کی)۔
4۔موت کا خوف کیا سامان نہ کیا۔
5۔حکم الٰہی ہوا شیطان کو دشمن جانو لیکن تم نے دوستی کی۔
6۔دعویٰ خوف دوزخ کا لیکن بدنوں کو اس میں جھونک دیا۔
7۔جنت کی طلب لیکن عمل کچھ نہیں۔
8۔اپنے عیبوں کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور لوگوں کے عیبوں پر نظر رکھی"۔

ذکر کے وقت وسواس کا منقطع ہونا

واضح ہو کہ جو علماء قلوب کے حال کے نگران ہیں اور ان کی صفات اور عجائب کو دیکھتے ہیں اس سلسلے میں ان کے پانچ فرقے ہیں۔

1۔ ایک فرقے کا یہ قول ہے کہ ذکر الٰہی سے وسوسہ منقطع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا **فاذا ذکر اللہ خنس** اور خنس کے معنی خاموشی کے ہیں۔ گویا شیطان خاموش ہوجاتا ہے۔

2۔ ایک فرقہ کا یہ قول ہے کہ اصل وسوسہ تو نہیں جاتا مگر اس کا اثر جاتا رہتا ہے۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جب دل میں ذکر الٰہی بھر جائے گا تو تاثیر نہ کرے گا جیسے کوئی آدمی کسی سوچ میں بیٹھا ہو تو بعض اوقات کلام نہیں سمجھتا اگرچہ آواز اس کے کان میں آتی ہے۔

3۔ اور ایک فرقے کا قول یہ ہے کہ نہ وسوسہ منقطع ہوتا ہے نہ تاثیر جاتی ہے مگر غلبہ اس کا دور ہو جاتا ہے یعنی وسوسہ تو رہتا ہے مگر بہت ضعیف۔

4۔ اور ایک فرقے کا قول یہ ہے کہ ذرا سی دیر ذکر سے وسوسہ معدوم ہو جاتا ہے اور اتنی ہی دیر کے وسوسہ سے ذکر معدوم ہو جاتا ہے اور ان کے پے در پے اور جلد جلد آنے سے ایک تار سا بندھ جاتا ہے۔

5۔ اور ایک فرقے کا قول یہ ہے کہ وسوسہ اور ذکر دل پر ہمیشہ ایک دوسرے کے پیچھے چلتے رہتے ہیں اور منقطع نہیں ہوتے جیسے کوئی آدمی ایک ہی حالت میں اپنی آنکھ سے دو چیزیں دیکھے اس طرح دل بھی دو چیزوں کا مقام ہوتا ہے۔

وسواس کی اقسام

1- اول یہ کہ امر حق کو مشتبہ کرنے سے شیطان وسوسہ کرے مثلاً یوں سمجھائے کہ دنیا کی لذت نہ چھوڑنی چاہیے، زندگی میں بہت سی خواہشات کو اتنے دنوں تک روکنا بڑا عذاب ہے۔ پس اس وقت اگر بندہ اللہ تعالیٰ کا حق اس کا ثواب عظیم یاد کرے گا اور اپنے ہی نفس کو سمجھائے گا کہ خواہشات سے رکا رہنا تو سخت ہے مگر دوزخ کی آگ کا سہنا سخت تر ہے۔ تو جب اس طرح وعید وعدہ کو یاد کر کے تجدید اپنے یقین کی کرے گا تو شیطان بھاگ جائے گا۔ اسی طرح عُجب کے لیے وسوسہ ڈالے مثلاً دل میں یہ بات ڈالے کہ آج تیرے برابر معرفت اور عبادت الٰہی میں کوئی نہیں تیرا رتبہ خدا کے نزدیک بہت بڑا ہے۔ اور اس وقت بندہ یہ یاد کرے کہ میری معرفت اور اختیار اور قلب و اعضاء جن سے میں نے جانا یا عمل کیا سب کے سب اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں پھر عجب کس چیز پر کروں؟ تو اسی وقت شیطان ٹل جائے گا۔ جو لوگ عارف نور ایمانی اور نور معرفت سے روشن ضمیر ہیں ان کے پاس اس قسم کا وسواس بالکل نہیں ٹھہر سکتا۔

2۔ دوسری قسم وساوس کی یہ ہے کہ شہوت کو حرکت دے۔

3۔ تیسری وسوسہ کے خواطر ہیں اور غائب چیزوں کا حال یاد کرنا۔ جب دل متوجہ ذکر الٰہی ہوتا ہے تو ذرا ٹل جاتا ہے پھر آجاتا ہے اور ذکر اور وسوسہ پے در پے اس طرح آتے ہیں کہ یہ خیال ہوتا ہے کہ دونوں کا ایک سلسلہ ہوگیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ شیطان سے ایک ساعت یا ایک لحظہ خلاص ہوتا تو کچھ بعید نہیں مگر عمر بھر اس سے نجات ملنی بہت بعید ہے۔ بلکہ محال ہے یہ بات اگر ممکن الوجود ہوتی تو آنحضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی کسی قسم کا وسوسہ نہ ہوتا حالانکہ وسوسہ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ہوا جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں اپنے کپڑے کے نقوش پر نگاہ کی اور سلام پھیر کر وہ کپڑا پھینک دیا اس نے مجھ کو نماز سے روک دیا اور ایک بار سونے کے حرام ہونے سے پیشتر آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی تھی۔ خطبہ پڑھنے میں اس پر نگاہ جا پڑی۔ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اتار کر پھینک دیا اور فرمایا کہ ''ایک بار اس کو دیکھتا ہوں اور ایک بار تم کو''۔ اس سے معلوم ہوا کہ وسوسہ متاع دنیا جب ہی منقطع ہوگا جب اس کو الگ کر دیا جائے۔ جب تک ایک روپیہ ملک میں رہے گا یہی خیال رہے گا کہ اس کو کہاں خرچ کیا جائے۔ کہاں رکھا جائے؟ اور کیسے کیسے استعمال کیا جا سکتا ہے؟ غرضیکہ دنیا وسوسہ کا بڑا پھاٹک ہے اور اس کا ایک راستہ نہیں ہے بہت سے راستے ہیں۔

ایک حکیم کا قول ہے کہ شیطان اول بنی آدم کے پاس معاصی کی طرف سے آتا ہے اور اگر اس نے کہنا نہ مانا تو نصیحت کے طور پر پیش آتا ہے اور چاہتا ہے کہ کسی بدعت میں پھنسا دے اور اگر اس کو بھی نہ مانا تو اس کو تنگی اور شدت کا حکم کرتا ہے اور جو چیز حرام نہ ہو اس کو بھی حرام سمجھتا ہے۔ اگر اس کو بھی نہ مانا تو وضو اور نماز میں شبہ ڈالتا ہے کہ کسی کا یقین نہ رہے اور اگر یہ بھی نہ بن پڑا تو اعمال نیک کو اس پر آسان کر دیتا ہے اور جب لوگ اس کو صابر اور عفیف دیکھتے ہیں اور اس کی طرف راغب ہوتے ہیں تو عجب میں ڈال کر تباہ کر دیتا ہے اور اس آخیری صورت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتا کیونکہ اب وہ جان چکا ہوتا ہے کہ یہ شخص اب کی بار پھندے میں نہ آیا تو سیدھا جنت میں چلا جائے گا۔ یہ جان لینا چاہیے کہ جو کوئی اپنے دل سے آخرت کا مشاہدہ یقینی کر لیتا ہے وہ آخرت کے راز کا مشتاق ہوتا ہے۔ ان راستوں پر چل پڑتا ہے اور دنیا کی نعمتوں اور لذتوں کو ناپائیدار سمجھتا ہے۔

آج کل وہ علما جو راہ حق بتائیں، دنیا کی حقارت، اس کا فانی ہونا اور آخرت کی بقا سمجھا دیں۔ مفقود ہیں۔ خلق خدا غافل ہے اور اپنی شہوات میں مستغرق اور معرفت الٰہی سے بہت دور کوئی عالم دین ایسا نہیں کہ لوگوں کو متنبہ کرے اور کوئی متنبہ ہوتا ہے تو خود ناواقفیت کی وجہ سے چل نہیں سکتا۔ علماء کا ہوائے نفسانی سے بولنا اس بات کا باعث ہے کہ آج کل خدا کی راہ پر چلنے والے نہ رہے۔

پس جب مقصود محبوب ہے اور راہبر مفقود اور ہوائے نفسانی غالب اور طالب غافل تو راہ کیسے ملے گی؟ اور پہنچا کیسے جائے گا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

طریقت کیا ہے؟

طریقت:

باطن کا حال سنوارنے کا نام ہے۔

طریقت ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہونے کا نام ہے۔ اِس کے کئی ذریعے ہے۔

1۔ **موت سے پہلے مرنا:-** یعنی نفس کو زیر کر کے موت کی نیند سُلا دینا۔

2۔ **مراقبہ:-** یہ بھی ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہونے کا نام ہے۔

3۔ **بالمشافہ مشاہدہ :-** بزرگان دین اِس عالم میں رہتے ہیں اور عالم آخرت کی خبر رکھتے ہیں۔

4۔ **خواب:-** اہل طریقت کا خواب اور لوگوں کے خواب سے جدا حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی تفسیر ہوتی ہے جبکہ اہل دنیا کے خوابوں کی تعبیر ہوتی ہے۔

جب انسان ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہوتا ہے تو ابتدا میں اُنس ہے اور انتہا عشق ہے۔ پھر ایک مقام ایسا بھی آتا ہے جہاں بجز ذات حق کے کچھ نہیں رہتا اُسے دیدار لا مکاں یا مقام لا ہوت کہتے ہیں۔ ایک کشف ہوتا ہے **عالم اُنس** میں۔ ایک کشف ہوتا ہے **عالم عشق** میں اور ایک ہوتا ہے **عالم لاہوت** میں جس سے اٹھارہ ہزار عالم بے نقاب ہو جاتے ہیں۔ طبیعت میں کبھی بغض، حسد اور غرور پیدا نہ کرنا۔ اس سے روشنی گل ہو جاتی ہے حاسد اور مغرور مردود ہیں۔ مغرور سے توبہ کی توفیق چھین لی جاتی ہے اور حاسد پر حصول فیض کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

آسان الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ:

تصوف یا طریقت:

دین کا ایک ایسا شعبہ ہے جس کی اساس (بنیاد) خلوص فی العمل اور خلوص فی النیت پر ہے اور جس کی غایت (مقصد) تعلق مع اللہ (اللہ سے تعلق) اور حصول رضائے الٰہی ہے۔ یعنی تصوف نفس کی تمام لذّتوں کو ترک کر دینے کا نام ہے، ضمیر کو مخالفت کی میل سے صاف کر دینے کا نام ہے، اور دونوں جہاں سے آنکھیں بند کر لینے کا نام ہے۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "جو اہلِ تصوف کی آواز پر لبیک نہیں کہتا اللہ تعالی کے ہاں اُس کا شمار غافلوں میں ہوتا ہے"۔

****

طریقت کے اسباق

طریقت کا پہلا سبق:

1۔ نفس کی پہلی حالت امارہ ہے۔
پھر لوامہ، پھر الہامہ، پھر مُطمئنہ، پھر راضیہ، پھر مرضیہ، پھر صافیہ (کاملہ)
جب تک سفرِ آخرت پیش نہ آجائے نفس کے از سرِ نو زندہ رہنے کا خطرہ لاحق رہتا ہے اِس لیے اسے آہستہ آہستہ زہر دیتے رہنا چاہیے۔

2۔ **نفس** کی سب سے بڑی طاقت دنیا کی محبت ہے اور **قلب** کی سب سے بڑی طاقت اللہ کی محبت اور اس کی معرفت اب انسان کے اختیار میں ہے خواہ دنیا کو اختیار کرے یا آخرت کی منزل اختیار کرے۔

3۔ قلب میں وسعت پیدا کریں۔فکر کی عادت ڈالیں۔طریقت مجاہدے کا دوسرا نام ہے اہل طریقت مریدین کو مجاہدے میں ڈالتے ہیں اور پھر منزل طے کرا کر ہی چھوڑتے ہیں۔اہل طریقت پہلے تعلیم پھر اذکار، پھر مجاہدہ اور پھر ریاضت کرواتے ہیں۔

4۔ طریقت ایک ایسی راہ ہے جس پر قدم رکھتے ہی اپنی باگ دوسرے کے ہاتھ میں دینی پڑتی ہے اور انسان کو خود سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔صبر اور شکر کا توشہ ساتھ رکھنا پڑتا ہے۔

5۔ اگر کوئی چیز اچھی حاصل ہوجائے تو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اپنے کمال یا اپنے کسب یا اپنی کسی ذاتی خوبی کی بنا پر حاصل ہوتی ہے بلکہ اس کو فضل ربی سمجھیں اور شکر ادا کریں۔طریقت میں شکر لازمی چیز ہے۔زبان پر ذکر جاری رہے جو ہوا تو اس کے کرم سے ہوا۔جب بندہ شکر ادا کرتا ہے تو اس کی نعمتوں میں اضافہ کردیا جاتا ہے۔

طریقت کا دوسرا سبق:

1۔ محبت سے آسان کوئی مجاہدہ نہیں۔

2۔ جب تک خلوص پیدا نہ ہوگا راستہ نہیں ملے گا۔

3۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے محبت نہیں کرسکتا وہ اللہ سے محبت نہیں کرتا۔

4۔ عبادت سے محض دوزخ اور جنت کا مسئلہ حل ہوتا ہے۔خدمت خلق سے معبود راضی ہوتا ہے۔

5۔ **اگر کسی نے محنت سے روحانیت حاصل کی ہے اور دوسروں کو کم محنت کرا کر یہ دے دی تو یہ سخا ہے اگر اتنی ہی محنت کروا کر دی تو یہ عطا ہے۔اور اگر اپنے سے زیادہ کروا کر دی تو یہ مجاہدہ ہے۔**

طریقت کا تیسرا سبق:

1۔ قلب کی پہلی غذا ذکرِ باری تعالیٰ ہے۔

2۔ قلب کی دوسری غذا اولیا اللہ کی صحبت ہے۔
صحبت مردانِ حق قلب کے اذکار بڑھا دیتی ہے۔اہل ذکر کو کبھی مایوسی کے عالم میں بھی کوئی ایسی بات نہیں کہنی چاہیے۔جس سے باری تعالیٰ کا گلہ ہو۔اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہر معاملہ میں راضی بہ رضا رہنا چاہیے۔اور اس سے خوش رہنا چاہیے انسان نہیں جانتا کہ کس وقت کونسی بات پکڑی جائے۔وہ معبود ہے ہم بندے ہیں۔بندے کو کبھی بندگی کے مقام سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔

3۔ فقیر وہ ہے جو دوسروں کی فکر میں رہے۔فقیر کی صحبت کا کوئی نعم البدل نہیں اس سے آسان تر کوئی مجاہدہ نہیں۔اہل دنیا کے ساتھ فقیر دنیا کی بات کر لیتے ہیں۔

4۔ ایک دوسرے کے درد میں شریک رہیں۔

5۔ حسد اور بغض چھوڑ دیں چھوٹی چھوٹی باتوں کی پرواہ نہ کریں۔

طریقت کا چوتھا سبق:

1۔ منزل میں دیر کیوں لگتی ہے؟

منزل کا دارومدار فنافی الشیخ ہونے پر ہے۔(یا فنافی الاستاد) جو جتنی دیر میں یہ منزل طے کرے گا اتنی ہی دیر میں مراد کو پہنچے گا اور جو آتے ہی نعرہ لگائے سب کچھ شیخ کا (سب کچھ پیر کا) اس کی منزل اسی دن طے ہو جاتی ہے۔

2۔ جب قلب کے اذکار بڑھ جاتے ہیں تو ہاتھ پاؤں اور جسم سے آگ نکلنے لگتی ہے۔ایسا محسوس ہوتا ہے جان نکلنے لگی ہے اس وقت ذکر درود شریف کا کیا جائے بعض اوقات جسم قابو سے باہر ہو جاتا ہے۔ایسی حالت میں ٹیک لگا لیں یا کچھ دیر کے لیئے آنکھیں بند کر کے لیٹ جائیں۔

3۔ گِلے شکوے سے حالات نہیں بدلتے شکر سے بدلتے ہیں۔

قرضہ مت دیں۔شراکت نہ کریں۔نماز کی اصلاح کریں۔ارکان نماز ٹھیک کریں۔اللہ کرم فرمائے گا۔

4۔ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں پر کرم فرماتے ہیں جو اس کے کرم کے طالب ہوتے ہیں۔

5۔ نماز اور ذکر و وظائف کی سخت پابندی کریں ورنہ بنا بنایا کام بگڑ جائے گا۔

طریقت کا پانچواں سبق:

1۔ جتنے لوگ راہ طریقت میں قدم رکھتے ہیں انہیں دنیاوی پریشانیاں آتی ہیں۔پھر دل دنیا سے متنفر ہو جاتا ہے۔پھر اللہ تعالیٰ اپنی محبت عطا کر دیتے ہیں۔آخیری منزلِ حیات میں دنیا بھی عطا فرما دیتے ہیں۔

2۔ اہل طریقت کو ایسے حال میں رہنا چاہیے کہ لوگ ان کو دیکھ کر رغبت پکڑیں۔

3۔ جنہیں یقین کامل ہوتا ہے۔وہ اللہ کو اللہ سے طلب کرتے ہیں۔بندوں سے کچھ طلب نہیں کرتے یہی اللہ کی محبت کی پہچان ہے۔

4۔ اہل اللہ، اہل محبت یا اہل طریقت فانی چیز سے محبت نہیں کرتے۔فانی چیز کے لیئے سائل نہیں بنتے۔

5۔ ادھر کی بات اُدھر نہیں لگانی چاہیے۔

6۔ غلام کا کام تعمیل ارشاد ہے مالک عطا کر دے اس کی مرضی۔لیکن حق نہیں ہے۔مالک نے غلاموں کو ان کے حق سے کہیں زیادہ دے رکھا ہے۔

طریقت کا چھٹا سبق

1۔ جس محبت میں سلیقہ اور ضبط نہ ہو وہ محض جنون ہے۔جس محبت میں سلیقہ ہے وہ منزل ہے۔اہل دنیا کی محبت کا تعلق زبان سے ہوتا ہے۔اہل اللہ کی محبت کا تعلق قلب سے ہے۔اہل محبت کی تعلیم حال سے زیادہ قال سے کم اس لیئے اہل محبت کو محرموں اور نامحرموں میں تمیز کرنی چاہیے۔محرم کے حال میں غیر محرموں میں نہیں رہنا چاہیئے۔

2۔ محبت ایک نعمت ہے جو اللہ جل شانہ اپنے اُن بندوں کو عطا فرماتے ہیں جن سے وہ راضی ہوں۔جس محبت کا تعلق عمل سے ہے وہی حقیقت میں محبت ہے۔یہ ایک روشنی ہے جس کی مدد سے انسان خود کو دیکھتا ہے۔یہ محبت قلب میں ایک ایسا درد پیدا کرتی ہے۔جس میں قرار نہیں، ایک ایسا ذکر عطا کرتی ہے جس میں چین نہیں اور جب یہ محبت مقام نفس پر پڑتی ہے تو برق کی طرح پڑتی ہے اور نفس کو جلا کر خاک کر دیتی ہے۔پھر جب یہ محبت روح میں مقام کرتی ہے تو یہ ایک بقا ہے جسے فنا نہیں۔اِسی کو حیات اَبدی کہتے ہیں جو لوگ حَیات ابدی کے مالک ہو گئے انہوں نے اپنے رَب کو راضی کر لیا اور وہی لوگ ہیں جو اپنی مراد کو پہنچ گئے۔

3۔ جو بقا حاصل کر چکا ہو یا بقا کی تلاش میں ہو اس کا رجوع فانی چیزوں کی طرف ہو تو طریقت میں اُسے منافقت کہتے ہیں۔جنہیں دنیا کی طمع نہیں رہی وہ سکون کا خزانہ بن جاتے ہیں۔خود پر سکون رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی سکون عطا کرتے ہیں۔

4۔ بقا سے مراد اللہ تعالیٰ کی پاک ذات ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔بقا سے محبت ہی حیات ابدی ہے۔بقا سے محبت بیان نہیں کی جا سکتی یہ بڑی لطیف چیز ہے بس انسان محسوس کر سکتا ہے۔

5۔ مرید ہونا پہلا قدم ہے یہ ایک حال ہے جو اللہ کی راہ میں اس نے بدلا۔اَب طالب دنیا ہونا بے ادبی ہے(کیونکہ مرید کا مطلب طالبِ آخرت)

طریقت کا ساتواں سبق

1۔ ہر حال کا ایک ادب ہوتا ہے۔ جو کسی حال کے ادب سے واقف ہو گیا وہ اپنی منزل کو پہنچ گیا۔ جو ادب سے محروم رہا وہ حال کی حقیقت کا جاہل ہے۔

2۔ پھر حال میں قدم رکھنے کا دوسرا ادب گفتگو ہے۔ ہر شخص کو اپنے حال کے مطابق گفتگو کرنی چاہیے۔ اہل طریقت پر لازم ہے کہ محرمانہ گفتگو نامحرموں کے سامنے نہ کریں۔

3۔ **جب بزرگان دین کی زیارت ہو تو شیخ کی خدمت میں آکر عرض کرے، ختم دلائے شکرانہ پڑھے پھر آگے راستہ ملے گا ورنہ نہیں۔**

4۔ جب فقیر کسی کو بلاتا ہے تو اُس کا انتظام کر کے بیٹھتا ہے کہ کیا کچھ دینا ہے؟ کیا کچھ سکھانا ہے؟ اور کیا بنانا ہے؟ پھر اگر وہ شخص اس وقت نہیں آتا تو انتظام ختم ہو جاتا ہے۔

5۔ اللہ تعالی کی اعانت کے بغیر قلب کو اس کی طرف متوجہ کرنا بہت دشوار ہے۔ چاہے جتنی کوشش کر لی جائے اور جب اس کی مدد شاملِ حال ہوتی ہے تو کوشش کے بغیر ہی قلب اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

طریقت کا آٹھواں سبق

1۔ بیعت کچھ حاصل کرنے کی نیت سے نہیں کی جاتی۔ صرف پچھلے گناہوں کی معافی مانگی جاتی ہے۔ آئندہ نیک عمل کرنے کا عہد کیا جاتا ہے اور ان دونوں باتوں پر مرشد کو گواہ بنایا جاتا ہے۔ مرشد کے پاس صرف اطاعت کی نیت سے جانا چاہیے۔ نیت میں طلب نہ ہو۔

2۔ مرشد اور مرید کا تعلق ایک راز ہے۔ اس لیئے اشارہ کنایہ ہی سے اظہار اچھا ہے۔ بالکل پردہ اٹھا دینا بھی مناسب نہیں یہ ایک ایسا حال ہے جو صرف خواص کی سمجھ کے اندر ہے اور عام کی رسائی سے بالاتر۔ اِس لیئے جب کبھی مرشد اور مرید کسی غیر محرموں کی محفل میں اکٹھے ہوں تو اس وقت بڑی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ محرموں کے حال میں غیر محرموں میں ملے گا تو لوگ بدگمان ہو جائیں گے۔ اور ہوسکتا ہے کہ وہ راہ حق سے محروم ہو جائیں۔

مثال کے طور پر دست بوسی عوام کی رسائی کے اندر ہے (جائز تصور کی جاتی ہے) لیکن قدم بوسی ان کی رسائی (سمجھ) سے بالاتر۔ پھر ہوتا یہ ہے کہ عام لوگ اس طریقے سے بدگمان ہو جاتے ہیں اور پھر راستہ دشوار ہو جاتا ہے۔ دست بوسی کنایہ ہے اور قدم بوسی حال۔ اس لیئے عوام کے سامنے کنایہ پر اکتفا کرنا چاہیے۔

3۔ مرشد کی موجودگی میں تسبیح پڑھنا اور ورد کرنا منع ہے۔

4۔ مزار پر دیدوالوں کے لیئے قدم بوسی ہے باقی لوگوں کے لیئے صرف فاتحہ پڑھنا ہے۔

طریقت کا نواں سبق

1۔ محبت کی آگ محبت سے ملتی ہے، بے ادبی غرور اور تکبر سے نہیں ملتی۔ ہر شخص کو اس کی محبت کی نسبت سے جواب ملتا ہے۔ جواب میں دیر محبت میں صدق کی کمی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ کوئی تمہاری فکر پال لے تو اس کے لیئے ضروری ہے کہ تم دوسروں کی فکر پال لو۔

2۔ جو بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور اپنے دستر خوان کو وسیع رکھتے ہیں ان کا رزق وسیع ہوتا ہے۔ جیسا سلوک معبود سے چاہتے ہو ویسا سلوک اس کی مخلوق سے کرو۔

3۔ کسی کا پیسہ دینا ہو تو فوراً واپس کر دینا چاہیے خواہ دمڑی ہی کیوں نہ ہو۔ یہ چیز راستہ روک دیتی ہے۔

4۔ فقیر کے ذمے محنت ہے اور طالب کے ذمے صِدق۔ طالب کے صدق کی دلیل صبر ہے۔ اور فقیر کے صدق کی دلیل محنت دونوں طرف صِدق ہو تو کامیابی یقینی ہے۔

5۔ تبلیغ وہ کرے جسے اُس چیز کی تبلیغ کی اجازت مِل جائے۔

طریقت کا دسواں سبق

1۔ دنیا کی محبت اور چیز ہے اور دنیا کو فرض کے طور پر اختیار کرنا اور چیز "دنیا میں رہ اور دنیا میں نہ رہ"۔

دنیا کو بطور ضرورت ہاتھ میں تھامو۔ دنیا دل میں بسانے کی چیز نہیں ہے۔ دل میں تو بس اللہ تعالی کی محبت کو سمانا چاہیے۔

2۔ جو شخص جس قدر اور جتنی اللہ تعالیٰ سے محبت چاہتا ہے اُسے چاہیے کہ اتنی ہی وہ دنیا کی محبت چھوڑ دے دنیا کی محبت ایک اندھیرا ہے۔ اللہ تعالی کی محبت ایک نُور ہے۔ یہی نور ہے جس میں انسان خود کو بھی دیکھتا ہے اور اپنی منزل کو بھی دیکھتا ہے۔ اپنی منزل بھی طے کرتا ہے اور دوسروں کو بھی منازل طے کراتا ہے۔ اندھیرے میں انسان اپنی منزل بھی کھوتا ہے اور دوسرں کی راہنمائی کے قابل بھی نہیں رہتا۔

3۔ جب اللہ تعالیٰ اپنی محبت کی چنگاری دل میں رکھ دیتے ہیں تو اس جسم کے فاسد مادے جلنا شروع ہو جاتے ہیں اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ سوائے باری تعالیٰ کے قلب میں کچھ نہیں رہتا پھر انسان مجسم جود وسخا بن جاتا ہے۔

4۔ بزرگانِ دین کی صحبت میں بیٹھنے والوں پر شیطان عجیب حملے کرتا ہے۔ شیطان ایسی محفلوں میں حسد اور کینہ کی آگ لگاتا ہے اور کہتا ہے کہ تو پیچھے رہ گیا ہے۔ فلاں آگے بڑھ گیا کچھ کر۔

5۔ اگر دو سال کا بچہ کہے کہ مجھے تو پاؤ بھر دودھ ملا ہے۔ بڑے بھائی کو دو سیر کیوں دیا گیا؟ اور اس فرق پر غصّے میں پاؤں مار کر اپنا پاؤ بھر دودھ بھی گرا دے تو اپنا ہی نقصان کرے گا۔

جتنا بچے کا ہاضمہ بڑھتا ہے اُتنی ہی ماں باپ کو اُس کی فکر ہوتی ہے دو سیر کا ہاضمہ بناؤ تو ماں باپ بھی دو سیر کی فکر کریں گے۔

طریقت کا گیارواں سبق

1۔ **ایسے مرید دنیا میں اَب کم رہ گئے ہیں جنہیں شیخ چاہیں اور جو شیخ کی خدمت کریں مُریدِ صادق تو اشارے کی بات سمجھ جاتا ہے۔ کھول کر کہیں تو نام کٹ جاتا ہے۔**

2۔ مشورے پر عمل کرو خواہ تلخ ہی کیوں نہ ہو۔ یہاں عمل کم کرتے ہیں بس دعا چاہتے ہیں۔

3۔ تصور خیال سے ہے آنکھ سے نہیں۔ آنکھیں کھلی رکھو اور خیال مرشد کی طرف دوڑاؤ پھر مراد چاہو۔

4۔ مرشد کی اولاد کو اس کی غلطی پر تنبیہ نہ کرنا مرشد کے ساتھ خیانت ہے۔

5۔ صحبت کی پابندی اہم ہے۔ چاہے کم کم ہی صحبت ہو لیکن اس کے بغیر سب کچھ بیکار ہے۔

طریقت کا بارواں سبق

1۔ جب اللہ تبارک تعالیٰ کسی بندے سے راضی ہو جاتے ہیں تو اسے توبہ کی توفیق عطا فرماتے ہیں اور جب توبہ قبول فرما لیتے ہیں تو اسے اپنی محبت عطا فرما دیتے ہیں اور اپنے بندوں کی محبت بھی عطا فرما دیتے ہیں۔

2۔ محبت ایک درد ہے جس میں قرار نہیں ایک ذکر ہے جو محو نہیں۔ ایک نشہ ہے جس میں ہوش نہیں۔ جس کو اللہ نے اپنی محبت عطا فرما دی وہ انسان بن گیا۔

3۔ محبت جب قلب پر گرتی ہے تو فنا ہے۔ جب نفس پر گرتی ہے تو ایک لاشہ ہے۔ جب روح پر گرتی ہے تو یہ بقا ہے۔ جنہیں بقا حاصل ہو جائے وہ کامیاب اور بامراد ہیں۔

4۔ صحبت مرشد کی سختی سے پابندی کرو۔ نورِ ایمانی کی شمع روشن کرو امن کا پروانہ مل جائے گا۔

5۔ گلے شکوے سے حالات نہیں بدلتے محبت اور شکر سے حالات بدلا کرتے ہیں۔

طریقت کا تیرواں سبق

1۔ **مسامرہ**: دن کے حالات کا نام ہے جو کھولے جا سکتے۔

محادثہ: رات کے راز و نیاز کا نام ہے۔ اس کا فاش کرنا منع ہے۔

2۔ اِلقا اور الہام کی کیفیت غنودگی سے شروع ہوتی ہے۔

3۔ تنگی اور نا امیدی میں بغاوت کرنے والوں کا انجام بُرا ہوتا ہے۔ جو صبر و سکون سے کام لیتے ہیں۔ وہ انَّ اللہ مَعَ الصابِرین کے مصداق ہیں۔

4۔ **کسی فقیر کی سب سے بڑی کرامت کسی مُردہ دل کو زندہ کر کے حیاتِ اَبدی دلانا ہے۔**

5۔ جس مقام پر کسی کو کسی سے طمع نہ ہو وہاں خیر ہی خیر ہے۔

طریقت کا چودھواں سبق

1۔ ذاکر کا حُسن اگر کوئی دیکھ لے تو کئی دن ہوش میں نہ آئے۔

2۔ ہر شخص کا مرتبہ اُس کے عمل سے پہچانا جاتا ہے اُس کی صورت سے نہیں۔

3۔ قدرت کسی کی اطاعت کو نہیں دیکھتی۔ لُطف کسی کے گناہوں کو نہیں دیکھتا اللہ کی ذات جب کرم کرتی ہے تو قلوب پھیر دیتی ہے۔

اِس بات کو شیخ شرف الدین یحییٰؒ نے اِس طرح بیان کیا کہ:

اپنی خرابیوں کو تم نہ دیکھو اِس بات کو دیکھو کہ آب و خاک بے مقدار سے حضرت آدم علیہ السلام کیسے پیدا ہوئے؟ ایک یتیم ہستی جس کے کفیل ابو طالب تھے وہ محمد رسول (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیسے ہوگئی؟ آذر بت تراش کے گھر میں ابراہیم (خلیل اللہ) کا وجود کس طرح ظہور پذیر ہوا؟، اس بات کا تماشہ دیکھو کہ مشرکوں سے موحدین، کافروں سے مومنین، عاصیوں سے متقین، مُفسدوں سے مصلحین ہوا کرتے ہیں۔ "قدرت کسی کی اطاعت کو نہیں دیکھتی۔ لطف کسی کی معصیت کو نہیں دیکھتا"

4۔ سب سے آسان طریقہ لینے اور دینے کا صحبت شیخ ہے۔

5۔ ولی اپنی سیرت اور عمل سے پہچانا جاتا ہے۔ حسب نسب سے نہیں۔ اہل اللہ قلوب کے جاروب کش ہوتے ہیں۔

طریقت کا پندرواں سبق

1۔ روشنی حاصل کر لینا بڑی بات نہیں ہے اس کی حفاظت کرنا اور اس سے صحیح کام لینا بڑی بات ہے۔

2۔ نابینا عالم سے مراد ایسے لوگ ہیں جو علم کے تو مالک ہیں لیکن جن کا نفس زندہ اور قلب مردہ ہے۔

3۔ جس کا قلب زندہ ہے وہ بینائی کا مالک ہے وہی عالم باعمل ہے۔

4۔ قلب کی بینائی کا تعلق صورت سے نہیں ہوتا بلکہ اس کا تعلق نفس کی موت سے ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد میں کامیاب ہوگیا۔ وہ قلب بیدار کا مالک ہوگیا۔

5۔ اللہ تعالیٰ جنہیں حیات ابدی عطا کرتے ہیں وہ ذاکر بندے ہوتے ہیں۔

طریقت کا سولہواں سبق

1۔ ایک وقت عطا کا ہوتا ہے پھر ایک وقت محاسبے کا ہوتا ہے۔

جو لوگ محاسبے سے پہلے عطاؤں کو سمجھ لیتے ہیں وہ مالک کا شکر ادا کرتے ہیں اور اپنا انعام محفوظ کر لیتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کی نعمتوں میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ شکر کرنے والوں کی نعمت زوال سے محفوظ رہتی ہے۔ **محاسبے سے ڈرتے رہنا۔ محاسبے کا غم پالنا اچھی چیز ہے۔**

2۔ خیرات کرنا بھی ایک طرح کا شکر ہے۔

3۔ ذاکر دن رات میں چالیس حالتیں بدلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جن کو حیات ابدی عطا کرتے ہیں وہ ذاکر ہی ہوتے ہیں۔

4۔ بعض ذاکروں پر اُن کا حال آشکارا ہوتا ہے۔ اور بعض کی حالت ایسی ہوتی ہے۔ جیسے کسی کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اُسے راستہ طے کروایا جاتا ہے۔ اور ان کیفیات سے گزارا جاتا ہے۔

طریقت کا سترواں سبق

1۔ فیضان مختلف طریقوں سے ہوتا ہے۔

ا۔ ایک وہ جو ظاہر سے تعلق رکھتا ہے 2۔ ایک جو باطن سے تعلق رکھتا ہے۔

i)۔ **باطنی فیض** کی سب سے پہلی صورت یہ ہوتی ہے کہ انسان اپنے اندر ایک خاص قسم کا **سرور محسوس** کرتا ہے۔

ii)۔ باطنی فیض کی دوسری اعلیٰ شکل **کیف** ہے۔

iii)۔ پھر اس سے اعلیٰ **وجد** ہے۔

iv)۔ پھر اس سے اعلیٰ **محویت** ہے۔

v)۔ پھر اس سے اعلیٰ **استغراق** ہے۔ (یہ سب سے اعلیٰ شکل ہے)

2۔ سرور اور کیف کیا ہے؟

اللہ جل شانہ ایسے بندے کو اُنس کا چھینٹا دیتے ہیں۔ اس کے جسم میں ایسی محبت پیدا کر دیتے ہیں۔ جس سے جسم میں لذّت پیدا ہوتی ہے۔ ان لذتوں کی وجہ

سے انسان کچھ بھولتا ہے کچھ یاد کرتا ہے۔ اُسے ایک خاص قسم کی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ جس کا تعلق احساس سے ہے بیان سے نہیں۔

3۔ وجد کیا ہے؟

یہ ایک جام توحید ہے جو اللہ جل شانہ اپنے چاہنے والوں کو منبر توحید پر پلاتا ہے۔ جسے پیتے ہی انسان اللہ کے سوا ہر چیز کو بھول جاتا ہے اور ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے جس سے صاحب وجد اپنے مقام پر جا کھڑا ہوتا ہے۔

4۔ محویت کیا ہے؟

وجد کے بعد جب انسان اپنے مقام پر کھڑا ہوتا ہے۔ تو مشاہدہ میں سرا تا پا غرق ہوتا ہے اور مشاہدہ کے علاوہ تمام چیزوں سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔

5۔ استغراق کیا ہے؟

جب صاحب وجد اپنے مقام پر کھڑا ہوتا ہے تو یہ مقام اس کے مرتبے کے مناسب حال ہوتے ہیں۔ اگر کوئی **فنافی الشیخ** کے مقام کا حامل ہے تو شیخ کے قدموں میں حاضر ہو جائے گا۔ اگر **فنافی رسول** کے مقام پر فائز ہے تو دربار رسالت میں حاضر ہو جائے گا۔ اگر **فنافی اللہ** کا مقام ہے تو اللہ تعالی کی تجلیات کا نزول شروع ہو جائے گا اور اَب وہ دیدار لامکاں میں کھڑا کر دیا جائے گا۔ اِسی کو استغراق کہتے ہیں۔

یہ ذرائع ہیں جن سے اللہ جل شانہ انسانی قلوب پر اپنے فیضان کا نزول کرتا ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کسی ایک کے صدقے میں سب کو نواز دیتے ہیں جو باادب اور باہوش ہوتے ہیں وہ دامن بھر لیتے ہیں۔ اور جو بے ادب اور بے ہوش ہوتے ہیں۔ وہ اکثر اپنی طاقت بھی کھو دیتے ہیں۔

2۔ جب تک مرشد پر حق الیقین نہ ہو آگے راستہ نہیں ملتا ہے۔

طریقت کا اٹھارواں سبق

1۔ ایک علم نور ہے۔ ایک علم اندھیرا ہے۔ جو علم انسان کو اُس کی منزل نہ دِکھا سکے وہ اندھیرا ہے۔ (دنیا کا علم)
حقیقت میں علم وہی ہے جس سے انسان اپنی منزل خود دیکھ سکے۔ (آخرت کا علم)

2۔ جو لڑی میں پرو دیا جاتا ہے امن سے رہتا ہے۔

3۔ **جو درود شریف اور استغفار کثرت سے کرے گا تر جائے گا۔**

4۔ اللہ تعالی جب کسی بندے سے راضی ہوتے ہیں تو اس کے قلب پر ایک تجلی فرماتے ہیں۔ یہ وہی تجلی ہے جو کوہ طور پر پڑی تھی۔ اس تجلی کی دو حالتیں ہیں۔

i)۔ ایک ہیبت اور ایک اُنس:

جب اللہ تعالی اپنی **جلالی تجلی** فرماتے ہیں تو بندے پر ایک ہیبت وارد ہو جاتی ہے۔ اور وہ ہر وقت ڈر اور خوف میں مبتلا رہتا ہے۔ اور اس حالت ہیبت میں اپنی منزل طے کرتا ہے۔ یہ حالت بڑی تکلیف دہ ہوتی ہے۔

ii)۔ دوسری حالت میں اللہ تعالی اپنی **جمالی تجلی** فرماتے ہیں۔ اور جب یہ تجلی وارد ہوتی ہے تو محبت پیدا ہوتی ہے۔ اُنس پیدا ہوتا ہے۔ بندہ خوف زدہ نہیں خوش رہتا ہے۔ وہ اللہ تعالی کی محبت میں سرشار رہتا ہے۔ وہ نہ صرف خود سراتا پا محبت ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس کو دیکھنے والے بھی سراتا پا محبت ہو جاتے ہیں۔ پھر جس قلب پر اللہ تعالی اپنی جمالی تجلی ڈالتا ہے اُس کے قلب میں اللہ جل شانہ اور اللہ کے دوستوں کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی محبت بہت بڑھ جاتی ہے۔ پھر ایسے لوگ اللہ کی زبان بن جاتے ہیں اور اللہ تعالی کے کان اور ہاتھ بن جاتے ہیں۔ اُن کے سب کاموں میں مشیت الٰہی کارفرما ہوتی ہے۔ جب ایسے لوگ کلام کرتے ہیں تو کلام اُن کا کلام خداوندی (قرآن پاک) اور کلام رسول خاتم النبیین ﷺ (حدیث) کی روشنی میں ہوتا ہے۔ یہ خاص نعمت اُن لوگوں کو عطا کی جاتی ہے۔ جن سے اللہ تعالی تقریر یا بیان کی خدمت لینا چاہتا ہے۔ ایسے لوگ کسی حال میں بھی خاموش نہیں رہ سکتے۔ بلکہ اُن کا بیان اُس وقت تک جاری رہتا ہے۔ جب تک معبود ہی انہیں خاموش کرنا نہ چاہیں۔ (یعنی موت تک)

طریقت کا انیسواں سبق

1۔ جس کو جتنا علم ہے اتنا ہی وہ اپنے اعمال کے لیئے جواب دہ ہے اللہ تبارک تعالی سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیے۔

2۔ فقیر کسی کو یکدم پیار میں لپیٹتا ہے کسی کو دیر میں اس کا پیار خالی از مصلحت نہیں ہوتا۔ حسد سے بچنا چاہیے۔ حسد نیکیوں کو کھا جاتا ہے۔

3۔ جنہیں آنکھیں مِل جاتی ہیں وہ دیکھتے ہیں بولتے نہیں ہیں اُن کا حوصلہ بلند ہوجاتا ہے ان کا ظرف بلند ہوجاتا ہے۔

4۔ **لنگر کی خدمت میں ضرور حصّہ لینا چاہیے۔ جتنی پلیٹیں اٹھائے گا۔ جتنی خدمت کرے گا نور کی بارش میں رہے گا۔**

طریقت کا بیسواں سبق

1۔ اللہ تبارک تعالیٰ جب کسی بندے پر کرم فرماتے ہیں تو اُس کے دل میں اپنا نور معرفت ڈال دیتے ہیں۔ تو ابتدا میں یہ دن اور رات میں چالیس حالتوں میں سے گزرتا ہے۔ ایک وہ ہیں جن کی آنکھ پر پٹی باندھ کر ان کیفیات سے گزارا جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ان میں اتنا ظرف اور ضبط نہیں ہوتا کہ وہ مشاہدہ بھی کریں اور اپنا کام بھی جاری رکھیں۔ جب اللہ تعالیٰ ان میں مشاہدہ کے ساتھ ظرف عطا فرما دیتے ہیں تو ان کی آنکھوں سے پٹی کھول دی جاتی ہے۔

طریقت کا اکیسواں سبق

1۔ علم ناسوت:

میں ذکر کی پہلی منزل ذکر لسانی **لا اِلٰہَ اِلاّ اللہ** ہے۔

جب زبان اس ذکر کی عادی ہوجاتی ہے تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ قلب بھی ہمہ وقت اپنے رب کو یاد کرنے لگتا ہے تو اس کی رسائی عالم ملکوت یعنی فرشتوں کے عالم میں ہوجاتی ہے اگلی منزل عالم جبروت ہے اس کے بعد عالم لاہوت جہاں ماسوائے ذات باری تعالیٰ کے کچھ نہیں۔

ان چار عالموں کی چار کیفیات ہیں۔

i)۔ پہلی حالت زوال ہے۔ مخلوق کی طرف رجوع رہتا ہے ننگ و ناموس کی فکر رہتی ہے۔

ii)۔ دوسری حالت **کمال ہے**۔ اِسی میں ملائکہ کا ساتھی ہوجاتا ہے۔

iii)۔ تیسری حالت **وصال** ہے۔ اِس میں اولیا اللہ کی محفلوں میں روحانی طور پر شریک ہوتا ہے

iv)۔ چوتھی حالت **احوال** ہے۔ اس میں زمین کے مخفی خزانے دیکھتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ اُسے مکاشفہ عطا فرما دیتے ہیں اور اسے دید لامکاں کا مرتبہ حاصل ہوجاتا ہے۔ اِس دید لامکاں کی بھی چار حالتیں ہیں۔

i)۔ سرور کیف ii)۔ وجد iii)۔ محویت iv)۔ استغراق

طریقت کا بائیسواں سبق

1۔ مقام ناسوت 2۔ مقام ملکوت 3۔ مقام جبروت

4۔ مقام لاہوت 5۔ مقام ہاہوت

انسان کے وجود کے طریقے ہوتے ہیں۔

1۔ جب انسان لذتوں کی طرف دوڑتا ہے تو اُس کا طریقہ **ناسوتی** ہوتا ہے۔

2۔ جب انسان مدح و ثنا کی طرف مائل ہوتا ہے تو اُس کا شیوہ **ملکوتی** ہوتا ہے۔

3۔ جب انسان اپنی ذات کی شناخت حاصل کر رہا ہوتا ہے تو اس کا جلوہ **جبروتی** ہوتا ہے۔

4۔ جب انسان "انا دانی" میں قریب ہوں کے جذب و کیف میں شور کرتا ہوں یہ شور **لاہوتی ہو** تا ہے۔

5۔ اور جب انسان اِن تمام کیفیات سے آگے نِکل جاتا ہے وہ خواب **ہاہوتی ہو** تا ہے۔

یہ ایک عظیم معاملہ ہے جیسے ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔

طریقت کا تئیسواں سبق

1۔ اہل طریقت کا اول مقام **ایثار** ہے۔

2۔ پھر محبت

3۔ پھر مشاہدہ

4۔ پھر فنا

5۔ اور پھر بقا

ایثار تین وجوہات کی بنا پر ہوتا ہے۔

i)۔ محبت

ii)۔ خوف

iii)۔ طمع

محبت کا ایثار اعلیٰ اور ارفع ہے۔

بغیر ایثار کے محبت نہیں اور بغیر محبت کے مشاہدہ نہیں اور بغیر مشاہدے کے فنا نہیں اور فنا نہیں تو بقا نہیں اور بقا نہیں تو منزل ادھوری رہ گئی۔ اِس لیئے خوش نصیب وہ لوگ ہیں جو اپنی محبت میں صادق ہیں۔ اور اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہیں۔ اہل محبت راز دان ہوتے ہیں عالم مشاہدے میں ہوتے ہیں۔ جو حق الیقین کا مالک ہو وہی مقام فَنا میں قدم رکھ سکتا ہے۔ پس جس نے فنا کی لذت چکھی وہی بقا کا مالک ہوا۔ اور اُس کی منزل تک رسائی ہوئی۔

طریقت کا چوبیسواں سبق

حدیث قدسی ہے:

"جسم انسانی میں ایک ٹکڑا ہے اور وہ ٹکڑا فواد ہے۔ اور فواد دل میں ہے اور دل روح میں اور روح سر میں اور سر خفی میں اور خفی انا میں" (عین الفقر:18)

اِس حدیث پاک میں مقامات قلب کو تذکرے کے طور پر بیان کیا ہے۔

توحید کا نور تین مقامات پر جلوہ گر ہوتا ہے۔

i)۔ پیشانی ii)۔ آنکھ iii)۔ دل

اگر ان تینوں مقامات سے عبادت ظاہر ہوتی ہے تو فقیر صاحب معرفت ہو جاتا ہے ورنہ نور سلب ہو جاتا ہے۔

1۔ عبادت پیشانی سجدے پر قائم رہنا ہے۔

2۔ عبادت چشم شریعت محمد خاتم النبیین ﷺ پر نظر رکھنا ہے۔

3۔ عبادت قلب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی تصدیق اور اطاعت ہے۔

پس چاہیے کہ ذکر الٰہی پر دوام رہے جو شخص اللہ تعالیٰ سے مانوس ہو جاتا ہے وہ ضرور اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لیتا ہے۔

طریقت کا پچیسواں سبق

1۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ مخلوق کی طرف توجہ سے کم ہو تو لطیفہ قلبی کے ذکر کے **اثرات** ہیں۔

2۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ مخلوق کی طرف توجہ کے برابر ہو تو یہ لطیفہ روح کے ذکر کے **ثمرات** ہیں۔

3۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ مخلوق کی طرف توجہ پر غالب ہو تو یہ لطیفہ سر کے ذکر کی **برکات** ہیں۔

4۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ مخلوق کی طرف توجہ کے بغیر ہو تو یہ لطیفہ خفی کے ذکر کے **ثمرات** ہیں۔

5۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اپنے وجود اور مخلوق کے خیال کے بغیر ہو تو یہ لطیفہ اخفی کے ذکر کے **برکات** ہیں۔

پس ذکر کے بغیر معرفت ممکن ہی نہیں معبود جب کسی پر کرم فرماتے ہیں اور اپنی بارگاہ میں مقبول بنا لیتے ہیں تو پہلے شغل (دل کا) ذکر عطا فرماتے ہیں۔ یہ لبادہ ہے جس کو ذکر مِل گیا۔ **معبود فرماتے ہیں۔**

"جو میرا ذکر کرتا ہے میں اُس کا ذکر کرتا ہوں"۔ (سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 152)

طریقت کا چھبیسواں سبق

زبانی ذکر کو ذِکر لسانی کہتے ہیں اور دل کے ذکر کو شغل کہتے ہیں۔

1۔ دل کے ذکر کا نور زردی مائل چاند کی طرح ہوتا ہے۔

2۔ وہ نور **جو سفید آفتاب** کی طرح ہو اور جو دل پر تجلی ڈالے وہ روح کا نور ہے۔

3۔ وہ نور جو قبلہ کی طرف سے ظاہر ہوتا ہے۔ اپنے **آقا و مولا حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی روح پاک کا نور** ہے۔ جو سالک کی رہنمائی کرتا ہے۔

4۔ وہ نور جو دائیں کاندھے کی طرف سے ظاہر ہو **اچھے کاموں کے لکھنے والے فرشتے کا نور** ہے۔

5۔ بائیں کاندھے کی طرف سے ظاہر ہونے والا نور **گناہوں کے لکھنے والے فرشتے** کا نور ہے۔

6۔ وہ نور جو دائیں طرف گز دو گز کے فاصلے پر نظر آتا ہے۔ **مرشد کی روح کا نور ہے** جو اس کو راستہ دکھاتا ہے۔

7۔ بائیں طرف ایک دو گز کے فاصلے پر جو نور ہوتا ہے وہ **ابلیس لعین** کا ہے جو سالک کو بہکاتا ہے۔ اور شیطانی نور کے ظاہر ہونے کی پہچان یہ ہے کہ اس کے ظاہر ہونے سے دل میں گھبراہٹ وحشت اور ڈر پیدا ہوتا ہے اور اس سے نفرت محسوس ہوتی ہے۔

8۔ وہ نور جو سینے اور ناف کے (درمیان) سامنے دھوئیں اور آگ کی شکل میں ہوتا ہے خناس کا نور ہے۔ وہ نور جو کسی خاص سمت سے نہیں ہوتا بلکہ تمام سمتوں کو گھیرے ہو۔ اور اس کے ظاہر ہونے سے حضور قلبی، سرور اور اُنس پیدا ہوا اور اطمینان اور سکون پیدا ہوتا ہو اور ایک ایسی کیفیت ظاہری ہوتی ہے کہ سالک آپے میں نہیں رہتا اور ذوق و شوق کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ وہ نور کسی مخصوص سمت میں نہیں ہوتا بلکہ ہر سمت میں برابر ہوتا ہے، "نور احدی" ہے۔

یہی نور سالک کا مقصود و محبوب و مطلوب ہوتا ہے اور نور احدی مذکور تمام انور سے پہلے نظر آتا ہے۔ جیسے چمکنے والی آسمانی بجلی جو کبھی روشن ہو جاتی ہے اور کبھی چھپ جاتی ہے۔ کبھی یہ نور شمع چراغ یا آسمان کے تاروں کی طرح ہوتا ہے۔

طریقت کا ستائیسواں سبق

1۔ طریقت سراپا تا حال ہے۔ جوں جوں حال وارد ہوتا ہے توں توں سمجھتا ہے۔
انسان وہی ہوتا ہے لیکن غم میں روتا اور خوشی میں ہنستا ہے۔ یعنی کیفیات حال پر وارد ہوتی ہے۔

2۔ دل کی بات اُس وقت تک سمجھ میں نہیں آتی۔ جب تک دل صاف نہ ہو۔ جان بچانے کے لیئے حرام حلال ہو جاتا ہے۔ لیکن ایمان جان سے اونچی چیز ہے۔
ایمان بچانے کے لئے کوشش اور تیز کرنی چاہیے۔

3۔ اہل دل محض خوشنودی خداوندی کے لیئے کام کرتے ہیں۔ لوگوں کو بتا کر کام نہیں کرتے۔ وہ قلوب کے جاروب کش ہوتے ہیں۔ جن کا قلب صاف کر دیتے ہیں اُن کا دل اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگ جاتا ہے۔ یہ سب سے بڑی خدمت اور احسان ہے۔

4۔ شکوہ کی عادت نہ ڈالو۔ شکر کی عادت ڈالو۔

طریقت کا اٹھائیسواں سبق

1۔ مراقبے کی پہلی حالت محبت ہے۔ محبت ایک نور ہے پھر یہ نور نورِ ازلی کو پکارتا ہے بندے نے کیا خاک پکارنا ہے یہ تو جز ہے جو اپنے کل کو پکارتا ہے۔

2۔ مراقبے کی دوسری حالت مشاہدہ ہے یہ دید خود کی نہیں ہے اُس روشنی کی ہے جیسے نورِ ازلی کہتے ہیں۔

3۔ پہلی حالت محبت، دوسری مشاہدہ، تیسری معرفت۔ جب دیکھتا ہے پہچان جاتا ہے جو خود کو پہچان جاتا ہے۔ وہی اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے۔

4۔ مراقبے کی چوتھی حالت محرم اسرار ہے۔ پہچان دینے والا راز دار بن جاتا ہے۔ اُسے مکاشفۂ غیبی عطا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ بندے کو اپنے رازوں میں شریک فرما لیتے ہیں۔ ان کے سینے اللہ تعالیٰ کے رازوں کی قبریں بن جاتے ہیں۔ جو معبود چاہتے ہیں وہی ان کی زبانوں سے نکلواتے ہیں۔ جب معبود نہیں چاہتے تو یہ خاموش رہتے ہیں۔ کسی دوست کو سارے جہاں کا راز داں بنا یا کسی کو آدھے جہاں کا جتنا ہاضمہ ہوتا ہے اتنی خوراک ملتی ہے۔

طریقت کا انتیسواں سبق

1۔ جس کے پاس ظاہری بینائی نہیں اُس کی دنیا خطرے میں ہے۔

2۔ جس کے پاس قلب کی آنکھیں نہیں اُس کی عاقبت خطرے میں ہے۔خوش نصیب وہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے دونوں بینائیاں عطا کردی ہیں۔

3۔ علاج اس وقت ہوتا ہے جب طبیب کی نظر مریض پر ہو جو مریض کو دیکھے گا نہیں وہ علاج کیا کرے گا ظاہری علاج کے لیئے ظاہری آنکھ کی ضرورت ہوتی ہے اور باطنی علاج کے لیئے باطنی آنکھ کی۔

طریقت کا تیسواں سبق

1۔ جس نے دن میں چند ساعتیں نکال کر الگ تھلگ بیٹھ کر اللہ کو یاد کرلیا وہ کامیاب ہو گیا۔

2۔ صحبت کی پابندی، درود شریف کی کثرت اور استغفار کو پکڑلو بیڑا پار ہے۔

3۔ اہل طریقت میں اعلیٰ کھانوں کا اہتمام کرنا ٹھیک نہیں ہے۔نفس کی اصلاح غذا سے شروع ہوتی ہے جتنی غیر لذیز غذا کھائے گا اتنا ہی نفس مردہ ہوگا۔جب لذت کا احساس کم ہوتا ہے تو عبادت کا احساس بڑھ جاتا ہے۔

طریقت کا اِکتیسواں سبق

1۔ محبت دینا اور چیز ہے مصرف دینا اور چیز

دنیا کو دل میں جگہ نہ دو۔ بقدر ضرورت ہاتھ میں تھامے رکھو۔ دل تو بس اللہ تعالیٰ کے رہنے کی جگہ ہے۔ اللہ کی جگہ پر کوئی دوسری چیز نہ آنے پائے۔ اللہ تبارک تعالیٰ شراکت سے سب سے زیادہ بیزار ہیں۔

2۔ جب بھی اہل اللہ کے پاس جاؤ تو اپنے قلب پر نظر رکھو کہ اِس میں کوئی تغیر ہوا ہے یا نہیں۔ ان حضرات کو اللہ تعالیٰ نے وہ قوت عطا فرمائی ہے کہ جب بھی کوئی ان کے سامنے آتا ہے۔ تو ان کی قوت برداشت کے مطابق اِن کی کثافت سلب کر لیتے ہیں۔ جس سے اِس شخص کو سکون حاصل ہوتا ہے۔ طبیعت مطمین ہو جاتی ہے اور وہ پر سکون ہو جاتا ہے۔

3۔ اہل اللہ کی نگاہ کام ضرور کرتی ہے۔ کوئی بلب کے نیچے آجائے تو روشنی اُس پر ضرور پڑتی ہے۔

طریقت کا بتیسواں سبق

1۔ اہل اللہ کی نگاہیں انسان کے قلب کی تاریکیوں کو سلب کر لیتی ہیں۔ جب تاریکی سلب ہوتی ہے تو پاکیزگی کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ جب باطن پاک ہوتا ہے تو بغیر وجہ کے رقت طاری رہتی ہے۔ جو بے اختیاری ہوتی ہے۔ اس کا قلب اور روح بیدار ہوتے ہیں پھر وہ غسلِ باطنی کرتا ہے۔

2۔ **غسل باطنی آنسوؤں سے ہوتا ہے۔ جب پاک ہو جاتا ہے تو پاک ذات کو پکارتا ہے۔ پھر ایک روز وہ پاک ذات اِس پکارنے والے کو پکار لیتی ہے اور دونوں جہانوں میں اس کا بیڑا پار ہو جاتا ہے۔**

3۔ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن دل جو سینوں کے اندر ہوتے ہیں وہ نابینا ہو جاتے ہیں۔

اس کے لیئے غوث پاک نے فرمایا:

" تو نابینا ہے (تقویٰ اختیار کر) بینائی دینے والا تلاش کر۔ تو جاہل ہے اپنے لیئے معلوم ڈھونڈ۔ جب کوئی تجھے مل جائے تو اُس کا دامن پکڑ لے اور اُس کے اقوال اور مشوروں کو قبول کر اور اُس سے سیدھا راستہ پوچھ۔ جب تو اُس کی راہنمائی سے سیدھی راہ پر جا پہنچے تو وہاں جا کر بیٹھ جا تا کہ تُو اُس کو اچھی طرح پہچان لے۔ اُس وقت ہر گمراہ تیری طرف رجوع کرے گا اور لوگ تجھ سے روحانی غذا حاصل کریں گے"۔

طریقت کا تینتیسواں سبق

1۔ عالم ناسوت کو عالم اجسام، عالم خلق اور عالم شہادت بھی کہتے ہیں۔

2۔ عالم ملکوت کو عالم ارواح، عالم امر، عالم ملائکہ اور عالم آخرت بھی کہا جاتا ہے۔

3۔ جبروت کو عالم اسماء صفات باری تعالی کہا جاتا ہے۔
4۔ لاہوت اور ہاہوت کو عالم باری تعالی کہا جاتا ہے۔
5۔ اتباع شریعت کے ساتھ معرفت الٰہی کو پا لینا سالک کو عالم ملکوت تک رسائی عطا کرتا ہے۔ اِس مقام پر پہنچنے کے بعد کسی لمحے بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے اور فرشتوں کی صفات کا مظہر بن جاتے ہیں۔ اس مقام کو بعض صوفیاء کرام فنا فی الشیخ کے مرتبے سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

ناسوت ایسا ہنگامہ ہے جہاں کثرت کے ساتھ مختلف لباس اور مختلف رنگوں کے جلوے نظر آتے ہیں۔

ملکوت: وہ جگہ ہے جہاں مدح وثنا اور تسبیح وتہلیل رہتی ہے۔

جبروت: وہ مقام ہے جہاں انسان کو اپنے وجود کے اجزاء کی شناخت ہوتی ہے۔

لاہوت: ایسی جگہ ہے جس میں سالک اپنی خودی کی وجہ سے مصیبت میں پھنسا ہوا ہوتا ہے اور دعوی الوہیت کی جانب مائل ہوتا ہے۔

ہاہوت: ایسا جلوت خانہ ہے کہ اس میں خود آگہی بلکہ بے خبری کی آگہی کی بھی گنجائش نہیں۔

طریقت کا چونتیسواں سبق

عالم ملکوت کے بعد (1) عالم جبروت کی سیر شروع ہوتی ہے سالک اسمائے الٰہی کی بارگاہوں کی سیر کرتا ہے اور عین الیقین کی نعمت سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ اِس مقام کو بعض صوفیاء فنا فی الرسول کے مرتبے سے تعبیر کرتے ہیں۔

عالم جبروت کے بعد (2) عالم لاہوت کی سیر کا آغاز ہوتا ہے۔ سالک تجلیات ربانی کا مشاہدہ کر کے حق الیقین کی دولت حاصل کرتا ہے اور سیر الی اللہ (اللہ کی طرف) ختم ہو جاتی ہے۔ اِس طرح سالک کو فنا فی اللہ کا مرتبہ نصیب ہوتا ہے۔

عالم لاہوت کے بعد (3) عالم ہاہوت کی سیر شروع ہوتی ہے۔ جیسے سیر فی اللہ (اللہ تعالی میں سیر) بھی کہا جاتا ہے۔ اِسی سیر فی اللہ کی وجہ سے اولیاء اللہ کو ایک دوسرے پر فضلیت حاصل ہوتی ہے۔ نہ کہ سیر الی اللہ کے اعتبار سے کیونکہ قُرب الٰہی اور درجات میں ترقی سیر فی اللہ کی زیادتی سے ہی نصیب ہوتی ہے اور اس کی کوئی حد نہیں کیونکہ یہ سیر کہیں ختم نہیں ہوتی۔ جس کی سیر زیادہ ہے اُس کو قرب بھی زیادہ نصیب ہوتا ہے۔

طریقت کا پینتیسواں سبق

1۔ طالب حق کو پیر کے ملنے کے بعد لازم ہے (فرضِ عین ہے) کہ اُس کی خدمت میں رَہے۔
2۔ اگر ہمیشہ خدمت میں نہ رہ سکے تو اولیاء اللہ کے کلام پر عمل کرے۔ کیونکہ اولیاء اللہ کا کلام بھی پیر کی صحبت کا کام دیتا ہے۔ باقی فضل و احسان مولا کریم کا ہوتا ہے۔
3۔ طالب کو چاہیے کہ اہل دنیا کی صحبت سے جو کسی طریقے میں داخل نہیں اور اللہ سے محبت نہ رکھتے ہوں دنیاوی اسباب میں مشغول رہتے ہوں دور رہے۔
4۔ جو ذکر اور فکر استاد سے حاصل کیا ہے اُس کی مداوَمت کرے۔

طریقت کا چھتیسواں سبق

1۔ طالب حق سوتے وقت آرام اور تندرستی کو مدنظر رکھے لذت کا خیال نہ ہو۔ کیونکہ اس سے غفلت پیدا ہوتی ہے۔ اور زیادہ جاگنے سے بچے کیونکہ آدمی زیادہ جاگنے سے بیمار ہو جاتا ہے۔ پس چاہیے کہ نیت آرام کی ہو کہ اس سے تندرستی حاصل ہوگئی اور عبادت اچھی طرح ہو سکے گی۔
2۔ یہ خیال رکھا جائے کہ میرے ہاتھ پاؤں، زبان اور آنکھ سے کوئی دل آزردہ نہ ہو۔ اہل شریعت اور طریقت نے اس آزردگی کو گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔ پس خلقت کی ناراضگی اللہ تعالی کی دوری کا باعث بنے گی۔
3۔ **فقیر کے حلق میں نور بھرا ہوا ہوتا ہے۔ وہ اپنی شہ رگ سے نکال کر نور تقسیم کرتا ہے۔ اس لیے اُس کی بات میں لذت ہوتی ہے۔**

طریقت کا سینتیسواں سبق

1۔ انسان عالم صغیر ہے۔

2۔ اِس عالمِ صغیر میں عالمِ کبیر کے تمام اجزا شامل ہیں۔

3۔ مثلاً عالم کبیر میں ایک شہنشاہ ہے۔ جس کا حکم سارے جہاں میں نافذ ہے۔(یعنی اللہ تعالیٰ)

4۔ عالمِ صغیر میں روح شہنشاہ ہے جس کا اختیار بدن کے ملک پر ہے۔(یہ عالم امر ہے)

عالم کبیر میں شہنشاہ کا ایک نائبِ کُل اور خلیفہ مطلق ہے وہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی ذات ہے۔

5۔ عالمِ صغیر میں عقل ہے جو حقیقت محمد یہ خاتم النبیین ﷺ کے عکسوں میں سے ایک عکس ہے اور اُنہی کا پرتو ہے۔

وہاں عالم کبیر میں شہنشاہ حقیقی کا عرش اعظم ہے کہ اُسے باری تعالیٰ سے خاص نسبت ہے۔

6۔ عالم صغیر میں دل ہے کہ روح کا مقام خاص ہے۔

طریقت کا اڑتیسواں سبق

1۔ عالم کبیر میں عظمت والی بلند کرُسی ہے۔ عالم صغیر میں دماغ کا درجہ عظیم اور بلند ہے۔

2۔ عالم کبیر میں لوح محفوظ ہے جس میں ماضی، حال اور مستقبل کا علم درج ہے۔

عالم صغیر میں قوت خیالی ہے کہ تمام صورتیں، شکلیں اور رنگ حواس خمسہ سے محسوس کی جانی والی ہر شے اِس میں محفوظ ہے۔

3۔ عالم کبیر میں اللہ تعالیٰ کی تمام حقیقتوں کا معلوم کر لینا ناممکن اور محال ہے۔

عالم صغیر میں روح کی حقیقت سمجھنا ناممکن اور محال ہے۔

4۔ عالم کبیر میں تمام کائنات میں باری تعالیٰ غالب وقادر ہے اور اپنی عظیم قدرت سے ہر جگہ موجود ہے اور زماں اور مکاں کی قیود سے مبرا اور پاک ہے۔

عالم صغیر میں روح تدبیر اور تصرف کے ساتھ بدن میں ہر جگہ موجود ہے لیکن کسی خاص عضو میں مقید نہیں ہے۔

اِس لیئے کہا جاتا ہے کہ اگر انسان اپنے وجود پر غور کرے تو اُس کے لیئے کافی ہوگا۔

طریقت کا انتالیسواں سبق

1- شریعت سر جھکانا ہے، طریقت دل لگانا ہے۔

2- علم یہ ہے کہ آپ کو معلوم ہو کہ کیا کہنا ہے؟ اور حکمت یہ ہے کہ آپ کو معلوم ہو کہ کب کہنا ہے؟

3- احوال ومقامات پہ موقوف ہے سب کچھ
ہر لحظہ ہے سالک کا زماں اور مکاں اور
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے، شاہیں کا جہاں اور

طریقت کا چالیسواں سبق

1- اہل اللہ باطن کی آنکھ سے دیکھتے ہیں اور خدمتِ خلق میں مصروف رہتے ہیں۔ مداری کا تماشہ نہیں دکھاتے۔ کرامت نہیں دیکھاتے ان کے ذمہ ٹھوس کام ہوتا ہے یعنی اصلاح کا کام اور اہل اصلاح خدمت کے مالک ہوتے ہیں تماشے نہیں دیکھاتے۔ اگر دیکھاتے بھی ہیں تو ایسے پردوں میں کہ دیکھنے والا ہی جانتا ہے۔ یہ قلب کی آنکھ اُس وقت زندہ ہوتی ہے جب نفس مرجاتا ہے۔

2۔ جسم کی قوت ایک زوال پذیر چیز ہے جو ایک وقت مقرر پر ختم ہو جائے گی۔ اس قوت کا شکر یہ ہے کہ اِسے کمزوروں کی حفاظت کے لیئے صَرف کیا جائے اور لوگوں کی اصلاح کے لیئے صرف کیا جائے۔ اہل طاقت اہل شکر ہوتے ہیں۔ پھر اللہ تعالی ان کی طاقت میں اضافہ فرماتے رہتے ہیں اور انہیں خدمت خلق کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔ خدمت خلق سے معبود راضی ہوتے ہیں اور جن سے معبود راضی ہوتے ہیں انہی کا بیڑا پار ہوتا ہے۔

****

طریقت یا تصوف کی ضرورت واہمیت

دین اسلام کے دو پہلو ہیں:

1- معیاری دین 2- معمول بہ دین

معیاری دین:- یہ عالمی سطح پر غلبہ اسلام کی جدوجہد کا نام ہے۔

معمول بہ دین:- یہ شریعت وطریقت پر مشتمل دین کی ظاہری اور باطنی تعلیمات کا نام ہے۔

شریعت: - یہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، سننا، سنانا ہے۔ سال میں ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کرنا ایک ماہ کے روزے رکھنا، گویا فرائض کی پوری اور مکمل ادائیگی کا نام شریعت ہے۔

طریقت: - اتباع رسول خاتم النبیین ﷺ (تمام عبادات کی ادائیگی) جب تک ظاہر تک محدود رہے۔ اس کا نام شریعت ہے اور جب قلب و باطن بھی نورانیت رسول خاتم النبیین ﷺ سے منور ہو جائے گا تو یہ طریقت ہے۔ اس کو مثال سے واضح کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے نماز کتب فقہ میں درج قواعد کے مطابق پڑھ لی۔ شریعت کی رو سے اس کی نماز ہوگئی۔ مگر طریقت اس کو کافی نہیں سمجھے گی۔ وہ اس بات پر زور دے گی کہ جس طرح چہرہ کعبہ کی طرف متوجہ رہا۔ اسی طرح قلب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور جس طرح جسم حالت نماز میں نجاستوں سے پاک رہا۔ روح بھی باطنی آلائشوں اور پریشان خیالوں سے پاک رہے۔ اب دیکھیں کہ یہ بات شریعت کی مخالفت میں ہے یا منشاء شریعت کی عین تکمیل ہے؟ مندرجہ بالا بات کا منبع دراصل وہ متفق علیہ حدیث ہے جسے محدثین حدیث جبرائیل کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ " اسلام یہ ہے کہ تو ایک اللہ کی عبادت کرے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ زکوٰۃ ادا کرے، رمضان المبارک کے روزے رکھے اگر استطاعت ہو تو حج کرے۔ ایمان یہ ہے کہ تُو اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کے رسولوں پر، اس کی کتابوں پر، اور مرنے کے بعد جی اٹھنے پر یقین رکھے اور یہ کہ ہر بُری اور اچھی تقدیر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح کی جائے گویا تُو اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ پس اگر تُو اللہ کو نہیں دیکھ رہا تو اللہ تو تجھے دیکھ ہی رہا ہے"۔ (بخاری)

گویا ایمان واسلام عقیدے اور عمل کا نام ہے۔ اور اس سے ماورا بھی ایک مقام ہے جسے اصطلاح حدیث میں احسان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اسی مقامِ احسان کو سلوک وتصوف اور طریقت کا نام دیتے ہیں۔ قرآن پاک میں مختلف مقامات پر چہارگانہ فرائض نبوت بیان کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سورہ آل عمران، آیت نمبر 164 میں فرماتا ہے۔

ترجمہ : ’’اللہ نے بلاشبہ اہل ایمان پر بہت بڑا احسان کیا کہ جب انہی میں سے اپنا رسول بھیجا جو ان پر ان کی آیات پڑھ کر سناتا ہے۔ ان کے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے‘‘۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ آیت مذکورہ کی رُو سے چہارگانہ فرائض نبوت بالترتیب قرار پائے۔

1۔ تلاوت 2۔ تزکیہ نفس 3۔ تعلیم کتاب 4۔ تعلیم حکمت

ان میں سے تلاوت آیات اور تعلیم کتاب شریعت کے فرائض ہیں اور تزکیہ نفس اور تعلیم حکمت طریقت کے فرائض ہیں۔ یعنی شریعت جس علم کا ظاہر ہے طریقت اس کا باطن ہے۔ علم طریقت کو علم لدنی بھی کہتے ہیں۔ علم لُدنی کا ادراک مطالعہ کُتب سے نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے عارفین کی صحبت اختیار کی جاتی ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں:

’’علم لُدنی کے حصول کا ذریعہ قرآن کا باطن ہے اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا سینہ اطہر ہے۔ اس علم لُدنی کے حصول کا واحد ذریعہ انعکاس ہے۔ اس کے ادراک کا معلوم کرنا قیاس سے بعید ہے۔ علم ظاہر اور علم باطن کی وضاحت احادیث رسول پاک خاتم النبیین ﷺ سے بھی ہوتی ہے۔

1۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا "میں نے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ سے دو علوم سیکھے۔ پہلا علم میں نے تم پر بیان کر دیا اور دوسرا علم بیان کر دوں تو یہ گردن اڑا دی جائے"۔

2۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ " قرآن سات مفاہم پر نازل ہوا ہے۔ ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور ہر حد کی اپنی ابتداء ہے"۔

3۔ حضرت امام حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ " علم دو قسم کا ہے ایک قلب کا علم یہی علم نافع ہے، دوسرا زبان کا علم یہ بنی آدم پر حُجت ہے"۔

ملا علی قاریؒ حدیث مذکورہ کی شرح میں یوں رقم طراز ہیں کہ "پہلا علم باطن ہے اور دوسرا علم ظاہر ہے"۔

صوفیا اکرام نے شریعت وطریقت کو ہمیشہ لازم وملزوم قرار دیا ہے۔

امام مالک بن انسؒ فرماتے ہیں

''جس نے علم فقہ حاصل کیا اور تصوف سے بے بہرہ رہا پس وہ فاسق ہوا اور جس نے تصوف کو اپنایا مگر فقہ کو نظر انداز کر دیا وہ زندیق (واجب القتل) ہوا۔ اور جس نے دونوں کو جمع کیا پس اس نے حق کو پالیا۔

طریقت کے تین مقاصد ہیں

1۔ تزکیہ نفس 2۔ تصفیہ قلب 3۔ معرفت ربانی

1)۔ تزکیہ نفس:- قرآن پاک اس حقیقت کی نسبت صراحت کے ساتھ اپنا موقف بیان کرتا ہے۔

سورہ اعلیٰ آیت نمبر 14 اور 15

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝ (سورۃ اعلیٰ 15-87:14)

ترجمہ: ''بامراد ہوا جس نے خود کو پاک کیا اللہ کا ذکر کیا اور نماز ادا کی''۔

سورہ الشّمس آیت نمبر 9 اور 10 میں فرمان الٰہی ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝ (سورۃ شمس 10-91:9)

ترجمہ: بامراد ہوا جو پاک ہوا اور ناکام ہوا وہ جس نے اپنے آپ کو (گناہوں) سے آلودہ کیا۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "مجاہد وہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بارے میں اپنے نفس سے جہاد کیا"۔ (جامع ترمذی، ابن حبان)

2)۔ تصفیہ قلب:- اعمال قبیحہ (بُرے اعمال) کے ارتکاب سے قلب انسانی پر سیاہی وظلمت غالب آ جاتی ہے۔ اور اس طرح باطن تاریک ہو جاتا ہے۔ اسلام کا منشاء یہ ہے کہ تصفیہ باطن کا اہتمام کیا جائے۔ تاکہ قلب انسانی نور معرفت الٰہی کا منبع وسرچشمہ بن سکے۔ قرآن پاک میں مذکور ہے۔

ترجمہ: ''ہرگز نہیں بلکہ ان کے کسب (کرتوت) کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ لگ گیا ہے''۔ سورۃ المطففین آیت نمبر 14

ہمارے تمام اعضائے جسمانی دل کے ماتحت ہیں۔

رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''تحقیق جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے اگر وہ اصلاح پذیر ہو جائے تو تمام جسم کی اصلاح از خود ہو جاتی ہے۔ اور اگر وہ فاسد ہو جائے تو سارے جسم میں فساد برپا ہو جاتا ہے''۔ (متفق علیہ)

قرآن پاک سورہ (ق) آیت نمبر 37 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ترجمہ: ''بے شک اس میں (قرآن پاک) یاددہانی ہے۔ ہر اس شخص کے لئے جو قلب سلیم کا مالک ہو اور کان لگا کر سنے گواہ ہو کر''

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اس آیت میں لفظ قلبِ سلیم کی تفسیر یوں کرتے ہیں۔

قلب سلیم وہ دل ہے جو ہر قسم کے میل کچیل سے پاک ہو اور تجلیات (جن کی کیفیت بیان سے باہر ہے) کے حصول کے لیئے استعداد وصلاحیت رکھتا ہو اور وہ غیر سے فارغ ہو کر صرف اور صرف اللہ کے ساتھ مشغول ہو "۔ اس کی تصدیق اس حدیث قدسی سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

''میں نہ زمین میں سما سکتا ہوں اور نہ آسمان میں ہاں میں مومن بندے کے دل میں سما سکتا ہوں''۔ (بحارالانوار)

اور یہ مقام، مقام فنا کے بعد ہی نصیب ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں ایک اور مقام پر سورہ شعرا۔ آیت نمبر 89-88 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: ''اس دن نہ تو مال فائدہ دے گا اور نہ ہی بیٹے مگر یہ کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے پاس قلب سلیم لیکر آئے''۔

مومن کا قلب آئینہ کی طرح چمک دار ہوتا ہے۔ جب مومن کا قلب مجلیٰ اور مصفیٰ ہوتا ہے تو انوار الٰہیہ کا مرکز بن جاتا ہے۔

3)۔ معرفت ربّانی:- تصوف تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن پر اس لئے زور دیتا ہے کہ اس کے ذریعے سے معرفت ربّانی حاصل ہوتا ہے۔

قرآن پاک سورۃ المائدہ، آیت نمبر 83 میں مذکور ہے۔

ترجمہ: ''اور جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پاک (خاتم النبیین ﷺ) کی طرف نازل کیا گیا تو تُو دیکھے گا کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا جاتی ہیں۔انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے"۔

یہ معرفت ربانی وہ امتیازی خصوصیت ہے جس کے ذریعے عارف اور غیر عارف کے درمیان تمیز کی جاتی ہے۔ارشاد ربانی ہے۔

ترجمہ: ''اور انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسی کرنی چاہیے تھی''۔سورۃ الانعام آیت نمبر 91

اب دیکھنا یہ ہے کہ معرفت حق کی پہچان کیا ہے؟ امام ابوالقاسم قیشریؒ فرماتے ہیں۔

''جس نے اللہ کو پہچان لیا اس کے دل سے مخلوق کا خوف اور اشیاء کی رغبت ختم ہوجاتی ہے۔''

تصوف کی ضرورت واہمیت علمی و دینی نقطہ نظر سے:- دین اسلام کے پورے نظام کو اگر مختلف شعبوں میں تقسیم کرنا مقصود ہو تو اس کام کے اہم اور بڑے تین شعبے سامنے آئیں گے۔

1۔ علم العقائد (یا علم الکلام)

2۔ علم الاحکام

3۔ علم الاخلاص

علم العقائد:- سے مراد دین اسلام کا وہ شعبہ ہے جس کا تعلق ایمانیات وعقائد سے ہے۔یعنی وجود باری تعالیٰ، توحید، اور ذات وصفات میں اس کو یکتا اور بے مثل ہونے پر ایمان، انبیاء رسول، ملائکہ، کتب وصحائف آسمانی، تقدیر اور ہر خیر وشر کا اللہ کی طرف سے ہونے پر ایمان۔قیامت، حشر نشر، جنت ودوزخ، میزان وصراط اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے پر ایمان۔یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں ہم ایمانیات سے تعبیر کرتے ہیں۔یہ شعبہ دین کا اصل ہے۔یہ جتنا راسخ اور اعلیٰ ہوگا اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قدر ہوگا۔انسانی فکر وعمل اور کردار کے تمام راستے اسی علم العقائد سے نکلتے ہیں۔

علم الاحکام:- دین کا دوسرا شعبہ علم الاحکام ہے اس کا مقصد عقائد کی استوار بنیادوں پر عمل کرنا ہے۔یہ علم انسان کی عملی زندگی سے بحث کرتا ہے۔جس سے اسے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ نے کن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے اور اجازت ومرحمت فرمائی ہے اور کن اقوال وافعال سے منع فرمایا ہے۔

علم الاخلاص:- جب عقائد ونظریات اور احکام سے متعلق حقائق آشکار ہوجائیں تو تیسرے شعبے یعنی علم الاخلاص کے سمجھنے کی راہ ہموار ہوجاتی ہے۔نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے''۔(صحیح بخاری)

اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس وقت شرفِ قبولیت سے مشرف ہوتے ہیں۔جب نیت درست ہو۔مقصودِ نظر صرف اور صرف رضائے الٰہی ہو۔اللہ تعالیٰ قرآن پاک سورہ آل عمران۔آیت نمبر 119 میں فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ عَلِیمٌ بِذَاتِ الصدص

ترجمہ: "بے شک اللہ تمہارے دِلوں کے حالات کو جانتا ہے"۔

مفہوم: ''بے شک اللہ تمہاری شکلیں اور تمہارے مال نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے (دلوں کی کیفیت کو دیکھتا ہے)''۔

اگر نیکی اور سخاوت کے پیچھے کارفرما جذبہ نیک اور سخی کہلانے کا نہیں ہے بلکہ رضائے الٰہی ہے۔تو ایسی ہی نیکی اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہوگی اور اسی حسن نیت کو اخلاص کہا جاتا ہے۔نیت کو اخلاص کے نور سے منور کردیا جائے تو اعمال میں اخلاص کی برقی رو دوڑ جاتی ہے۔جو اعمال کو ثمر بار کردیتی ہے۔پھر مسلسل مجاہدے اور ریاضت سے یہ اعمال اخلاص کے اعتبار سے اپنے نقطہ کمال پر پہنچ جاتے ہیں اور انہیں بارگاہ خداوندی میں قبولیت حاصل ہوجاتی ہے۔اعمال کو اخلاص کے حسن سے مزیّن کرنے والا اور عشق ومحبت کے نور سے سینچنے والا یہی شعبہ جب ایک فن کی صورت میں فروغ پاکر ایک عالم کو اپنے دامن الفت میں پناہ دیتا ہے تو علم تصوف یا علم طریقت کہلانے لگتا ہے اور دوسرے لفظوں میں ہم اس کو صفائے باطن کا علم بھی کہتے ہیں۔

مندرجہ بالا تینوں شعبوں کا باہمی ربط وتعلق اتنا فطری اور مضبوط ہے کہ اس میں رخنہ ڈالنے سے دین کا تصور ناممکن ہوجاتا ہے۔انسان اللہ اور رسول پاک خاتم

النبیین ﷺ پر ایمان کے شعور سے بہرہ ور ہونے کے بعد جب اس حقیقت سے آگاہ ہوتا ہے کہ پروردگار نے مجھے روزانہ پانچ وقت نماز ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے نماز ادا کرنے کا عملی طریقہ سکھا دیا ہے تو اسے علم العقائد اور علم الاحکام تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے۔ جب وہ نماز ادا کرنے کے لئے صاف ستھرے کپڑے پہن کر صاف پانی سے وضو کرے اور قبلہ رُو ہو کر نماز کی باقاعدہ ادائیگی کا آغاز کرتا ہے۔ پھر جملہ فرائض، واجبات، سنت اور مستحب کا لحاظ کرتے ہوئے نماز ادا کرتا ہے۔ تو اس کی نماز فقہ کے تمام اصولوں پر پوری اترتی ہے۔ اب ظاہری صورت کے حساب سے تو نماز مکمل ہو گئی لیکن یہ معلوم نہیں ہوا کہ اس کو اس کی نماز نے وہ کچھ دیا جو کچھ نماز اسے دے سکتی ہے؟۔ عین ممکن ہے کہ نمازی کا چہرہ تو اللہ کی جانب رہا لیکن اس کا دل عین حاضری کے لمحوں میں بھی اللہ سے نہ جڑ سکا بلکہ دنیا میں مشغول رہا۔ تو ایسی نماز کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کیا حیثیت ہوگی؟۔ قبولیت کا سہرا تو اس عمل کے ساتھ باندھا جاتا ہے جو خلوص نیت اور دل کی حضوری سے کیا جائے۔ وہ لاشہ بے جان ہے یا پھلوں کی وہ دکان ہے جہاں چھلکے سجا کر لوگوں کو دھوکا دیا جاتا ہے۔ نماز کی طرح ہر فعل کے اندر یہ تینوں شعبے اسی طرح باہم مربوط اور منسلک نظر آتے ہیں اور ہر مرحلے پر ان کا باہمی ربط وضبط اس قدر استوار ہے کہ ایک کے بغیر دوسرے کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اس حقیقت کو ذہن نشین رکھنے کے لئے معلوم ہونا چاہیے کہ

1۔ شعبہ عقائد کے دفاع اور ترویج واشاعت کا کام علمائے متکلمین سرانجام دیتے ہیں

2۔ شعبہ احکام کو محفوظ کرنے اور ان احکام کی تبلیغ واشاعت کی سعادت فقہا ومحدثین کے حصے میں آتی ہے۔

3۔ دلوں کی صفائی اور باطنی اصلاح کا کام صوفیاء، عرفاء اور اولیاء اللہ کے بابرکت حلقوں سے انجام پاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے تین اہم شعبے بنائے تو اہل علم بندوں کے بھی تین طبقات بنا دیئے۔ اور ان میں سے ہر طبقے کو دین کے اس شعبے کی حفاظت پر مامور فرما دیا۔ پس ثابت ہوا کہ تصوف اور طریقت درحقیقت اسلام سے الگ کوئی اجنبی چیز نہیں ہے۔ تصوف دین پر اضافہ نہیں ہے بلکہ دین کا ایک مستقل شعبہ ہے۔ یہی وہ شعبہ ہے جو اخلاص اور حسنِ نیت کے باعث عمل کو وہ حُسن عطا فرماتا ہے جس سے کے عمل احسن کے کمال درجے تک پہنچ جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارہ گاہ میں قبولیت کے لائق ہو جاتا ہے۔

یہاں ایک نکتے کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ:

ترجمہ: ''تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس حال میں کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اسکے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''اگر تم اسے نہیں دیکھ پاتے تو کم از کم یہ کیفیت ضرور بن جائے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے''۔ (سنن ابی داؤد، جلد چہارم، حدیث نمبر 4695)

ذات مطلق کا دیدار میسر آنا ہی کمال زندگی ہے۔ لیکن جب نظر جسد خاکی کے پنجرے میں بند رہے اور حجاب ذات درمیان میں حائل رہیں، بندہ اس وقت تک حسن مطلق کے نظارے سے محروم رہتا ہے۔ بقا صرف ذات باری تعالیٰ کو ہے اور بندہ جب تک اپنی ذات کے پنجرے میں مقید رہے گا۔ اس وقت تک نہ اسے بقا کی منزل ہاتھ آئے گی اور نہ ہی وہ حسن مطلق کا مشاہدہ کر سکے گا۔ لہٰذا مشاہدہ حق کی خاطر اسے اپنی ذات، اپنی انانیت، اپنا جسم، اپنی رُوح اور اپنا کُل وجود سب کچھ فنا کرنا ہو گا۔ کیونکہ یہ تمام چیزیں عالم خلق سے ہونے کے باعث فانی ہیں جب تک ان چیزوں کا وجود باقی ہے اللہ تعالیٰ بندے سے محجوب (چھپا ہوا) ہی رہے گا اور ان چیزوں کے فنا ہوتے ہی ذات مطلق سے تعلق کے باعث بقا حاصل ہو جائے گی۔

اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کہ جس نے صفت احسان کو جو نور طہارت اور خلاصہ مناجات سے عبارت ہے۔ جان لیا اور پھر اس نے احسان کی اس صفت کو حاصل بھی کر لیا۔ لیکن وہ کسی وجہ سے احسان کی اس کیفیت کو اپنے اندر نہیں پاتا اور اگر پاتا بھی ہے تو بہت ہی کم، درجے میں۔ اس شخص کو چاہیے کہ اس بات کی تحقیق کرے کہ آخر ایسا کیوں ہے؟ اگر اس کا سبب اس شخص کی طبیعت کی سرکشی ہے۔ تو اس کا تدارک روزوں کے ذریعے کرے۔ اور اگر صفت احسان کی یہ حالت لوگوں کے ساتھ بہت زیادہ اٹھنے بیٹھنے سے ہے تو خلوت میں رہا کرے۔ لوگوں سے ملنا جلنا کم کر دے اور اکثر نفلی اعتکاف کیا کرے۔ اور اگر اس کے دماغ میں ادھر ادھر کے چند پریشان خیالات جمع ہو جاتے ہیں تو اور اس وجہ سے اس کی صفت احسان پر اثر پڑ رہا ہے تو اسے چاہیے کہ ذکر واذکار کثرت سے کیا کرے۔ اگر اہل وطن کی رسوم ورواج اور گردوپیش کے حالات نے طبیعت پر اثر کیا ہے تو اسے چاہیے کہ یا تو عارضی ہجرت کرے یا اپنے ماحول کو بدل دے اور فکر وشکر اور توبہ استغفار کی کثرت کرے۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے:۔

1 ''صفت طہارت'' کے اکتساب کے لئے وضو غسل اور اس طرح کی اور چیزیں ضروری قرار دی ہیں۔

2 ''خشوع خضوع'' کی خصلت کے حصُول کے لئے۔ نمازیں، نوافل، دعا، مناجات، تلاوت قرآن ذکر واذکار اور توبہ واستغفار کے اعمال بتائے ہیں۔

3 ''سماعت'' کے حصول کے لئے عفوودرگزر، ایثار، انفاق فی سبیل اللہ، حسن خلق اور دیگر اخلاق حسنہ تعلیم فرمائے ہیں۔

4 ''عدالت'' عدالت کی خصلت پیدا کرنے کے لئے بیماروں کی عیادت، سلام کرنے کی تلقین اور شرعی حدود مقرر فرمائے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ:۔

1۔ شہوانی اور نفسانی خواہشات کا اثر قبول نہ کرنا عفت ہے

2۔ تن آسانی اور ترک عمل کی خواہش سے مغلوب نہ ہونا اجتہاد ہے

3۔ گھبراہٹ اور پریشانی کی خواہش کو روکنا صبر ہے۔

4۔ انتقام کی خواہش سے مغلوب نہ ہونا عفو ہے۔

5۔ حرص کی خواہش سے بچنا قناعت ہے

الغرض یہ تمام چیزیں اختیار کرنا صفت احسان کو حاصل کرنے کے لئے مفید اور معاون ہیں۔لیکن ان سب کی اصل صرف اور صرف ایک چیز ہے اور وہ یہ کہ **عقل کے پاکیزہ احکام کو نفس کی خواہشات پر پورا پورا غلبہ ہو جائے۔**

****

تصوف میں ترقی اور تنزلی

جب سالک سیر الی اللہ (اللہ کی طرف سیر) کے بعد اپنے وجود اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے کو فراموش کر کے (سیر فی اللہ) میں فنا ہو جاتا ہے تو اسے ترقی کہتے ہیں اور اس طرح کے سالک کو کامل کہا جاتا ہے۔ایسے سالک دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے پھر اگر اللہ تعالیٰ کی عنایت سالک کی طرف متوجہ ہو جائے تو پھر وہ ترقی سے تنزلی کی طرف آتا ہے۔تا کہ وہ دوسروں کو پستی سے بلندی کی طرف لائے اس کے لیے سالک کو پھر ماسوائے اللہ کے شعور اور خود اُس کے وجود کا شعور عطا کیا جاتا ہے اور پھر اُسے مقامِ لاہوت سے مقامِ ناسوت میں پہنچا دیا جاتا ہے۔لیکن اس تنزلی کی وجہ سے اِس کی سابقہ ترقی میں کوئی فرق نہیں آتا ہے۔ایسے سالک کو مکمل کہا جاتا ہے۔اِس لیے کہا جاتا ہے کہ تنزلی ناسوتی ، تنزلی ملکوتی سے بہتر ہوتی ہے۔کیونکہ اصل مقصد کرامات اور خرق عادات کا حصول نہیں ہوتا جو کہ تنزلی ملکوتی میں سالک پا لیتا ہے۔اصل مقصد تو ناقصوں کی تکمیل کرنا ہے جو کہ تنزلی ناسوتی کے بغیر ممکن نہیں۔کیونکہ ہدایت کے محتاج تو ناسوتی ہیں، ملکوتی نہیں۔

مجدد دین وملت نے سورۃ النازعات کی ابتدائی آیات کے تحت ایک مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ ارواح اولیاء کرام کا ذکر فرماتا ہے کہ جب وہ مبارک جسموں سے انتقال فرماتی ہیں تو جسم سے بقوت تمام جُدا ہو کر عالم بالا کی طرف سبک خرامی اور دریائے ملکوت میں غوطہ زنی کرتے ہوئے بارگاہ اقدس کے مخصوص مقامات (مظاہر القدس) تک جلد رسائی پاتی ہیں۔اور پھر وہ اپنی بزرگی اور طاقت کے باعث کاروبار عالم کی تدبیر کرنے والوں میں سے ہو جاتی ہیں۔یہ تمام لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔انہیں اصطلاح صوفیا میں رجال الغیب یا مردانِ غیب کہتے ہیں۔

****

مرشد و مرید (استاد اور شاگرد)

جب کوئی بچہ استاد کی شاگردی میں آتا ہے تو استاد اُس سے کہتا ہے پڑھ "الف، ب، ج" وغیرہ۔ بچے کو اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ ا، ب، ج، کیا ہے؟ اور میں اُسے کیوں پڑھوں؟ وہ اپنی لاعلمی کی بناء پر جو کچھ اُس کو اُستاد سکھاتا ہے قبول کر لیتا ہے۔ لیکن اگر یہی بچہ "الف، ب، ج" کو قبول نہ کرے تو علم حاصل نہیں کر سکتا۔ مطلب یہ ہوا کہ بچے کی لاعلمی اُس کا علم بن جاتا ہے۔ وہ بحیثیت شاگرد استاد کی رہنمائی قبول کر لیتا ہے۔ اور درجہ بہ درجہ علم سیکھتا چلا جاتا ہے۔ یہ تو تھی ایک بچے کی بات اب دیکھیئے کہ ایک جو آدمی باشعور ہے اور کسی نہ کسی درجے میں دوسرے علوم رکھتا ہے۔ (یعنی شریعت کے علوم رکھتا ہے) وہ شخص جب روحانیت کے علوم حاصل کرنا چاہتا ہے تو اُس کی پوزیشن بھی ایک بچہ کی طرح ہوتی ہے۔

روحانیت میں شاگرد کو مرید اور استاد کو مرشد، مراد، شیخ، پیر یا رہبر کہا جاتا ہے۔ مرید یا شاگرد کے اندر اگر بچے کی افتادِ طبع نہیں ہے۔ تو وہ مرشد کی بتائی ہوئی کسی بات کو اُس طرح قبول نہ کرے گا۔ جس طرح بچہ الف، ب، ج، کو قبول کرتا ہے۔ چونکہ روحانی علوم میں اس کی حیثیت ایک بچہ سے زیادہ نہیں ہے۔ اِس لیے اُسے وہی طرزِ فکر اختیار کرنا پڑے گی جو بچے کو الف، بے، اور جیم سکھاتی ہے۔

مرشد اپنے مرید سے کہتا ہے کہ آنکھیں بند کر کے بیٹھ جاؤ، کیوں بیٹھ جاؤ؟ اِس کے بارے میں وہ کچھ نہیں بتاتا۔ بالکل اِسی طرح جس طرح کوئی استاد اپنے شاگرد بچے سے کہتا ہے کہ کہہ الف، ب۔ اور جیم اور یہ نہیں بتاتا کہ الف، ب، اور جیم کیوں پڑھایا جا رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی بھی علم کو سیکھنے میں یہ طرزِ فکر کام کرتی ہے کہ استاد کے حکم کی تعمیل کی جائے کہ لاعلمی اِس کا شعار بن جائے۔

طریقت اور شریعت کوئی الگ الگ راستے نہیں ہیں۔ شریعت ظاہر کا حال درست کرنے کا کام ہے۔ اور طریقت باطن کا حال سنوارنے کا نام۔ شریعت میں علم پہلے ہے اور عمل بعد میں جبکہ طریقت میں عمل پہلے ہے اور علم بعد میں، مرید کو کچھ سیکھنے کے لیے ہر حال میں اپنے پہلے علم کی نفی کرنی پڑتی ہے۔

امام غزالیؒ کا ایک بڑا ہی مشہور واقعہ ہے آپؒ اپنے زمانے کے یکتائے روزگار تھے۔ بڑے بڑے جید علما اُن کے علوم سے استفادہ کرتے تھے۔ ایک دن اِن کو خیال آیا کہ خانقاہی نظام کو بھی دیکھ لینا چاہیے۔ کہ یہ کیا ہے؟ روایات مختلف ہیں وہ عرصہ دراز تک لوگوں سے ملتے رہے اِس سلسلے میں انہوں نے دُور دراز کا سفر کیا۔ بالآخر مایوس ہو کر بیٹھ گئے کسی نے پوچھا کہ " آپ ابوبکر شبلیؒ سے بھی ملے ہیں"؟ امام غزالیؒ نے فرمایا کہ " میں نے اب تک روحانی مکتبِ فکر کا کوئی آدمی نہیں چھوڑا جس سے ملاقات نہ ہوئی ہو۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ سب کہانیاں ہیں جو فقراء نے اپنے بارے مشہور کر رکھی ہیں"۔ پھر انہیں خود ہی خیال آیا کہ ایک مشہور آدمی رہ گیا ہے کیوں نہ اس سے بھی ملاقات کر لی جائے۔ قصہ مختصر وہ ملاقات کے لیے عازمِ سفر ہوئے۔

امام غزالیؒ بہت شان و شوکت اور دب دبے کی زندگی بسر کرتے تھے۔ مختلف تذکروں میں یہ بات ملتی ہے کہ جس وقت وہ عازمِ سفر ہوئے تو اُن کا لباس اور سواری گھوڑے کے اوپر زین وغیرہ کی مالیت اُس زمانے میں بیس ہزار اشرفی تھی۔ منزلیں طے کرتے جب وہ حضرت ابوبکر شبلیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؒ ایک مسجد میں بیٹھے ہوئے اپنی گدڑی سی رہے تھے۔ امام غزالیؒ، حضرت امام شبلیؒ کی پشت کی جانب کھڑے ہو گئے۔ حضرت ابوبکر شبلیؒ نے پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر فرمایا "غزالی آ گیا، تُو نے بہت وقت ضائع کر دیا۔ شریعت میں علم پہلے ہے عمل بعد میں ہے۔ اور طریقت میں عمل پہلے ہے علم بعد میں ہے۔ اگر تُو اِس بات پر قائم رہ سکتا ہے تو میرے پاس قیام کر ورنہ واپس چلا جا''۔ امام غزالیؒ نے ایک منٹ توقف کیا اور کہا کہ "میں آپ کے پاس قیام کروں گا"۔ یہ سُن کر حضرت ابوبکر شبلیؒ نے کہا "سامنے مسجد کے کونے میں جا کر کھڑے ہو جاؤ"۔ وہ وہاں ادب سے کھڑے ہو گئے، کچھ دیر بعد بلا یا دعا و سلام ہوئی اور اپنے ساتھ گھر لے گئے۔ بہت خاطر مدارت کی، چند روز بعد حضرت شبلیؒ نے امام غزالیؒ سے فرمایا" بھائی اب کام شروع ہو جانا چاہیے۔ اور کام کی ابتدا یہ ہے کہ ایک بوری کھجور لے کر شہر کے بازار میں جاؤ اور پوری بوری کھول کر یہ اعلان کرو ایک کھجور اُس کے لیے جو میرے سر پر ایک چپت رسید کرے''۔ امام غزالیؒ شام کو جب بوری ختم کر کے واپس آئے تو پوچھا" حضور یہ کام مجھے کتنے عرصے تک کرنا پڑے گا"؟ فرمایا "ایک سال"، وہ ایک سال تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ دن میں یہ کام کرتے اور رات کو مولانا شبلیؒ کی صحبت میں رہتے۔ سال پورا ہوا تو امام غزالی نے یاددہانی کروائی کہ "حضور ایک سال پورا ہو گیا"۔ حضرت ابوبکر شبلیؒ نے فرمایا کہ "ایک سال اور" جب دو سال پورے ہوئے تو امام غزالیؒ نے پھر یاددہانی فرمائی کہ "حضور سال پورا ہو گیا"۔ کہا" "ایک سال اور" "جب تین سال پورے ہو گئے تو امام غزالیؒ نے اس سلسلے میں کوئی بات نہ کی۔ حضرت ابوبکر شبلیؒ نے امام غزالیؒ سے پوچھا کہ " کیا سال ابھی پورا نہیں ہوا"؟ امام غزالیؒ نے جواب دیا" سال پورا ہو یا نہ ہو اِس سے کیا فرق پڑتا ہے "؟ یہ سُن کر حضرت ابوبکر شبلیؒ نے فرمایا کہ " کام پورا ہو گیا" آپؒ اٹھے اور امام غزالیؒ کو اپنے

سینے سے لگا لیا اور فرمایا "اب کھجوریں لے جانے کی ضرورت نہیں رہی"۔ اور انہوں نے امام غزالیؒ کو وہ علم جس کی تلاش میں وہ سال ہا سال سے سرگرداں تھے منتقل کر دیا۔

امام غزالیؒ جب واپس بغداد پہنچے تو صورتحال یہ تھی کہ معمولی کپڑے زیب تن تھے ہاتھ میں ڈول تھا اور ڈول میں رسی بندی ہوئی تھی۔ شہر والوں کو جب یہ علم ہوا کہ امام غزالیؒ واپس تشریف لائے ہیں تو اُن کے استقبال کے لیے پورا شہر اُمڈ آیا۔ لوگوں نے جب آپ کو بوسیدہ اور پُرانے لباس میں دیکھا تو حیران و پریشان ہوئے اور کہا "یہ آپ نے کیا صورت بنا رکھی ہے"؟ امام غزالیؒ نے فرمایا "اللہ کی قسم! اگر میرے اوپر یہ وقت نہ آتا تو زندگی ضائع ہو جاتی"۔

امام غزالیؒ کے یہ الفاظ بہت فکر طلب ہیں۔ اپنے زمانے کا یکتائے عالم فاضل یہ کہہ رہا ہے کہ یہ علم اگر حاصل نہ ہوتا جو تین سال تک سر پر چپت کھا کر حاصل ہوا ہے تو زندگی ضائع ہو جاتی۔

امام غزالیؒ اگر اُس وقت جب اُن سے کہا گیا تھا کہ سر پر ایک چپت کھانے کے بعد ایک کھجور تقسیم کرو یہ سوال کر دیتے کہ جناب اِس کی علمی توجیہ کیا ہے؟ اور سر پر چپت کھانے سے روحانیت کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ تو نہیں یہ علم حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

یہی صورت حال مرشد اور مرید کی ہے۔ مرید کے اندر جب تک اپنی انا کا علم موجود ہے۔ وہ مرشد سے کچھ نہیں سیکھ سکتا۔

اللہ تعالیٰ جب کسی کو اپنے بندوں میں شامل کرنا چاہتا ہے یا جاگے ہوئے کو نسبت عطا کرنا چاہتا ہے تو اُس کی رہبری کے لیے اپنا ایک مقبول بندہ اُس کو عطا کر دیتا ہے۔ اور اُس کی ذمہ داری اُس مقبول بندے کے کندھوں پر ڈال دیتا ہے۔ اُسے اُستاد کہتے ہیں۔ (یا مراد، شیخ، پیر، یا مُرشد، یا رہنما) یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام ہے۔ جو کسی بندے سے اُس بندے کو عطا ہوا ہے۔

جب تک مرید مرشد کو نہیں سمجھتا تب تک اُس کی رسائی اسرار ربوبیت تک نہیں ہو سکتی۔

خوب جان لیں کہ مرشد کی دو حالتیں ہوتی ہیں۔

(1) ایک حال صفاتی (یعنی مرشد کی صفات کا حال) (2) دوسرا حال ذاتی (یعنی مرشد کی ذات کا حال)

(1) حالِ صفاتی (یعنی مرشد کی صفات کا حال)

جب تک مرید کی عقل غوطہ زن نہیں ہوتی ہے تب تک مرشد کی صفات تک رسائی نہیں ہوتی۔ عقل کا کام صفت کو پہچاننا ہے۔ صفت سے آگاہ ہونا ہے۔

(2) حالِ ذاتی (یعنی مرشد کی ذات کا حال)

جب تک مرید کا دل غوطہ زن نہیں ہوتا ذات تک رسائی نہیں ہوتی۔ دل کا کام ذات کو پہچاننا ہے۔

مرشد کا کلام ایک ایسے پانی کی مانند ہے جو اپنی تہہ میں ہزاروں سیپ اور موتی لیے ہوئے ہوتا ہے۔ لیکن یہ موتی از خود باہر نہیں آتے مرید غوطہ زن ہو کر اُن تک پہنچتا ہے۔

مرشد کے کلام کے اندر اُس کی صفت پنہاں ہوتی ہے۔ اور جب مرید کی عقل اس میں غوطہ زن ہوتی ہے تو پنہاں نہاں ہو جاتا ہے۔ اور جو عیاں ہو جاتا ہے اُسے اپنانا مشکل نہیں ہوتا اور بغیر سمجھے کچھ اپنا نہیں سکتے۔ اور جب مرید مرشد کی صفت کو سمجھ لیتا ہے تو پھر اس صفت کو اپنے اندر پیدا کرتا ہے۔ یعنی مرید مرشد کی صفت کا آئینہ بن جاتا ہے۔ جس میں مرشد کی صفت مظہر ہوتی ہے۔

صفت صفت کو دیکھتی ہے، صفت صفت پر رُجوع ہوتی ہے۔ صفت ضد پر رُجوع نہیں ہوتی۔ انسان جب اپنے بالمقابل آئینہ کھڑا کرتا ہے تو اس لیے کہ اس میں اپنی صورت دیکھے۔ لیکن اگر آئینہ اُس کی صورت کا مظہر نہ ہو (یعنی صورت ظاہر نہ کرے، دیکھائی نہ دے) تو پھر اِس کو آئینے کی پرواہ نہیں ہوتی۔ اِس طرح مرید وہ ہے جس کا قلب اپنے مرشد کی ذات کا مظہر ہو۔ جب مرید مرشد کی صفت کا مظہر ہو جاتا ہے تو مرشد مرید کی طرف رُجوع کرتا ہے۔ اور مرید مرشد کی طرف رُجوع کرتا ہے۔ جب مرید مرشد کی صفت کو اپنا لیتا ہے تو مرید مرشد کی صفت کا مظہر بن جاتا ہے۔ جب صفت، صفت میں فنا ہوتی ہے تو عمل ظہور میں آتا ہے۔

ذات وجودی شے ہے۔ صفت وجودی شے نہیں ہے۔ جب غیر وجودی شے (یعنی صفت) اپنا مظہر ڈھونڈتی ہے تو پھر وجودی شے کو اپنے مظہر کی تلاش میں کتنی شدت ہوگی۔ جب تزکیہ نفس کے بعد قلب آئینہ ہو جاتا ہے تو اُس میں مرشد کی ذات مظہر ہوتی ہے۔ مرشد مرید کے قلب کے آئینے میں اپنی ذات کو دیکھتا ہے۔ پھر مرید مرشد کے قلب کے آئینے میں اپنے آپ کو دیکھتا ہے۔ اور اپنے نقص سے آگاہ ہو جاتا ہے اور پھر اُس میں عاجزی و انکساری پیدا ہو جاتی ہے۔ جب مرشد کا قلب اس کی ذات کا مظہر بنتا ہے تو مرید اپنی ذات سے آگاہ ہو جاتا ہے اور اس کی حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ اس کو کہتے ہیں خود کو پہچاننا' اور جب وہ ذات کو متجلی کر لیتا ہے اور ذات کو مظہر دیکھتا ہے۔ تو اس میں اس کی ذات غائب ہو جاتی ہے۔ یہ ایک حال ہے۔۔۔۔ وارد ہونے کے بعد۔۔۔۔۔ سمجھ میں آتا ہے۔ اسے کہتے ہیں خود سے گم ہو جانا۔

مرشد کے قلب کا نور مرید کے نور سے قوی ہوتا ہے۔اس لیے مرشد کے نور میں فنا ہو جاتا ہے۔جو لوگ اپنی ذات اور صفات کو فنا کر دیتے ہیں وہ مرید صادق کہلاتے ہیں۔اور مرید صادق سے مرشد کی روح کبھی جُدا نہیں ہوتی۔کیونکہ روح ذات اور صفت سے کیسے جدا ہو سکتی ہے؟۔مرید صادق جہاں کہیں بھی ہو، دُور یا نزدیک حتیٰ کہ اگر وہ برزخ میں بھی ہو وہ ہر وقت مرشد کی روح سے فیض حاصل کرتا رہے گا۔جو مرشد کے کلام میں اپنے خیال کو ڈھونڈتا ہے وہ کبھی بھی مرشد کے کلام تک نہیں پہنچے گا۔اور جو مرشد کے کلام تک نہیں پہنچے گا وہ مرشد کی صفت تک نہیں پہنچے گا۔اور جو مرشد کی صفت تک نہیں پہنچے گا وہ مرشد کی ذات تک نہیں پہنچے گا۔اور جو مرشد کی ذات تک نہیں پہنچے گا اُسے عشق نصیب نہ ہوگا۔اور جسے عشق نصیب نہ ہوگا اُسے بقا حاصل نہ ہوگی، وہ فنائیت سے کبھی نہیں نکلے گا۔

باادب، بانصیب، روحانیت کا پہلا سبق ہے اور یہی روحانیت کا آخری سبق بھی ہے۔

ہمیشہ اپنے مرشد کو نگاہ میں رکھو، ذکر صفت مرشد اور ذکرِ ذات مرشد ضروری ہے۔ذکر دوست، دوست سے نسبت قائم کر دیتا ہے۔پھر ایک دن ذکر سے فکر پیدا ہوگا۔اور پھر یہ فکر عمل تک لے آئے گا۔[redacted] اس لیے مرشد کے کلام پر فکر کی ضرورت ہے۔مرشد کے الفاظ کے اندر اس کی صفت کو ڈھونڈنا چاہے تاکہ مرشد اس میں نظر آنے لگے۔

(1) ایک تو انسان خود کوشش کر کے قلب کو مرشد کی دید کے قابل بناتا ہے۔

(2) اور ایک حالت یہ ہے کہ مرشد اُس کے قلب کو دید کے قابل بناتا ہے۔

اس کو عطا کہتے ہیں۔لیکن اس کی بھی کئی حالتیں ہوتی ہیں۔

(1) پہلی حالت تو یہ ہوتی ہے کہ شاگرد یا مرید کے اندر پہلے ہی سے کوئی ایسی صفت موجود ہے جو مرشد کی نگاہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔اسے کہتے ہیں (تیار ہنڈیا کا ہونا) یعنی پہلے ہی سے مرشد کی صفات مرید میں موجود ہیں فوراً مرشد رجوع کرتا ہے۔اور آنِ واحد میں ذات کا مظہر بنا دیتا ہے (یعنی فنا فی شیخ، یا فنا فی مرشد کر دیتا ہے)۔

یاد رکھیں! جب تک اپنی فکر ترک نہ کرو گے مرشد کی فکر سمجھ نہیں آئے گی۔جوں جوں مرید اپنی فکر چھوڑ کر مرشد کی فکر اختیار کرتا ہے۔تو اُس کے سامنے مُرشد کی ذات اور صفات کے دروازے کھلتے جاتے ہیں۔جوں جوں مرشد خیال میں بستا چلا جاتا ہے دوسرا خیال نکلتا چلا جاتا ہے۔حتیٰ کہ خود بھی اپنے خیال سے نکل جاتا ہے۔ابتدا اِس کے محویت ہے اور انتہا استغراق۔جسم جسم میں فنا نہیں ہوتا، بقا اور فنا خیال پر ہے۔انسان کا وجود اُس کے خیال سے نکل جائے تو وہ فنا ہے۔ایک تصور داخلی ہے ایک خارجی۔جب مرید کو اپنے مرشد سے نسبت ہو جاتی ہے تو اُس کا قلب مرشد کی محبت میں فنا ہو جاتا ہے۔تب وہ اپنے قلب میں جلوہ مرشد دیکھتا ہے۔یہ تصور مرشد داخلی ہے۔

(2) دوسری صورت یہ ہے کہ مرشد کو مرید سے محبت ہو جاتی ہے۔لیکن مرید کا قلب آئینہ نہیں ہے جس سے صحیح جلوہ نظر آئے۔اب جبکہ مرید کا قلب آئینہ نہیں ہے تو مرشد اپنی توجہ مرید کو دیتا ہے اور اپنی توجہ سے مرید کو نظر آتا ہے۔یعنی جب بھی مرشد چاہے مرید اپنی آنکھ سے مرشد کو دیکھنے لگتا ہے۔یہ احسان مرشد ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ

(1) ایک چیز مرید کو خود مرشد سے محبت کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔اُسے **'کسب'** کہتے ہیں۔

(2) اور ایک چیز مرشد کے محبت کرنے سے حاصل ہوتی ہے اُسے **عطا کہتے** ہیں۔

حضرت غلام قادر جیلانیؒ فرماتے ہیں

"یہ مشائخ اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔راستہ ہیں، یہی خدا کا راستہ دکھانے والے ہیں"۔

اس لیے یا تو کسی کی صفت دیکھ کر اُس پر عاشق ہو جا یا اپنے اندر کوئی ایسی صفت پیدا کر کہ دوسرا تجھ پر عاشق ہو جائے۔

بزرگوں کا قول ہے کہ:

یا سخن دل پذیر کہہ - یا دل سخن پذیر لا

تمام اولیا اللہ اور ابدال کا سلسلہ بھی اِسی طرح چلا ہے کہ کوئی استاد ہوا اور کوئی شاگرد یعنی کوئی مرشد ہوا اور کوئی مرید۔

****

اولیاءاللہ

اولیاءاللہ کا تعارف قرآن پاک میں اس طرح بیان کیا گیا ہے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: (سورہ یونس، آیت نمبر 64-62)

"سُن لو بے شک اللہ تعالیٰ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ غم۔ وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں۔ انہیں خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بھی اور اللہ تعالیٰ کی باتیں بدل نہیں سکتیں"۔

حضرت عمرِ فاروقؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"اللہ تعالیٰ کے بعض بندے وہ ہیں جو نہ نبی ہیں اور نہ ہی شہید، ان پر انبیاء اور شہداء قیامت کے دن ان کے قربِ الٰہی کی وجہ سے رشک کریں گے"۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) یہ بھی خبر دیجیے کہ وہ کون لوگ ہیں؟ اس پر آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: "یہ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قرآن کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں لیکن بغیر آپس کی قرابت داری کے، بغیر آپس کے مالی لین دین کے۔ تو اللہ کی قسم اُن کے چہرے نور کے ہوں گے۔ جب لوگ ڈریں گے یہ نہ ڈریں گے اور جب لوگ غمگین ہونگے تو یہ نہ غمگین ہونگے"۔ اس کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

"خبردار رہو اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ کوئی غم"۔ (سنن ابی داؤد، مشکوۃ شریف)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ کسی نے عرض کیا! یا رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) اولیاء اللہ کون ہیں؟ اس پر آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے ارشاد فرمایا "یہ وہ لوگ ہیں جن کے دیدار سے اللہ یاد آجائے"۔ (سنن کبری للنسائی)

اولیااللہ

اولیاء ولی کی جمع ہے۔ قاضی ثنااللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں ولی کے معنی قریب، محبت، صدیق اور مددگار بیان کیے ہیں۔

صوفیا کی اصطلاح میں ولی وہ ہے جس کا دل شب و روز ذکرِ الٰہی اور تسبیح و تہلیل میں محو اور مصروف رہے۔ اُس کے دل میں محبت الٰہی کے سوا کسی غیر کے لیے جگہ نہ ہو اور وہ جس سے محبت کرے تو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرے۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ ""ولی وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت اور رحمت سے چاروں دُشمنوں یعنی خواہشات، نفس، شیطان اور دنیا سے جہاد کرنے کی طاقت اور قدرت عطا کردی ہے""۔

ولایت

ولایت ایک قُربِ خاص ہے جو مولا کریم اپنے برگزیدہ بندوں کو محض اپنے فضل و کرم سے عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعض محبوب بندے پیدائشی ولی ہوتے ہیں۔ جیسے حضرت مریم اور سرکار غوثِ اعظم جیلانیؒ۔ جبکہ بعض بندوں کو تقویٰ، ریاضت اور مجاہدات کے بعد ولایت کا منصب عطا کیا جاتا ہے اور بعض بندوں کو کسی ولی کی نگاہ سے (نگاہِ کرم سے) مرتبہ ولایت عطا کر دیا جاتا ہے۔ جیسے صحابہ کرامؓ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ والیہ وسلم نے ولی بنایا۔ یا جیسے غوثِ اعظمؒ کے پاس چور آیا اور ایک لمحہ میں مقامِ ولایت پر فائز کردیا گیا۔

کتب معتبرہ میں مذکور ہے کہ حضرت داتا صاحبؒ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ"اللہ تعالیٰ نے نبوت کی نشانیوں کو آج تک باقی رکھا ہے۔ اور اپنے اولیاء کو اس کے اظہار کا ذریعہ بنایا تا کہ توحید الٰہی اور نبوت مصطفی کے بَرَاہین ہمیشہ ظاہر رہیں"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو کائنات کا والی بنایا ہے۔ اور وہ دنیا میں ذکرِ الٰہی اور اُس کی دلیل بن گئے ہیں۔ انہوں نے نفس کی پیروی چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرلی ہے۔ اب آسمان سے بارش اُنھی کے صدقے میں نازل ہوتی ہے۔ زمین کا سبزہ اُنھی نفوس قدسیہ کی برکتوں سے اُگتا ہے۔ اور مسلمانوں کو کافروں پر غلبہ انھی کی توجہ فیضان سے حاصل ہوتا ہے۔

اولیااللہ کی دو قسمیں ہیں۔

(1) تشریعی اولیاء (2) تکوینی اولیاء

(1) تشریعی اولیاء

40 متقی مسلمانوں میں سے ایک تشریعی ولی ہوتا ہے۔

(2) تکوینی اولیاء

اللہ تعالیٰ کے وہ مقرب بندے جنہیں دنیا میں تصرف کرنے کا اختیار دیا جاتا ہے۔

ان کے بہت سے درجات ہیں۔

قطبِ عالم، غوث، ابدال، اوتاد، اخیار، ابرار، نقبا، نجبا، عمد وغیرہ

یہ حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ والیہ وسلم کے سچے اور سرکاری نائب ہوتے ہیں۔ان کو اختیارات اور تصرفات نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی نیابت میں ملتے ہیں۔علوم غیبیہ ان پر منکشف ہوتے ہیں۔ان میں بہت سوں کو لوحِ محفوظ پر مطلع کیا جاتا ہے۔مگر یہ سب نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے واسطے سے اور عطا سے۔آپ خاتم النبیین ﷺ کے وسیلے کے بغیر کوئی غیر نبی غیب پر مطلع نہیں ہوتا۔نبی سے جو خلاف عادات اور ناممکن بات اعلان نبوت سے قبل ظاہر ہوا اُسے ارہاص کہتے ہیں۔

اگر اعلانِ نبوت کے بعد ظاہر ہوتو اُسے معجزہ کہتے ہیں۔ایسی تعجب خیز بات اگر ولی سے ظاہر ہوتو اُسے کرامت کہتے ہیں۔اگر عام مومن سے ظاہر ہوتو اُسے معونت کہتے ہیں۔اور اگر کافر سے ظاہر ہوتو اُسے استدراج کہتے ہیں۔

اولیاءاللہ کی کرامت حق ہیں اس کا منکر گمراہ ہے۔(بہارِ شریعت) نبی کے لیے معجزہ ہونا ضروری ہے ولی کے لیے کرامت ہونا ضروری نہیں۔کیونکہ ولی کے لیے اپنی ولایت کا اعلان کرنا ضروری نہیں جبکہ نبی کے لیے اپنی نبوت کا اعلان کرنا ضروری ہے۔

کئی اولیاء ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں خود اپنی ولایت کا علم نہیں ہوتا۔یعنی اپنے مرتبے سے بے خبر، اُن کے مرتبے کو اِخفا میں رکھا جاتا ہے۔اولیاء کرام کی ولایت حق ہے۔لیکن یہ سمجھنا کہ جو کرامت دکھائے گا صرف وہی ولی ہے بالکل غلط ہے۔

موجودہ دَور میں اہل اللہ سے لوگوں کو دُور کرنے میں اِن ظاہر بین جہلا کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔جنہوں نے ایسے غلط نظریات کا چرچا کر کے یہ تصور پھیلا دیا ہے۔کہ ولی وہ شخص ہوتا ہے جو دن رات کرامات دکھاتا ہو۔جو کوئی اُس کے پاس جائے وہ اُس کو اُس کے دل کی باتیں بتانا شروع کر دے۔اور یہی نہیں بلکہ وہ اُس کے مستقبل کے حالات اور غیبی خبریں بھی بتاتا ہو۔ہوا میں مصلے بچھا کر نمازیں پڑھتا ہو۔پانی میں چلتا ہو وغیرہ وغیرہ۔

یاد رکھیں دین پر استقامت کا درجہ کرامت سے بہت بلند ہے۔

(1) یہ مسئلہ حضرت نظام الدین اولیا نے بہت عمدہ انداز میں سمجھایا ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ

’’شیخ سعدالدین حمویہ ایک مرد بزرگ تھے۔شہر کا حاکم اُن کا عقیدت مند نہ تھا۔ایک دن حاکم شہر شیخ سعدؒ کی خانقاہ پر پہنچا۔شیخ سعدؒ نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کچھ سیب منگوائے۔اُن میں سے ایک سیب خاصہ موٹا تھا۔حاکم شہر کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر شیخ کامل ولی ہیں تو موٹا سیب مجھے دیں۔جیسے ہی یہ حاکم کے ذہن میں خیال آیا شیخ نے وہ سیب اُٹھا لیا اور حاکم سے کہا کہ’’ایک دفعہ میں سفر میں تھا۔دورانِ سفر ایک شہر میں مجمع تھا۔ایک بازی گر کرتب دکھا رہا تھا۔اُس نے ایک گدھے کی آنکھوں پر کپڑا باندھا ہوا تھا۔پھر اُس نے ایک انگوٹھی تماشائیوں میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر رکھ دی۔اور لوگوں سے کہا کہ جس کے ہاتھ میں یہ انگوٹھی ہے اُسے یہ گدھا خود پہچان لے گا۔پھر وہ گدھا لوگوں کے پاس چکر لگانے لگا اور سب کو سُونگھتا ہوا اُس آدمی کے پاس جا کر کھڑا ہوا جس کے پاس انگوٹھی تھی۔بازی گر نے آ کر اُس آدمی کے ہاتھ سے انگوٹھی لے لی"۔پھر شیخ نے حاکمِ شہر کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا:

"اب اگر کوئی شخص اپنے کشف و کرامات کا ذکر کرتا ہے تو وہ اپنے آپ کو اُس بازی گر کے گدھے کے درجے پر رکھتا ہے۔اور اگر وہ اس بارے میں کچھ نہیں کہتا تو تمہارے جیسے لوگوں کے دل میں یہ خیال گزرتا ہے کہ اِس میں باطنی فراست نہیں"۔یہ کہا اور بزرگ نے وہ سیب حاکم وقت کے ہاتھ پر رکھ دیا۔(فوائد الفواہد)

ولی کی کرامت اگر مجبوراً ظاہر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں البتہ قصداً ولایت میں کرامت ظاہر نہیں کی جاتی۔

(2) ایک بزرگ کی خدمت میں ایک نوجوان آیا نوجوان کو نیا نیا روحانیت کا بھوت سوار ہوا تھا۔وہ کسی بزرگ کے ہاتھ پر بیعت ہونا چاہتا تھا۔نوجوان نے بزرگ کا بہت نام سُنا تھا لیکن جب بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ بزرگ تو اپنے مریدوں سے خوش گپیوں میں مصروف ہیں۔اُس نے دل میں سوچا میں تو کامل بزرگ سمجھ کر بیعت ہونے کے لیے آیا تھا لیکن یہ بزرگ تو دنیا دار نکلے۔یہ خیال آیا ہی تھا کہ بزرگ نے نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا" کہو جوان کیسے آئے"؟ اُس نے کہا

کہ " میں بیعت ہونے کے لیے آیا تھا" ۔انہوں نے کہا کہ " اچھا اب جا کر آرام کرو صبح تمہیں بلاؤں گا اور پھر بیعت کریں گے" ۔ یہ کہہ کر بزرگ نے تمام محفل کو برخاست کر دیا۔تمام مُرید آداب بجالائے اور اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔

دوسرے دن صبح ہی صبح بزرگ نے اُس نوجوان کو نماز کے فوراً بعد بلایا اور کہا!"برخودار آج اس بستی میں ناچ گانے کا اہتمام کیا گیا ہے۔تمہارا کام یہ ہے کہ تم نے وہ ناچ گانے کی محفل دیکھنی ہے اور شام کو مجھے بتانا ہے کہ کیا دیکھا"؟۔اس کے بعد دودھ سے بھرا ہوا ایک پیالہ نوجوان کے ہاتھ پر رکھ دیا اور فرمایا" دیکھو یہ دودھ کا پیالہ تمہارے ہاتھ پر ہی رہے گا۔احتیاط سے چلنا یہ دودھ اس پیالے سے چھلکنے نہ پائے"۔اور پاس کھڑے ہوئے ایک سپاہی کو حکم دیا" تم نے اس لڑکے کے ساتھ ساتھ رہنا ہے اور دیکھنا ہے کہ دودھ پیالے سے نہ گرے۔اگر دودھ پیالے سے گرے تو تم اِس لڑکے کا سر اس تلوار سے جُدا کر دینا"۔انہوں نے سپاہی کو تلوار پکڑاتے ہوئے کہا۔شام کے وقت وہ نوجوان سپاہی کے ساتھ حاضرِ خدمت ہوا۔بزرگ نے پوچھا" کیوں برخودار آج تو بستی کا ناچ گانا بہت دیکھا اور سُنا ہوگا۔کیا دیکھا اور سُنا"؟۔ نوجوان نے کہا" نہیں حضور میری توجہ تو دودھ کے پیالے کی طرف تھی میں نے کچھ نہیں دیکھا میں نے ناچ گانے کی طرف بالکل دھیان نہیں دیا میں تو پورا ٹائم اس خوف سے کانپتا رہا کہ ابھی دودھ چھلکا اور ابھی گردن تن سے جدا ہوئی"۔تب بزرگ نے کہا" برخودار ہمارا حال بھی یہی ہے۔تن پیالہ،مَن دودھ،سپاہی ملک الموت ہے۔ ہر وقت یہ خوف طاری رہتا ہے کہ پیالہ ہلا اور دودھ گرا اور ملک الموت نے پکڑا"۔تب جوان کو معلوم ہوا کہ یہ میرے دل میں بات آئی تھی کہ بزرگ "تو دنیادار ہیں" یہ اُس بارے میں بزرگ نے بتایا ہے۔معافی مانگی اور مرید ہوا۔

شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ سے لوگوں نے کہا کہ " فلاں شخص پانی پر چلتا ہے"۔فرمایا" کوئی مشکل کام نہیں۔بطخ اور مرموبہ بھی پانی پر چلتے ہیں"۔لوگوں نے کہا کہ " فلاں ہوا میں اُڑتا ہے"۔فرمایا" چیل اور مکھی بھی ہوا میں اُڑتی ہے"۔لوگوں نے کہا" فلاں پَل بھر میں ایک شہر سے دوسرے میں چلا جاتا ہے"۔فرمایا" شیطان ایک لمحہ میں مشرق سے مغرب میں چلا جاتا ہے۔لیکن اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے"۔پھر فرمایا" مرد تو وہ ہے جو مخلوق میں رہ کر اُن سے محبت اور تعلق رکھے۔شادی کرے دنیاوی اُمور میں الجھا رہے لیکن پھر بھی کبھی ایک لمحہ کو بھی اُس کا دل اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو"۔یعنی دنیا میں رہے اور دنیا میں نہ رہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کا ارشاد ہے

"اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ ہوا میں چارزانو بیٹھا ہے تو اُس سے دھوکہ نہ کھانا جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ فرض،واجب،سُنت،مستحب،مکروہ حلال وحرام اور محافظت حدود وآداب میں کیسا ہے؟"

فقراء کی صحبت میں بیٹھنے والا کبھی بھی محروم نہیں رہتا اور ہاں اولیاءاللہ کو ہر گھڑی ہر احوال پر قدرت نہیں ہوتی۔کچھ وقت خاص خاص کچھ ادائیں خاص خاص۔یہ گھڑی کسی فقیر (صوفی) کی زندگی میں کئی بار آتی ہے۔کسی پر ایک بار آتی ہے۔یہ اُن کی اپنی عطائیں ہیں۔فقیر کسی کو ایک بار پیار سے بھی دیکھ لے تو اُس کی زبان سے بھی کئی باتیں پوری ہونے لگتیں ہیں۔سب سے بڑی عطائے ربّانی یہ ہے کہ اولیاءاللہ ماہیت قلب بدل دیتے ہیں۔یہ طاقت حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو عطا ہوئی کہ جو بھی آپ خاتم النبیین ﷺ کی صحبت میں آ کر بیٹھتا تھا اس کے قلب کی کیفیت بدل جاتی تھی۔نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے صدقے میں اُن کے مقبول غلاموں کو بھی یہ طاقت عطا ہوتی ہے۔جب کسی آستانے پر حاضری کی نیت کر لیں تو حاضری لازمی ہے۔ورنہ خاندان کو ایسی تکلیف پہنچے گی کہ مشکل بن جائے گی۔اگر مذاق میں بھی کہہ دیا ہے کہ فلاں مزار پر حاضری دوں گا تو پھر سختی سے اِس کی پابندی کرے۔اولیاءاللہ مرنے کے بعد بھی زندہ ہوتے ہیں۔ایسا کیوں ہوتا ہے؟۔جو تلوار سے شہید ہوا وہ زندہ ہے۔وہ تلوار کیا ہے؟ وہ اللہ کا اَمر ہے (حکم) جب دوسرے کے ہاتھ میں تلوار دے کر مرواتے ہیں تو حیات ابدی عطا فرماتے ہیں۔اور جِسے اللہ تعالیٰ کی اپنی ہی نظر شہید کر دے وہ کیا ہے؟ یہ حضرات سب سے اونچے درجے کے شہید ہوتے ہیں۔ان شہداء کا مقام۔سرکار دوعالم کے بعد سب سے اونچا ہے۔صحابہ کرامؓ چلتے پھرتے شہید تھے۔اِس لیئے انہیں موت کا خوف نہ تھا۔عقل موت کی تلخی نہیں چکھتی۔اِس لیئے ڈرتی ہے۔دل موت کی تلخی چکھنے کے بعد وجود میں آتا ہے۔اِس لیئے خوف سے نجات پا جاتا ہے۔

****

ولایت اور کرامت

ولایت کے معنی قُرب اور نزدیکی کے ہیں۔ یہ قُرب، مقام، نسبت، دین، اعتقاد، محبت اور نفرت غرض ہر اعتبار سے ہوسکتا ہے۔ ولایت اچھی اور بُری دونوں طرح کی ہوسکتی ہے۔ آسانی اور سہولت کے لیے پہلی قسم کی ولایت کو رحمانی ولایت اور دوسری قسم کی ولایت کو شیطانی ولایت کہتے ہیں۔

رحمانی ولایت:

یہ قربِ حق، یقین کامل اور کثرت محبت اللہ اور رسول ہے۔ یہ ولایت دو قسم کی ہے۔

(1) ولایت عام (2) ولایت خاص

(1) **ولایت عام**

اس میں تمام مومنین شامل ہیں۔ بموجب آیت شریف (سورہ مائدہ، آیت نمبر 55)

ترجمہ: "اللہ ایمان والوں کا دوست ہے"

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان اور تقوی بندوں کی ولایت کی شان ہے اس لیے جس درجے کا ایمان ہوگا۔ اُس درجے کی ولایت نصیب ہوگی۔ معمولی درجے کا ایمان، جو صرف عقائد کی درستی اور بنیادی اعمال کی بجا آوری کا نام ہے۔ یہ جسے میسر ہوا ُسے ادنیٰ درجے کی ولایت نصیب ہوتی ہے اور یہ ہر مومن کو حاصل ہے اس کی تکمیل کے واسطے شریعت ہے

(2) **ولایت خاص**

اللہ تعالیٰ دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے (سورہ النساء، آیت نمبر 136)

ترجمہ: "اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ پر، اس کے رسول (خاتم النبیین ﷺ) پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول (خاتم النبیین ﷺ) پر اتاری ہے اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے نازل فرمائی گئی ہیں، ایمان لاؤ!"

اس آیت شریفہ میں ایمان والوں سے ایمان لانے کے لیے کہا جا رہا ہے۔ اس لیے اگر اعلیٰ درجے کا ایمان و تقویٰ ہے تو اعلیٰ درجے کی ولایت ملتی ہے اس کو ولایتِ خاص کہتے ہیں اور اس کی تکمیل کے واسطے طریقت ہے۔

ولایت کی بنیاد و اتباع رسول صلی اللہ علیہ والیہ وسلم سے پڑتی ہے۔ اور اس ولایت کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ جسے حاصل ہو جائے اُس کی زندگی اللہ کے لیے دوستی اور اللہ کے لیے دُشمنی کا نمونہ ہو جاتی ہے۔ عقائد۔ عبادت، سیرت و اخلاص غرض ہر امور پر اُس کی زندگی اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ والیہ وسلم کے فرمان کے تابع ہوتی ہے

سچی ولایت اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول خاتم النبیین ﷺ سے محبت کا یہی معیار ہے۔ جس سے کھرے اور کھوٹے کی پرکھ ہوتی ہے۔ چنانچہ جو شخص آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کو رسول مانتا ہے اور آپ خاتم النبیین ﷺ سے محبت کرتا ہے اور دل و جان سے آپ خاتم النبیین ﷺ کی پیروی کرتا ہے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ اپنے دعوی محبت میں سچا ہے۔ اور جو ایسا نہیں ہے وہ جھوٹا ہے۔

سورۃ آلِ عمران آیت نمبر 31 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

ترجمہ: "اے پیغمبر لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تُم واقعی اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔ اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے"۔

ولایت کا مفہوم متعین ہو جانے کے بعد یہ جاننا ضروری ہے کہ ولی کِسے کہتے ہیں۔

ولی:

ولی وہ بندہ ہوتا ہے جو ضروری عقائد اور اعمال صالح کی بجا آوری کے بعد باری تعالیٰ کی حفاظت میں آجاتا ہے۔

چالیس متقیوں میں ایک تشریعی ولی ہوتا ہے۔ان اللہ والوں کا دنیا میں یہ حال ہوتا ہے کہ راہ حق میں ان کو جو تکالیف پیش آتی ہیں ان تکالیف کو اپنے حق میں ترقی درجات کا سبب سمجھتے ہیں۔حق وصداقت کے بڑے بڑے دشمنوں سے ٹکر لیتے ہوئے ان کے پائے ثبات میں ذرا بھی لغزش نہیں آتی۔ان کا اعتماد خالق کائنات کی نصرت پر ہوتا ہے۔اس لیے بے تکلف پہاڑوں سے ٹکرا جاتے ہیں۔

قرآن پاک میں سورۃ یونس آیت نمبر 24-22 میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

"یادرکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کچھ خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے۔اور آخرت کی زندگی میں بھی۔اور اللہ کی باتیں بدلتی نہیں ہیں۔اور یہی بڑی کامیابی ہے"

اب چونکہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کا یہ شعار ہوتا ہے کہ جس سے اللہ ناخوش ہوتا ہے اُس کے دُشمن بن جاتے ہیں۔اور جس سے اللہ راضی ہوتا ہے اُس کے دوست بن جاتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ اُن کا ہاتھ بن جاتا ہے جس سے وہ پکڑتے ہیں اور اُن کا پیر بن جاتا ہے جس سے وہ چلتے ہیں۔اور یہ جب اس کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کے ہاتھوں کو ہمیشہ شاد کام اور بامراد لوٹاتے ہیں۔

کرامت:

جب کوئی خارق عادت کسی ولی سے ظاہر ہو تو اُسے کرامت کہتے ہیں ''کرامت'' علم نبوت کے زیر اثر ہوتی ہے۔ولایت کی طرح کرامت کے بھی دو درجے ہیں۔

(1) کرامت عامہ (2) کرامت خاصہ

(1) کرامت عامہ

کرامت عامہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو قوتِ گویائی، عقل، تدبر اور دولتِ احساس سے نوازا ہے۔ہر طرح کی ظاہری اور باطنی خوبیاں اس کے وجود میں جمع کر دی ہیں۔انسان ان خوبیوں سے کام لے کر اچھے اور بُرے کی تمیز کر سکتا ہے۔تعلیم حاصل کرتا ہے۔دوسری مخلوق کو قابو بھی کرتا ہے۔سائنس کا علم حاصل کرتا ہے۔سائنس دان، انجینیئر، ڈاکٹر بنتا ہے۔بے تکلف ہوا میں اُڑتا ہے۔خشکی میں جانوروں پر اور گاڑیوں پر، سمندر میں کشتیوں اور جہازوں پر سفر کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل میں آیت نمبر 80 میں ارشاد فرمایا ہے کہ

"اور ہم نے عزت دی آدم کی اولاد کو اور سواری دی اور اُن کو جنگل اور دریا میں روزی دی۔اور دی ہم نے اُن کو سُتھری چیزیں اور بڑھا دیا ان کو بہتوں سے جن کو پیدا کیا ہم نے بڑائی دے کر"۔

(2) کرامت خاصہ

یہ پہلی کرامت سے افضل ترین ہے۔اس کرامت کے اہل وہ خوش نصیب افراد ہیں۔جو اللہ پر ایمان لا کر اس پر قائم رہتے ہیں۔اخلاص اور صداقت کے ساتھ احکامِ الٰہی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا کر عام مومنین کے زمرے سے آگے نکل جاتے ہیں۔چنانچہ قیامت کے دن جبکہ لوگ تین جماعتوں میں بٹے ہوئے ہوں گے یہ حضرات مقربین سے کم لیکن عام مومنین سے بہت آگے عرشِ الٰہی کے دائیں جانب بلند مقام اور قربِ الٰہی سے سرفراز ہوں گے۔

چنانچہ سورۃ واقعہ آیت نمبر 27 میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ترجمہ:"اور دائیں طرف والے کیا ہی اچھے ہیں دائیں طرف والے"

سورۃ فاطر آیت نمبر 32 میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

"پھر ہم نے اُن لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا۔جن کو اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا تو کچھ تو ان میں سے اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہیں اور کچھ متوسط درجے کے ہیں اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں"۔

ایمان واستقامت پر مبنی اعلیٰ اور سب سے مخصوص درجے کی کرامت وہ ہے جس میں حق تعالیٰ اپنے بندوں کو زیادہ سے زیادہ ایمان وتقویٰ سے نوازتا ہے۔یہ وہ گروہ ہے جو صدقہ، خیرات، نوافل کی پابندی، جہاد، روزہ، حج زکواۃ کی ادائیگی میں پیش پیش ہوتا ہے۔اس گروہ کے افراد اعلیٰ درجے کے پرہیزگار اور بڑھ بڑھ کر نیکیاں کرنے والے ہوتے ہیں۔قرآن پاک کے الفاظ میں لوگ سابقین اور مقربین ہیں۔

قرآن پاک میں سورۃ واقعہ آیت نمبر 10 میں ارشاد ہوتا ہے کہ

ترجمہ:"اور آگے نکل جانے والے سب سے آگے ہیں۔یہی لوگ (اللہ کے ساتھ) خاص قُرب رکھنے والے ہیں۔یہ لوگ نعمت کے باغوں میں ہوں گے اور

اگلے لوگوں میں سے بہت سے ہوں گے اور پچھلے لوگوں میں سے تھوڑے سے ہوں گے "

ان برگزیدہ گروہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضورِ پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

ترجمہ:"جس نے میرے دوست سے دشمنی پر کمر باندھی میں اُس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ بندہ جتنا میرے فرائض کے ادا کرنے سے میرا قُرب حاصل کرتا ہے اتنا کسی اور عمل سے نہیں۔ یہاں تک کہ میں اُس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔اور جب میں اُس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو اُس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سُنتا ہے۔اور اُس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اُس کا پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں ضرور دُوں۔ اگر وہ چاہے تو میں اُس کو پناہ دُوں۔اور مجھ کو کسی چیز سے جس کو میں کرنے والا ہوں اتنا تردّد نہیں ہوتا جتنا کہ نفس مومن (کے معاملے) میں ہوتا ہے۔ کہ وہ موت کو بُرا سمجھتا ہے اور خود میں بھی اُس کو تکلیف دینا نہیں چاہتا (لیکن) موت تو ہر صورت آنے والی ہے" (صحیح بخاری، مشکوۃ المصابیح)

مقربین کا یہی وہ گروہ ہے جو ولایت اور کرامت خاصہ کے منصب پر فائز ہے۔ یہ اگرچہ پراگندہ بال اور مفلوک الحال دکھائی دیتے ہیں۔لیکن اگر یہ اللہ سے دعا کریں کہ! زمین پھٹ جائے یا پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائے تو باری تعالیٰ کی ذات سے یوں امید ہے کہ محض اپنی شان کریمی سے ان کو سُنے گا۔

اللہ تعالیٰ کے یہ خاص الخاص بندے ہوتے ہیں جن کے دست حق پر باری تعالیٰ خرق عادات اور واقعات کو ظاہر فرماتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تھوڑی چیزیں زیادہ ہو جاتی

ہیں۔زندگی سے مایوس بیمار کو شفا نصیب ہو جاتی ہے۔گمشدہ شے دستیاب ہو جاتی ہے۔اور مرگ ناگہانی بھی قریب آکر دبے قدموں گزر جاتی ہے۔مندرجہ بالا وجوہات کی بناء پر کہا جا سکتا ہے۔

اولیاء کے چار مراتب ہیں۔

(1) اعلیٰ (2) عالی (3) وسطیٰ (4) ادنیٰ

(1) 'اعلیٰ'

یہ وہ گروہ ہے جو مقربین سے بالاتر ہے یہ گروہ درحقیقت صدیقین، شہدائ، صالحین سے زیادہ لائق فائق اور سب کا پیش رُو ہے اور یہ انبیاء اور مرسلین کی جماعت ہے چونکہ یہ گروہ اس دنیا میں تشریف لا کر عالم سے ماوراء ایک اور عالم سے دنیا کو روشناس کراتا ہے۔اِس لیے باری تعالیٰ ان کے ہاتھوں خوارق عادات اور واقعات ظاہر فرماتا ہے۔جس سے انسانی فطرت مطمئن ہوتی ہے اور بندوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت تمام ہوتی ہے۔

(2) 'عالی'

یہ گروہ ایسے مقرب بندوں کا ہے جنہوں نے انبیاء کی پیروی کی اور زندگی کے کسی شعبے میں راہِ مستقیم سے بالکل تجاوز نہیں کیا۔اس گروہ میں چونکہ مختلف انبیاء اور مرسلین کے پیروکار ہیں اس لیے خاص قسم کا مراتب میں فرق ان دونوں کے درمیان قائم ہے۔

(3) 'وسطیٰ'

اس گروہ میں وہ باسعادت بندے ہیں جنہوں نے ایمان لانے کے بعد تقویٰ کی راہ اختیار کی اور اس پر اٹل رہے یہ وہ خوش نصیب ہیں جنہیں بارگاہ الٰہی سے اصحاب یمین (یعنی عرش الٰہی کے دائیں طرف والے) کا خطاب ملا ہے۔

(4) 'ادنیٰ'

سب سے ادنیٰ درجہ جیسا کہ قرآن پاک نے کہا ہے کہ (اپنے اوپر ظلم کرنے والے) کا ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اور ایمان رکھتے ہیں لیکن کبھی کبھی گناہ بھی کر بیٹھتے ہیں اور اس طرح اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔اس گروہ کے لوگوں کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ایک تو وہ جو کبھی کبھی گناہ کرتے ہیں اور توبہ کرتے رہتے ہیں۔اور اپنے گناہوں پر شرمندہ بھی ہوتے رہتے ہیں۔ایسے ہی لوگوں کے بارے میں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ:

"بندہ توبہ کرتے کرتے تھک جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ معاف کرتے کرتے نہیں تھکتا" (معجم اوسط)

دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے سرکشی اور نافرمانی میں کمر باندھ رکھی ہے۔اور ان کی غفلت، ہوس، دنیا میں منہمک ہونے سے اتنی فرصت ہی نہیں دے رہی کہ آخرت کو بھی یاد رکھیں۔ان کے ساتھ ہی منافقین، مشرکین، کافر حضرات بھی شامل ہیں جن کو قرآنِ پاک نے بائیں ہاتھ والے کہا ہے۔ کیونکہ کہ ان بدبختوں کو بائیں

ہاتھ سے پکڑ کر جہنم رسید کیا جائے گا۔ یا اُن کی عمر بھر کے گناہوں کا پلندہ اُن کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ یا اس لیے کہ ان کی روحیں حضرت آدم علیہ السلام کے بائیں طرف تھیں اس لیے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ان کو بائیں ہاتھ والے کہا ہے۔

(2) شیطانی ولایت

دنیا میں حق و باطل اور خیر و شر کی طاقتیں ہمیشہ ایک دوسرے کے مقابل رہی ہیں۔قرآن پاک بتاتا ہے کہ جب بھی کسی پیغمبر علیہ السلام نے حق کی آواز بلند کی۔سرکش جنوں اور انسانوں نے ایک محاذ بنالیا اور پیغمبروں کے کاموں میں رخنہ اندازی شروع کردی۔

سورۃ انعام آیت نمبر 112 میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

"شیطان صفت انسان اور جن دھوکا دینے کے لیے ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی ہوئی باتیں ڈالا کرتے ہیں"۔

ایک اور جگہ سورۃ اعراف آیت نمبر 30 میں ارشاد ہوتا ہے کہ

"ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنالیا اور سمجھتے ہیں کہ وہ سیدھے راستے پر ہیں'

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جنوں اور انسانوں میں دوستی ہو کیسے جاتی ہے؟؟؟؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث ہے کہ

"جنس کا جنس سے اور یکساں طبع کا ایک دوسرے سے میلان ہوتا ہے"

اس طرح بد باطن اور فاسق اور فاجر انسان جنہیں اللہ اور اُس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کے حکموں کا پاس ولحاظ نہیں ہوتا۔ وہ شیطان سیرت جنوں سے دوستی گانٹھ لیتے ہیں۔اور پھر باہم مل کر انسانوں کو گمراہ کرنے اور زمین پر فساد برپا کرنے کی ناپاک کوشش کرتے رہتے ہیں۔اور شیطان جو اسی قسم کے واقعات کے مواقع اور تاک میں رہتا ہے۔اپنے دوست انسانوں اور جنوں کی مدد اس طرح کرتا ہے کہ انہیں اسرار اور پوشیدہ رازوں سے باخبر کرتا ہے۔جھوٹی، سچی خبریں ان تک پہنچاتا ہے۔کبھی ان کے سامنے ظاہر ہو کر اور کبھی پوشیدہ طور پر اُن سے کلام کرتا ہے۔اور کبھی شعبدے اور کرتب ان کے ہاتھوں دکھواتا ہے اور اس طرح کرتب دکھا کر سادہ لوح انسانوں کو ان کے پھندے میں گرفتار کرواتا ہے۔جو سادگی اور جہالت میں ان تمام بازی گری کو کرامت اور ان شیطانوں کو ولی کامل سمجھ بیٹھتے ہیں۔

پس جو سُنت کا اتباع اور دین کے آداب کی رعایت نہ کرے خدا طلبی کے لیے اُس کی صحبت میں رہنا گوارہ نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ اگر لاکھوں کرامات اور خوارق اُن سے دیکھ لیں۔اور از خود اُس کو کتاب و سُنت کے برخلاف پائیں تو ہرگز ہرگز اُن پر فریفتہ نہ ہونا۔کیونکہ اُن کی وہ خوارق اولیا اللہ والے نہ ہوں گے بلکہ استدراج ہوگا۔

استدراج وہ علم ہے جو اعراف کی بُری روحوں یا شیطان صفت جنات کے زیرِ سایہ کسی آدمی میں خاص وجوہ کی بنا پر پرورش پاجاتا ہے۔

استدراج کا علم غیب بینی تک محدود ہوتا ہے صاحب استدراج کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کبھی نصیب نہیں ہوتی۔

پس ولایت کا کارخانہ <u>آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کی متابعت کے بغیر راست اور درست نہیں اور معرفت کا راستہ دین پر استقامت کے بغیر کھل نہیں سکتا</u> جس نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی اطاعت کی پس اُس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔جب شریعت اللہ تعالیٰ کی معرفت کا وسیلہ ہے تو جو شخص وسیلے کو ترک کر کے دین کے کاموں پر مستقیم نہ رہے۔تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اُس نے دین سے منہ پھیر کر دائرہ اسلام سے اپنے پاؤں باہر کھینچ لیے ہیں۔جس طرح بعض جاہل اور بدعتی فقیر کہتے ہیں اب ہم شریعت سے گزر کر طریقت اور حقیقت پر پہنچ گئے ہیں۔اس لیے اب ہمیں نماز، روزہ، زکوۃ، اور حج وغیرہ اُمور کی ضرورت نہیں رہی۔تو ایسے لوگوں کے اعتقاد سے اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔چونکہ جو آدمی شریعت کو ترک کردے وہ کافر ہو جاتا ہے۔تو کافر طریقت، معرفت اور حقیقت کو کیسے پہنچ سکتا ہے؟

جب کوئی نیک بخت سالک تمام شرعی اُمورات (احکامات الٰہی) پر مضبوط اور مستقل ہو اور حضورِ پاک خاتم النبیین ﷺ کے تمام تر اوصاف اور اخلاق حمیدہ کو اپنائے ہوئے ہو۔اور اُس درگاہ کا مقرب اور مقبول ہو تو اُس کو اللہ تعالیٰ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا نائب مقرر فرمادیتے ہیں۔ولایت کا تاج اُس کے سر پر رکھا جاتا ہے اُس کا نور سورج کے نور کی طرح ہوتا ہے۔جو تمام جہاں کو اپنے فیض سے فیض یاب کرتا ہے۔لیکن اس پسندیدہ اور برگزیدہ مرتبہ پر اللہ تعالیٰ اُس کو سرفراز فرماتے ہیں جو شریعت، طریقت، معرفت اور حقیقت کے سب رُتبوں کا جامع ہوتا ہے۔

****

اولیاءاللہ اور عام بندے میں فرق

بندہ ہونے کے اعتبار سے تو تمام انسان اللہ کے بندے ہیں مگر تمام بندے ایک جیسے نہیں ہوتے کیونکہ بعض لوگ بندہ ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ رب العزت کے دوست بھی ہوتے ہیں جنہیں یہ مقام میسر آتا ہے ان میں اور عام بندوں میں بہت فرق ہوتا ہے کیونکہ ویسے تو کائنات عالم کی ہر ہر چیز اللہ کا بندہ ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

اللہ تعالیٰ سورہ مریم، آیت نمبر 65 میں فرماتا ہے:

ترجمہ: ''آسمانوں کا، زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب وہی ہے تو اسی کی بندگی کر اور اس کی عبادت پر جم جا''۔

عبادت پر جم جانے والے لوگ ہی اپنے رب سے دوستی کا رشتہ استوار کر لیتے ہیں اس طرح ''ولی اللہ'' اللہ کا دوست بن جاتے ہیں۔ اور اللہ رب العزت ایسے بندوں کا دوست بن جاتا ہے۔ تصوف اسی ولایت (دوستی) کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اس دوطرفہ تعلق کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔

اِنْ اَوْلِیَاؤُہٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ (سورۃ الانفال، آیت نمبر 34)

ترجمہ: ''اس کے دوست تو صرف پرہیزگار لوگ ہیں لیکن اکثریت اس بات کو نہیں جانتی۔''

ایسے متقی افراد جو مقام ولایت کے حامل ہوتے ہیں وہ ایک طرف تو اللہ کے دوست ہوتے ہیں (جس کو سابقہ آیت مبارکہ میں بیان کیا گیا) دوسری طرف اللہ ان لوگوں کا دوست ہوتا ہے جس کو قرآن مجید میں دوسری جگہ بیان فرمایا گیا۔

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 257)

ترجمہ: ''اللہ ایمان والوں کا دوست ہے ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے۔''

پہلی آیت میں بندہ اللہ کا دوست ہے۔ دوسری آیت میں اللہ بندے کا دوست۔ یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ اس آیت میں پہلے بندے کی طرف سے اللہ کے لیے دوستی اور محبت کا بیان نہیں ہے بلکہ اللہ کی طرف سے بندے کے لیے دوستی اور محبت کا بیان ہے گویا پہلے اللہ اپنے بندے کو چاہتا ہے اور اس کے ساتھ دوستی کرتا ہے (چاہنا اور دوستی کرنا، ایمان پر موقوف ہے) اور پھر بندہ اپنے رب سے محبت اور دوستی کرتا ہے۔ گویا بندے کو اللہ کی دوستی کی دولت اس وقت تک میسر نہیں آسکتی جب تک پہلے اللہ اپنے بندے سے محبت و دوستی نہ کرے اور بندہ رب کو اس وقت تک محبوب نہیں بنا سکتا جب تک کہ رب العزت اپنے بندے کو اپنا محبوب نہ بنا لے۔ اور رب بندے کو ایمان لاتے ہی دوست بنا لیتا ہے۔ بندے نے کلمہ پڑھا اور رب نے کہا ''اللہ ولی الذین آمنو'' اللہ ایمان والوں کا دوست ہے۔ بندہ رب سے محبت کرتا ہے اور رب بندے کو محبوب بنا لیتا ہے۔ جس طرح یہ محبت دوطرفہ ہے اسی طرح رضا بھی دوطرفہ ہے۔ ارشاد فرمایا:

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ط (سورۃ البینہ، آیت نمبر 8)

ترجمہ: ''اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے''

پہلے اللہ اپنے بندوں سے راضی ہوا۔ اس کے اس کرم سے بندے کو توفیق نصیب ہوئی اور وہ اپنے رب سے راضی ہو گئے۔ تعلق یکطرفہ نہیں بلکہ دونوں طرف سے ہے۔ اسی طرح دوطرفہ تعلق کو ایک اور جگہ بیان کیا

یٰاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ۝ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً ۝ (سورۃ الفجر، آیت نمبر 28-27)

ترجمہ: ''اے وہ نفس جس نے اطمینان حاصل کر لیا ہے تو اپنے رب کی طرف واپس چل اس طرح کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی''۔

ان آیات مبارکہ سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ بندے اور رب کے درمیان محبت و دوستی بھی دوطرفہ اور رضا بھی دوطرفہ ہے ایک حیثیت میں بندہ محب ہوتا ہے اور دوسری حیثیت میں محبوب۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (سورۃ آل عمران، آیت نمبر 31)

ترجمہ: ''(اے حبیب خاتم النبیین ﷺ) آپ فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم کو محبوب رکھے گا''

اگر تم اللہ کا محب بننا چاہتے ہو تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے غلام بن جاؤ، آپ خاتم النبیین ﷺ کی غلامی و اتباع کو اختیار کر لو تو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا یعنی یہ

کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ ایسے محبوب ہیں کہ جوان کا غلام بن جاتا ہے اللہ رب العزت اسے بھی اپنا محبوب بنالیتا ہے اور بندے کا تعلق دوطرفہ ہوجاتا ہے۔

ولایت اور تقویٰ کا باہمی تعلق

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنۡ اَوۡلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الۡمُتَّقُوۡنَ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۞ (سورۃ الانفال,آیت نمبر 34)

ترجمہ''اللہ کے دوست تو متقی ہوتے ہیں لیکن اکثریت اس حقیقت کو نہیں جانتی''۔

آیت مبارکہ میں اللہ کے دوستوں اور ولایت کے مقام پر فائز ہونے والوں کی ایک صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ متقی ہوتے ہیں یعنی ولایت اور تقویٰ دونوں لازم وملزوم ہیں۔تقویٰ کے بغیر ولایت کا تصور گمراہی ہے اور جو مقام ولایت کو پانا چاہتا ہے اسے تقویٰ کے لباس کو پہننا ضروری اور لازم ہوتا ہے۔اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ بھنگ، چرس پینے والے اور شریعت مطہرہ کی مخالفت کرنے والے مقام ولایت پر کبھی فائز نہیں ہوسکتے۔نمازوں کے تارک شیطان دوست تو ہوسکتے ہیں اللہ کے دوست نہیں ہوسکتے۔اللہ رب العزت نے اپنے دوستوں کی پہچان کرادی ہے۔کہ وہ متقی پر ہیزگار اور شریعت مطہرہ کی پابندی کرنے والے ہوتے ہیں۔اس آیت نے اس تصور کو مکمل طور پر باطل کردیا جو جہالت کی بناء پر ہمارے اندر رواج پا گیا ہے کہ''فلاں شخص نماز، روزے کا پابند تو نہیں ہے مگر ہے بڑا کامل ولی اللہ،شریعت کی پابندی و پاسداری کو اپنے اوپر لازم نہیں سمجھتا مگر بہت پہنچا ہوا اور بہت بزرگ ولی ہے''۔یہ سوچ سراسر اسلام کے خلاف اور دین دُشمنی پر مشتمل ہے۔مجذوب(مدہوش) شریعت کا مکلف نہیں ہوتا۔اس لیے اس سے شریعت کے احکامات کی پابندی ساقط ہوجاتی ہے مگر صاحبان ہوش کے لیے مقام ولایت پر فائز ہونے کے لیے شریعت کی پابندی ہی اصل بنیاد ہے اور جو شریعت کا پابند نہ ہو وہ شیطان کی بارگاہ میں پہنچا ہوا تو ہوسکتا ہے اللہ کی بارگاہ کا قُرب اسے میسر نہیں آسکتا ہے وہ ولی شیطان تو ہوسکتا ہے ولی اللہ نہیں ہو سکتا۔پس لفظ ولی ولایت سے ہے اور ولایت کے معنی امارت، بادشاہی اور حکمرانی ہے۔ہمارے پیش نظر صرف دوصورتیں

1۔ ولی اللہ 2۔ ولی عبد

بندہ اللہ کا ولی ہے جس کو

اَلَاۤ اِنَّ اَوۡلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ۞ (سورۃ یونس,آیت نمبر 62)

ترجمہ:'' یادرکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں''۔

اور اِنۡ اَوۡلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الۡمُتَّقُوۡنَ (سورۃ الانفال,آیت نمبر 34)

ترجمہ:''اس کے دوست تو سوا متقیوں کے اور اشخاص نہیں''۔

میں بیان کیا ہے اور اللہ بندے کا ولی ہے جس کو اللّٰہ ولی الذین امنو کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔

اللہ رب العزت بندے کا ولی ہے اور ولی العبد کا معنی ولی کے پہلے معنی کی رُو سے یہ ہوا کہ بندے نے اپنا تصرف کا مقام ختم کر کے اسے اللہ کی بارگاہ میں پیش کردیا اور اس نے اپنی زندگی کے جملہ معاملات میں اپنے ارادے اور مرضی سے دستبردار ہوکر اپنے تمام معاملات کو اللہ کے سپرد کردیا اور اللہ نے اسے قبول کرلیا۔رب اپنے بندے کا ولی ہوگیا۔اب اس بندے کے تمام معاملات وہ خود نبھائے گا کیونکہ بندے نے اپنے تمام اُمور اپنے مولا کریم کو تفویض کردیئے ہیں اور اعلان کردیا ہے

وَاُفَوِّضُ اَمۡرِىۡۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ (سورۃ المومن,آیت نمبر 44)

ترجمہ:''میں اپنا معاملہ اللہ رب العزت کے سپرد کرتا ہوں''

یعنی میں اپنی زندگی کے جملہ اُمور کو اپنی مرضی سے نکال کر تیری مرضی کی تحویل میں دیتا ہوں۔اپنے اختیار سے دستبردار ہو کر اپنا سب کچھ تیرے اختیار کے حوالے کرتا ہوں۔

قُلۡ اِنَّ صَلَاتِىۡ وَنُسُكِىۡ وَمَحۡيَاىَ وَمَمَاتِىۡ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۞ (سورۃ الاعراف,آیت نمبر 162)

ترجمہ:''آپ فرمادیجئے کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے''۔

جب بندہ اپنا جینا مرنا، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، عزت وآبرو، شہرت ناموری، بیماری وصحت سب کچھ اللہ رب العالمین کے سپرد کردیتا ہے۔تو اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے۔''لوگو میں اپنے بندے کا ولی ہوں اس کے جملہ معاملات میں نے اپنے ذمہ لے لیے ہیں اور اپنے وہ معاملات جو بندوں کی رشد وہدایت اور ان کی اصلاح احوال سے متعلق تھے۔ وہ اپنے اس بندے کو دے دیئے ہیں تو اب سن لو کہ اس کے تمام معاملات میں خود سنبھال لوں گا''۔

ولی کے دوسرے معنی کی رُو سے ولی العبد کا معنی یہ ہوا کہ اس بندے پر اگر حکمرانی ہے تو وہ صرف اللہ کی ہے۔ اس بندے نے اپنے آپ کو اللہ کی حکمرانی میں دے دیا ہے۔ اب دنیا کا کوئی فرد اس پر حکمران نہیں ہوسکتا۔ اس پر حکمرانی صرف اپنے رب کی ہوتی ہے۔ نہ وہ کسی سے خوف کھاتا ہے اور نہ ڈرتا ہے۔ ڈرتا ہے تو صرف اپنے رب سے وقت کا بڑے سے بڑا فرعون اور قارون بھی اپنے مال و دولت اور سرمایہ سے اسے خرید نہیں سکتا وہ صرف اس طرف چلتا ہے جہاں رب چلاتا ہے وہاں جُھکتا ہے جہاں رب جُھکاتا ہے۔ اس نے اپنے او پر صرف رب کی حکمرانی قائم کی ہوتی ہے اور اللہ اسے دنیا کی حکمرانی دے دیتا ہے۔ اللہ اس کا ولی ہوجاتا ہے اور وہ اللہ کا ولی ہوتا ہے وہ بندے کا ولی کیسے اور کس معنی میں ہوتا ہے۔؟ حدیث پاک ہے:

مَنْ کَانَ اللّٰہُ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ

ترجمہ:''جو اللہ کا ہوا۔ اللہ اُس کا ہوا'' - (مشکوۃ شریف۔تفسیر روح البیان)

جو اپنے آپ کو اللہ رب العزت کے لیے وقف کر دے اور اپنے معاملات کو بھول جائے تو اس کے معاملات کی ادائیگی اللہ رب العزت اپنے ذمہ کرم پر لے لیتا ہے۔

حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ سے کسی نے سوال کیا کہ آپؓ کے کام زیادہ ہوتے ہیں، خلافت کی مصروفیات، لوگوں کے مسائل، جہاد کے معاملات وغیرہ اتنے زیادہ کام آپ کیسے سرانجام دے لیتے ہیں؟۔ ان تمام کے لیے آپ وقت کیسے نکال لیتے ہیں؟ آپؓ نے فرمایا کہ ''میں اپنی بساط کے مطابق اپنے رب کے کام کرتا رہتا ہوں اور جب کبھی میرے ذاتی کام اور اللہ کے کام میں تعارض پیدا ہو یعنی ایک وقت میں یا اللہ کا کام ہوسکتا ہے یا اپنا کام تو ایسی حالت میں میری زندگی کا معمول یہ ہے کہ میں اپنا کام چھوڑ دیتا ہوں اور اللہ رب العزت کا کام کرتا ہوں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ میرا ذاتی کام میرے کرنے سے بھی بہتر طریقے سے سرانجام پاتا ہے کہ ایسی صورت میں میرا کام میرا رب اپنے ذمہ لے لیتا ہے۔ جبکہ میں اس کا کام اپنے ذمہ لیتا ہوں کیونکہ ایسی صورت میں اللہ رب العزت اپنے بندے کا ولی بن جاتا ہے اور اس کا سرانجام دیا ہوا کام ہر قسم کے نقص و کمی سے محفوظ ہوتا ہے اور وہ بندے کے سرانجام دینے کی نسبت ہزار ہا گنا بہتر ہوتا ہے''۔

ولی اللہ:

اللہ کو کسی معاملہ میں بھی کسی دوسرے کی ولایت کی حاجت نہیں وہ اس سے پاک اور بے نیاز ذات ہے لیکن اس نے محض اپنے فضل واحسان سے اپنے خاص بندوں کو نوازنے کے لیے بنی نوع انسان کی رشد وہدایت ان کی اصلاح احوال کے بہت سے معاملات ان کے سپرد کر دیئے ہیں۔ اللہ کی طرف سے بندے کو ان معاملات کی سپردگی کو ولایت کہتے ہیں اور یہ معاملات جس کے سپرد کئے جاتے ہیں اس کو''ولی اللہ'' کہتے ہیں۔ اگر وہ ولایت میں کامل ہو تو جو فیصلہ وہ کرتا ہے وہی رب کا فیصلہ ہوتا ہے چونکہ وہ اللہ کا ولی ہے اور اللہ نے ان اُمور پر اس کو متصرف بنایا ہے۔

مقام ولایت جس کو عطا کیا جاتا ہے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا:

ترجمہ:''جس نے میرے ولی سے عداوت رکھی میرا اس کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔'' (ابن ماجہ حدیث 3989۔ السلسلۃ الصحیحۃ حدیث 979)

کیونکہ اس کا معاملہ اس کا معاملہ ہی نہیں بلکہ وہ تو میرا معاملہ ہو گیا ہے۔ اس سے محبت کرو گے تو مجھ سے محبت ہوگی اس سے دشمنی کرو گے تو مجھ سے دشمنی ہوگی۔ یہ میرا بندہ ہے میں نے اپنے دین کے کام اپنی مخلوق کی بھلائی کے کام ان کی رشد وہدایت کے کام جو کچھ اس کے سپرد کرنا چاہا کر دیئے اور وہ کام اس بندے نے اپنے ذمہ لے لیے تو وہ بندہ میرا ولی ہو گیا اور اس بندے نے اپنے سارے کام میرے سپرد کر دیئے تو میں اس کا ولی ہو گیا''۔

حضرت اویس قرنیؓ اور مقام ولایت

ایک شخص حضرت اویس قرنیؓ کے پاس زیارت کے لیے حاضر ہوا اور دیکھا کہ ایک بھیڑیا آپ کی بھیڑوں کی حفاظت کر رہا ہے۔ اور آپ عبادت میں مصروف ہیں۔ آپ فارغ ہوئے تو ماجرہ دریافت کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ آپؓ نے فرمایا ''بات سادہ سی ہے کہ جو بندہ رب کے کام میں لگ جاتا ہے رب کی مخلوق اس کے کام میں لگ جاتی ہے''۔ اس لیے اللہ کے ولی کے پاس جانا ان سے تعلق ارادت قائم کرنا گویا اللہ کے غیر کے پاس جانا نہ ہوا بلکہ اللہ ہی کی بارگاہ کی طرف رجوع ہوا۔ جب بندہ اللہ کا ولی بنتا ہے تو وہ اپنے بندے کو صاحب ولایت بنا دیتا ہے اور ولایت دینے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ رب العزت یہ اعلان کرتا ہے کہ لوگو میں نے اس بندے کو تمہارا حکمران بنا دیا۔

میری طرف سے میرا یہ بندہ تمہارا بادشاہ بنا دیا گیا''ہے۔اب اگر حضرت ابراہیم بن ادھمؒ دریا کی مچھلیوں کو حکم دیں گا کہ میری سوئی لے کر نکل آ ؤ تو مچھلیاں فوراً اس حکم کی تعمیل پر نکل آتی ہیں۔کیونکہ یہ مچھلیوں پر بھی حکمران ہیں۔دریا کی لہریں اور لوگوں کے دلوں کی سرزمین سب ان کی حکمرانی میں داخل ہیں۔

غوث اعظمؒ اور مقام ولایت

حضرت غوث اعظمؒ کی مجلس وعظ میں ہزاروں کا مجمع ہوتا اور بغیر لاؤڈ سپیکر کے آپؒ کی آواز تمام لوگوں تک برابر پہنچتی۔جب آپ باہر تشریف لاتے تو مجمع کھڑا ہو جاتا اور آپؒ کی زیارت کے لیے لوگوں کے جذبات قابل دید ہوتے اور ایک ہنگامہ سا برپا ہو جاتا مگر ایک دن ایسا ہوا کہ آپؒ مجمع کو چیرتے مجمع کے درمیان آ گئے اور آپؒ کے استقبال کے لیے ایک شخص بھی کھڑا نہ ہوا۔کسی خادم نے دریافت کیا کہ حضور آج کیا بات ہے؟ تو آپؒ نے فرمایا''لوگوں کے دلوں کی حکمرانی ہمارے پاس ہے ہم چاہیں تو اٹھنے دیں اور چاہیں تو نہ اٹھنے دیں''۔انہوں نے اتنی سی بات آہستہ سے کہی اور اچانک سارا مجمع اٹھ کھڑا ہوا۔فرمایا''نہ اٹھنے کا رنگ بھی دیکھ لیا اب اٹھنے کا رنگ بھی دیکھ لو''۔

جب اللہ اپنے کسی بندے کو مقام ولایت عطا فرماتا ہے تو اسے خلق خدا کے دلوں پر حکمرانی عطا فرماتا ہے اور یہ حکمرانی ہماری دنیا کی حکمرانی سے مختلف ہوتی ہے۔ دنیا کی حکمرانی موت کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔دوسری طرف اللہ کے ولی کی حکمرانی ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ کو اس دنیا سے پردہ فرمائے ہوئے ساڑھے نو سو برس گزر گئے ہیں مگر آپؒ کے مزار مبارک پر جا کر دیکھیں،لوگوں کے دلوں پر آپؒ کی حکمرانی نظر آئے گی۔اسی طرح غوث پاکؒ حضرت خواجہ معین الدینؒ حضرت بابا فریدؒ اور دیگر بے شمار اولیاء کرام جن کو وصال فرمائے صدیاں گزر گئیں مگر ان کی حکمرانی جو اللہ نے انہیں انسانوں کے دلوں پر عطا کی وہ اب بھی قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گی۔

مفہوم ولایت حدیث قدسی کی روشنی میں

حضرت غوث الاعظم نے اپنی کتاب''سرالاسرار''میں ولایت کا ماحصل اور نتیجہ یوں بیان کیا ہے۔

''انسان اپنے اندر اخلاق الہیہ پیدا کرے،بشری صفات کا لباس اتار کر صفات الٰہی کا لباس پہن لے''۔

جب انسان بشری لباس اتار پھینکے اور اخلاق الہیہ کا لباس پہن لے،بشریت کا رنگ ختم کر کے اپنے آپ کو اللہ کے اوصاف اور اللہ کے اخلاق کے رنگ میں رنگ دے۔اس مقام کو حدیث قدسی کے ذریعے بیان کیا گیا ہے: حدیث قدسی

ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں،رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:''اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''جو شخص میرے کسی پسندیدہ شخص سے دشمنی رکھے تو میرا اس سے اعلان جنگ ہے،اور میرا بندا جن جن عبادات کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں سے وہ عبادت مجھے بہت محبوب ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے۔میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں،جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے،اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے،اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے،اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے،اور اگر وہ مجھ سے کوئی چیز مانگتا ہے تو میں اسے عطا کر دیتا ہوں،اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرتا ہے تو میں اسے پناہ دے دیتا ہوں،میں نے جو کام کرنا ہوتا ہے اس کے کرنے میں مجھے کبھی اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا کسی مومن کی جان قبض کرتے وقت تردد ہوتا ہے وہ موت کو نا گوار جانتا ہے اور میں اس کی ایذا کو نا گوار جانتا ہوں،حالانکہ وہ (موت) تو اسے ضرور آنی ہے۔''
(رواہ البخاری-مشکوۃ المصابیح)

اوصاف بشریت کا لبادہ اتار کر انسان جب اخلاق خداوندی کا جامہ زیب تن کر لیتا ہے تو سنتا انسان ہے مگر سننے کی قوت اللہ رب العزت کی ہوتی ہے۔دیکھتا تو بندہ ہے مگر دیکھنے کی قوت اللہ کی طرف سے عطا کی جاتی ہے۔پکڑتا بندہ ولی ہے مگر گرفت اللہ رب العزت کی ہوتی ہے،بولتا انسان ہے مگر قوت گویائی اللہ کی طرف سے عطا کی جاتی ہے۔چلتا بندہ کامل ہے مگر پاؤں کی قوت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔گویا اس حدیث قدسی کی روشنی میں ولایت کا معنی یہ ہے کہ انسان قرب کی منزل طے کرتا ہوا اللہ کی بارگاہ میں اس طرح پہنچے کہ بندہ اللہ کا ہو جائے اور اللہ بندے کا ہو جائے۔بندہ اللہ کا ولی ہو جائے اور اللہ اپنے بندے کا ولی بن جائے۔

قُربِ نوافل،قُربِ فرائض اور جمع بین المقر ابین

حضرت شاہ ولی اللہ اپنی کتاب''الانتباہ فی سلاسل اولیاء''میں

1۔ قُربِ نوافل 2۔ قُربِ فرائض 3۔ جمع بین المقر ابین

کے نام سے قُرب خداوندی کی تین منازل میں ولی اللہ کے تین مختلف احوال کا ذکر فرماتے ہیں۔

1۔قربِ نوافل:

قربِ نوافل یہ ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ مقام حاصل ہوتا ہے کہ تمام افعال کا فاعل بندہ ہوتا ہے۔جبکہ اللہ تعالیٰ کا تعلق قرب بطور آلہ اِس عمل و فعل کا ذریعہ ہوتا ہے۔جیسا کہ حدیث قدسی میں سننا، دیکھنا، بولنا، پکڑنا اور چلنا انسان کا فعل ہوتا ہے۔مگر تمام افعال کا محرک اور ذریعہ اللہ رب العزت کی ذات ہوتی ہے۔ "میں اُس کا کان بن جاتا ہوں جِس سے وہ سنتا ہے یعنی ذرائع آلہ افعال و اعمال خود اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ یہ قربِ نوافل ہے۔اور اِس سے ترقی کر کے انسان قربِ فرائض کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔

2۔قربِ فرائض:

تو اَب حالت بدل جاتی ہے کہ یہاں بندہ صرف آلہ رہ جاتا ہے۔فاعل خود اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔اَب انسان یہاں صرف آلہ کار یا ذریعہ رہ جاتا ہے۔مطلب یہ کہ قربِ نوافل میں اللہ رب العزت نے فرمایا۔میں کان بن جاتا ہوں سنتا بندہ ہے۔میں زبان بن جاتا ہوں بولتا بندہ ہے۔مگر قربِ فرائض میں ترتیب بدل جاتی ہے یعنی سنتا میں ہوں کان بندے کے ہوتے ہیں۔بولتا میں ہوں زبان بندے کی ہوتی ہے۔

اِسی طرح رب تعالیٰ کی یہ دوستی انسان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے قریب سے قریب تر کرتی چلی جاتی ہے۔اور اس راہ پر ترقی کرتے کرتے قرب کا تیسرا درجہ مل جاتا ہے۔

3۔جمع بین المقربین:

آخر کار یہ تیسرا درجہ آ جاتا ہے۔ جہاں بندہ نہ فاعل رہتا ہے۔نہ آلہ و ذریعہ بلکہ فاعل بھی اللہ رب العزت بن جاتا ہے۔اور آلہ بھی وہ خود ہوتا ہے۔ یہاں بندے کا اپنا کچھ بھی نہیں رہتا۔بس بندہ خالی بندہ ہی رہ جاتا ہے۔مگر اس میں ساری قوتیں رب کی کارفرما ہوجاتی ہیں۔گو یا جب بندہ مقام محبوبیت کو پالیتا ہے۔اپنے ارادہ وفعل کو اللہ تعالیٰ کے ارادہ وفعل میں گم اور فنا کر دیتا ہے تو اُسے درجہ بین المقربین کا مقام حاصل ہوجاتا ہے۔

یہاں بندے کا اپنا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔بس بندہ خالی بندہ ہی رہ جاتا ہے مگر اس میں ساری قوتیں رب کی کارفرما ہوجاتی ہیں گو یا بندہ مقام محبوبیت کو پالیتا ہے اپنے ارادہ وفعل کو اللہ کے ارادہ وفعل میں گم اور فنا کر دیتا ہے تو یہ تیسرا درجہ جمع بین المقربین کا مقام حاصل ہوجاتا ہے۔اب وجود تو انسان کا ہے مگر اس کی ساری قوتیں معدوم ہوگئیں۔ اس کے ارادے، نیتیں، اور فاعلیت سب کچھ عدم ہوگئے۔اب فاعلیت بھی رب کی ہے، ارادہ بھی اسی کا ہے، نیت بھی اسی کی ہے اور فیصلہ بھی اس کا ہے اَب بندہ ایک قسم کا پتلا ہے۔جدھر رب چلا رہا ہے چل رہا ہے۔بھیج رہا ہے جا رہا ہے۔وہ ہنسا رہا ہے تو ہنس رہا ہے وہ رُلا رہا ہے تو رو رہا ہے۔اس کے ظاہر پر تصرف اللہ رب العزت کا ہے۔یہ مقام جمع بین المقربین ہے۔اللہ رب العزت نے اپنے حبیب خاتم النبیین ﷺ کی ذات میں یہ تینوں قرب جمع فرما دیئے ہیں۔قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا رَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی ۚ (سورۃ انفال، آیت نمبر 17)

ترجمہ: ''اے (رسول خاتم النبیین ﷺ) جس وقت آپ نے مٹھی بھر خاک دشمن پر پھینکی تھی تو آپ نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان تینوں مقامات کا ذکر کیا ہے۔(و ما رمیت) اے محبوب خاتم النبیین ﷺ آپ نے کنکریاں نہیں پھینکیں یہ قرب خداوندی ہے۔''از رمیت'' جب آپ نے پھینکیں تھیں۔اس میں قربِ نوافل کا بیان ہے (ولکن اللہ رمی) بلکہ وہ تو اللہ نے ماریں۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نہ آلہ فعل رہے نہ فاعل رہے بلکہ فاعل بھی رب اور آلہ فعل بھی وہ خود ہو گیا تو قرب کا یہ مقام جمع بین المقربین ہے۔ (سبحان اللہ)

****

فقر یا درویشی یا صوفی ازم کیا ہے؟

فقر اللہ تعالیٰ کو کافی سمجھنے کا نام ہے---فقر دو قسم کا ہے:

ایک کے متعلق نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:"میں نگوسار فقیروں (لپٹ کر مانگنے والے) سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں"۔

دوسری جگہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:"فقر میرا فخر ہے اور فقرا میرے ورثہ ہیں۔"(محک الفقر کلاں)

فقیر کی پہچان:- فقیر کی پہچان یہ ہے کہ "مخلص ہو، طالب مولا ہو، راز داری کے علم سے باشعور ہو اور جمیعت باطن سے صاحب حضور ہو"۔

درویش یا صوفی یا فقیر کی تخلیق:- آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:"علما میرے سینے سے، سادات میری پیٹھ سے اور فقراء انوار الٰہی سے پیدا کیے گئے ہیں"۔

دوسری جگہ پر آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کو زمین کی خاک سے اور فقرا کو جنت کی مٹی سے پیدا فرمایا"۔

فقیر کی خوبی:- فقیر وہ نہیں جو اسباب دنیا سے خالی ہو، بلکہ فقیر وہ ہے جو خواہشات سے آزاد ہو۔اپنے نفس کو ہر بُرائی سے بچاتا ہو۔فقیر فرائض کا پابند ہوتا ہے اور اپنے راز کی حفاظت فرماتا ہے۔عام آدمی اور فقیر یا صوفی میں یہ فرق ہوتا ہے کہ فقیر نہ پریشان ہوتا ہے اور نہ حیران

راہ فقر:- راہ فقر ایک سفر ہے اللہ کی دوستی کی طرف سفر۔۔۔اللہ کی راہ کا سفر

فقر یہ نہیں کہ بہتی ندی کے اوپر سے (پانی کے اوپر سے) گزر جائیں اور ایک انچ بھی گیلا نہ ہو، فقر ہوا میں اڑنا بھی نہیں ہے، فقر ہوا میں مصلہ بچھا کر نماز پڑھنا بھی نہیں ہے۔

اصل فقیر وہ ہے جس کا دل ایک لمحہ کے لیے بھی اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو۔

اصل فقیر وہ ہے جس کا قلب لامکاں میں گم ہو اور ظاہراً جسم مکمل شریعت کا نمونہ (structure) ہو۔

انسان کا نفس ناک سے لے کر فورہیڈ (forehead) تک ہے۔یہ نفس دیکھنے میں، بولنے میں،، ہر کام میں مداخلت (interfare) کرتا ہے۔اس کے پانچ ہتھیار ہیں۔1- شہوت 2- غصہ 3- تکبر 4- لالچ 5- حسد

یہ پانچ ہتھیار نفس کے پاس ہیں جو کسی بھی شخص کو اللہ سے دور کر دیتے ہیں۔اس کے مقابلے کے لئے ہتھیار اسم "اللہ" اور "اللہ ھو" ہے۔اس کے مسلسل ذکر سے نفس کی منفی خرابیاں، مثبت خوبیوں میں بدلتی رہتی ہیں۔

اللہ کی راہ پر چل کر اللہ تک جانا ہے۔روح انسان کی رگ رگ میں موجود ہے۔روح اصل میں ایک نور ہے، یہ نور پورے جسم میں سمایا ہوا ہے۔اس کے برعکس نفس ایک تاریکی ہے۔ہم ذکر کے ذریعہ نفس کی اس تاریکی کو نور میں تبدیل کرتے رہتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ نفس کی حالت بدلتی رہتی ہے۔

اس سارے عمل میں سب سے بڑی چیز عاجزی ہے۔انسان کے اندر بے شمار خوبیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں مثلاً وہ ریاضت کرتا ہے، عبادت کرتا ہے، خلوص بجالاتا ہے، علم سیکھتا ہے، عمل کرتا ہے، عشق میں مبتلا ہوتا ہے۔لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود اگر اس میں عاجزی نہیں ہے تو یہ سب کچھ صفر ہو جاتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ راہ فقر میں سب سے زیادہ ضروری چیز عاجزی کا حصول ہے۔یعنی راہ فقر سب کچھ چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کا بننے کی کوشش ہے۔

غوث اعظم دستگیر سے کسی نے پوچھا"حضرت اسم اعظم کیا ہے؟" آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا"جب تو اپنے سینے کو تمام تر لذتوں اور تمام تر خواہشات اور اللہ کے سوا ہر چیز سے خالی اور پاک کر لے اور پھر اللہ کا نام لے چاہے جس رنگ میں لے، چاہے جو نام بھی لے وہی تیرا اسم اعظم ہے"۔

راہ فقر اللہ کا بننے کی کوشش ہے عبدیت۔عبد بننا (بندہ بننا) اور عاجزی اختیار کرنا اس کوشس کا مقصد ہے۔

دعا میں التجا نہیں، تو عرض حال مسترد
جو حُسن عاجزی نہیں، تو سب کمال مسترد

دنیا اللہ تعالیٰ کی دشمن ہے۔اس کے فریب میں بہت لوگ گمراہ ہوئے۔اس کے مکر سے بہتوں کو لغزش ہوئی اس کی دوستی خطاسیئات کی جڑ ہے اور اس کی دشمنی طاعات وقربت کی اصل، اس سے نجات بغیر دنیا سے علیحدگی اور دوری کے نہیں ہو سکتی۔لیکن اس سے علیحدگی کی دو صورتیں ہیں۔

1۔ یا تو یہ خود آدمی سے الگ رہے اس کو فقر کہتے ہیں یا 2۔ آدمی اس سے کنارہ کش ہو جائے اس کو زہد کہتے ہیں

"فقر حاجت کی چیز نہ ہونے کا نام ہے"۔ہستی کے پردے پر اگر کوئی موجود ایسا ہے جس کا وجود دوسرے سے فائدہ نہ اٹھاتا ہو تو وہ غنی مطلق ہے اور ایسا وجود

سوائے ایک ذات کے نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ وجود میں غنی ایک ہی ہے اور اس کے سوا سب اس کے محتاج ہیں۔قول باری تعالی ہے **واللہ غنی و انتم الفقراء** ''اور یہ معنی فقر مطلق کے ہیں'' (سورہ محمد، آیت نمبر 38)-----فقر میں آدمی کے پانچ احوال ہیں۔

پہلی حالت:- جو سب سے عمدہ ہے یہ کہ آدمی اس طرح ہو کہ اگر اس کے پاس مال آئے تو اس کو بُرا معلوم ہو اور ایذا پائے اور اس کے قبول سے بھاگے اور اس کے مشغول ہونے سے اجتناب کرے اور اس کے شر سے بچے۔ایسے شخص کو **''زاہد''** کہتے ہیں۔

دوسری حالت:- دوسری حالت یہ ہے کہ مال کی رغبت اتنی نہ ہو جس کے حاصل ہونے سے خوشی ہو اور نہ اتنی نفرت ہو کہ اس سے تکلیف ہو۔ایسے شخص کو **''راضی''** کہتے ہیں

تیسری حالت:- تیسری حالت یہ ہے کہ مال کا ہونا اس کے نزدیک نہ ہونے کی نسبت محبوب ہو اور اس کی وجہ سے کچھ مال سے رغبت رکھتا ہے مگر رغبت اتنی نہیں کہ اس کی طلب میں سرگرم رہے بلکہ اس قسم کی ہے کہ اگر بلا محنت ملے تو خوش ہو جائے اور اگر طلب کرنی پڑے تو مشغول نہ ہو۔ایسی حالت والے کا نام **''قانع''** ہے۔اس لیے کہ اس نے موجود چیز پر قناعت کر کے طلب کو موقوف کیا۔اس کے باوجود کہ اس کو کسی قدر رغبت بھی ہے۔

چوتھی حالت:- چوتھی حالت یہ ہے کہ طلب مال کو موقوف کرنا عاجزی کے باعث ہو ورنہ رغبت اتنی ہے کہ اگر سبیل تلاش کی ملے جو محنت ہی سے ملے اس کو ضرور طلب کرے یا طلب میں مشغول ہو ایسی حالت والے کو ہم **''حریص''** کہتے ہیں۔

پانچویں حالت:- پانچویں حالت یہ ہے کہ جو مال اس کے پاس نہیں اس کی ضرورت میں پریشان ہو یعنی بھوکے کے پاس روٹی نہ ہو اور ننگے کے پاس لباس نہ ہو ایسی حالت والے کو ہم **''مضطر''** کہتے ہیں۔

اور ان پانچوں حالت سے بڑھ کر ایک اور حالت ہے جو زہد سے بھی اعلیٰ ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی کے نزدیک مال کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہو کہ نہ آنے کی خوشی نہ جانے کا غم ہو اور اس کا حال ایسا ہو جیسا کہ حضرت عائشہؓ کا تھا جب ان کے پاس درہم دمشق سے آئے تو انہوں نے اسی وقت تقسیم کر دیئے۔تو جب آپؓ کی خادمہ نے کہا "اگر آج کے درہموں میں سے ایک درہم کا گوشت لے دیتیں تو اس سے افطار کرتے" تو آپؓ نے فرمایا ''پہلے سے یاد دلا دیتی تو ایسا ہی کرتی''۔

آنحضرت خاتم النبیین ﷺ فرماتے ہیں کہ ''میں نے جنت میں جھانکا تو اکثر اس کے لوگوں کو فقیر دیکھا اور دوزخ میں جھانکا تو اس میں اکثر غنی اور عورتیں نظر آئیں''۔(مسند احمد) ایک حدیث ہے "مومن کا تحفہ دنیا میں فقر ہے"۔(مکاشفۃ القلوب)

حضرت موسیٰؑ نے جناب باری میں عرض کیا ''الٰہی تیری مخلوق میں سے تیرے دوست کون لوگ ہیں؟ مجھے معلوم ہوں تو میں بھی ان کو تیری خاطر دوست رکھوں"۔فرمایا" کل فقیر"۔ حضرت عیسیٰؑ فرمایا کرتے تھے "میں مسکنت کو پسند کرتا ہوں اور دولت کو بُرا جانتا ہوں اور اگر کوئی آپ کو مسکین کہہ کر پکارتا تو آپ کو وہ سب سے زیادہ پسند آتا"۔

ایک مرتبہ عرب کے سرداروں اور تو انگروں نے آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں عرض کیا" آپ ایک روز ہمارے لیے مقرر کر دیجئے اور ایک روز فقرا یعنی حضرت بلالؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت صہیب رومیؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، خباب بن ارتؓ اور عمار بن یاسرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ اور فقرائے اصحاب صُفّہ رضوان اللہ علیھم اجمعین کے لیے ٹھہرا دیجئے کہ جس روز وہ آپ خاتم النبیین ﷺ کے پاس آئیں تو ہم نہ آئیں اور ہم آئیں تو وہ نہ آئیں" (اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں کا لباس اون کا تھا۔گرمی کی شدت میں پسینہ جو آتا تو کپڑوں میں بو پیدا ہوتی اور تو انگروں کو ان کی بو سے ایذا ہوتی) اس لیے آنحضرت خاتم النبیین ﷺ سے یہ درخواست کی۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے ان کی درخواست کی پذیرائی فرمائی "اچھا ایک مجلس میں دونوں فریقوں کو جمع نہ کریں گے" پس آیت اتری جس کا ترجمہ یہ ہے:

ترجمہ:''آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے پاس بیٹھنے کا پابند کیجئے جو اپنے رب کو صبح اور شام پکارتے ہیں اور ان کے منہ تیرے طالب ہیں اور ان کو چھوڑ کر رونق دنیا کی زندگی پر نہ جا اور مت دیکھ ان کو جن کے دل میں نے اپنی یاد سے غافل کر دیئے ہیں''۔(سورہ کہف آیت نمبر 28)

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا" میری مخلوق میں میرے مخلص بندے کہاں ہیں"؟ تو فرشتے عرض کریں گے "اے ہمارے رب وہ لوگ کون ہیں"؟ اللہ فرمائے گا" (میرے مخلص بندے) وہ فقراء ہیں جو میری عطا کردہ نعمتوں پر قناعت کرتے ہیں۔میری تقدیر پر خوش ہیں (جاؤ) انہیں جنت میں داخل کر دو''۔(الطبقات الصوفیہ)

آنحضرت خاتم النبیین ﷺ فرماتے ہیں کہ ''میری اُمت کے فُقَرا امیروں سے 500 سال پہلے جنّت میں داخل ہوں گے"۔(جامع ترمذی، احیاء العلوم)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں" تین آدمی جنت میں بے حساب داخل ہوں گے۔ایک وہ شخص کہ اپنا کپڑا دھونا چاہے تو دوسرا اس کے پاس نہ ہو کہ اس کو پہن لے، دوسرے وہ کہ اپنے چولہے پر دو ہنڈیاں نہ چڑھائی ہوں، تیسرے کہ وہ پانی مانگے تو اس سے یہ نہ پوچھا جائے کہ کونسا پانی منظور ہے؟، یعنی کھانے، پینے اور لباس میں

تکلف نہ کرے"۔بعض علماء کا قول ہے "اگر بیچارہ آدمی دوزخ سے اتنا ڈرتا جتنا فقر سے ڈرتا ہے تو دونوں سے نجات پا تا اور اگر جنت کی رغبت ایسی کرتا جیسی مالداری کی تو دونوں باتیں حاصل ہوتیں اور اگر دل میں اللہ تعالیٰ سے اتنا ڈرتا جتنا ظاہر میں اس کی مخلوق سے تو دونوں جہاں سے سعادت پاتا"۔

ایک شخص حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کے پاس دس ہزار درہم لایا۔آپ نے ان کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔اس شخص نے بہت منت کی تو آپؒ نے فرمایا" کیا تجھے یہ منظور ہے کہ دس ہزار درہم کے عوض میرا نام فقیروں کے دفتر سے مٹا دیا جائے؟ سوا ایسا میں کبھی نہ کروں گا"۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں" کوئی روز ایسا نہیں ہوتا کہ ایک فرشتہ عرش کے نیچے سے یہ نہ پکارتا ہو،"تھوڑا مال جو تجھے کافی ہو وہ اس بہت سے مال سے بہتر ہے جو تجھے سرکش کر دے"۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ خراسان کے امرا میں سے تھے ایک روز اپنے ایک محل کی کھڑکی سے جھانک رہے تھے دیکھا"اس مکان کے صحن میں ایک شخص ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک روٹی ہے اس کو کھا رہا ہے جب کھا چکا تو سو رہا آپ نے اپنے کسی خادم سے کہا" جب یہ شخص اٹھے میرے پاس لے آنا"، جب وہ اٹھا تو سامنے گیا آپؒ نے پوچھا "تو بھوکا تھا تو وہ روٹی کھائی تھی"؟اس نے کہا"ہاں" آپ نے پوچھا" تیرا شکم اس روٹی سے سیر ہو گیا تھا"؟ کہا کہ"ہاں" آپ نے پوچھا" پھر مزے میں سویا"؟اس نے کہا کہ"ہاں" آپؒ نے اپنے دل میں کہا" پھر میں دنیا لے کر کیا کروں گا؟نفس تو اتنے پر بھی قناعت کر لیتا ہے"۔

حضرت محمد بن واسعؒ سوکھی روٹی پانی میں تر کر کے کھا لیتے اور فرماتے"جو دنیا سے اس قدر پر راضی ہو گیا وہ کسی کا محتاج نہ ہوگا"۔

حضرت ذوالنونؒ فرماتے ہیں کہ"لوگوں میں سے کفر کے قریب تر وہ شخص ہے جو فاقے میں صبر نہ کرے"۔

فرمان باری تعالیٰ ہے"اے آدم کی اولاد اگر دنیا ساری کی ساری بھی تجھے دے دی جائے تب بھی تو دنیا میں سے اتنا ہی کھائے گا جتنا تیرے پیٹ میں سما جائے گا،اور اگر اتنی دی جائے جتنی تیرے پیٹ میں جانی ہے تو یہ میں نے تجھ پر احسان کیا(تجھے حساب کتاب سے بچا لیا)"۔

جس قدر آدمی دنیا سے محبت کرتا ہے اس قدر آخرت سے وحشت کرتا ہے اور جب اسباب اُنس دنیا کے جاتے رہتے ہیں تو دل بھی دنیا اور اس کی زینت سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور جب دل اللہ کے سوا ہر چیز سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور اللہ پر ایمان رکھتا ہے تو اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

حضرت ابودرداؓ فرماتے ہیں" مجھے یہ بھی پسند نہیں کہ میری دوکان مسجد کے دروازے پر ہو اور کوئی نماز اور ذکر مجھ سے فوت نہ ہو اور ہر روز مجھ کو نفع میں پچاس دینار حاصل ہوں اور ان کو میں اللہ کی راہ میں صرف کر ڈالوں"،لوگوں نے پوچھا"اس میں کیا خرابی ہے"-آپؓ نے فرمایا کہ"حساب تو دینا ہی ہوگا"۔

جس قدر قرب الٰہی حاصل ہوگا اتنا ہی مال نہ ہونے کا درد بھی کم ہوگا۔فقر وہی اچھا ہے جس میں آدمی غصہ میں نہ رہے یا دوسرے معنی میں فقر میں راضی رہے۔

مال کے جمع کرنے میں تین درجے ہیں:۔ ایک یہ کہ صرف ایک دن اور ایک رات کا پاس رکھے یہ درجہ **صدیقین** کا ہے،دوسرا یہ کہ چالیس روز کا ذخیرہ کرے اور علماء نے یہ بات حضرت موسیٰؑ کی معیاد سے نکالی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر فرمائی تھی اس سے یہ سمجھا گیا کہ زندگی کی توقع چالیس روز کرنی جائز ہے اور یہ درجہ **متقین** کا ہے اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ برس روز کا ذخیرہ رکھے اور یہ سب سے ادنیٰ مرتبہ ہے اور یہ **صالحین** کا درجہ ہے اور جو اس سے بھی زیادہ کے لیے ذخیرہ کر لے وہ سب طمع میں داخل ہے۔خواص سے اس کو کچھ تعلق نہیں۔ پس مرد صالح جو اطمینان قلبی میں کمزور ہو۔اس کی غنا برس روز کی غذا میں ہے اور خواص کی غنا چالیس روز کی غذا میں خواص سے بھی خواص کی غنا ایک دن اور ایک رات کی قوت میں ہے اور آنحضرت خاتم النبیین ﷺ اپنی ازواج مطہرات کی غذا اسی طرح تقسیم فرماتے تھے یعنی جب کچھ کہیں سے آتا تو ان میں سے بعض کو سال بھر کی بعض کو چالیس دن کی اور، بعض کو ایک دن رات کی غذا عنایت فرما دیتے اور ایک دن اور ایک رات کی غذا حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو دیا کرتے تھے۔

حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا" الٰہی تو نے میرا رزق بنی اسرائیل کے ہاتھوں پر اتار دیا ہے کہ صبح کو کوئی کھلاتا ہے،شام کو کوئی"۔حکم ہوا" میں اپنے دوستوں سے ایسا ہی کرتا ہوں ان کا رزق اپنے بندوں میں سے دوسروں کے ہاتھ سے دلاتا ہوں تا کہ ان کے باعث ان کو ثواب دیا جائے"۔

بہر حال بندے کو چاہیے کہ اگر اس کو کوئی کچھ دے تو جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مسخر کر دیا ہے تو دیتا ہے۔

آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کا دستور تھا کہ اکثر سوال سے باز رہنے کا حکم فرماتے کہ"جو ہم سے مانگے گا تو اس کو ہم دیں گے اور جو بے پرواہی چاہے گا اللہ تعالیٰ اس کو بے پرواہ کر دے گا"(بخاری و مسلم)

حضرت عمرؓ نے ایک سائل کو سنا کہ بعد مغرب کے سوال کرتا تھا آپ نے فرمایا"اس کو کھانا دے دو"۔کسی نے دے دیا۔پھر آپ نے دوبارہ اس کو مانگتے سنا۔

آپ نے فرمایا ”ہم نے کہا نہیں تھا کہ اس کو کھانا دے دو“ اُس نے عرض کیا کہ ”ہم نے اس کو کھانا کھلا دیا ہے“۔ آپ نے سائل کی جھولی دیکھی تو روٹیوں سے بھری ہوئی تھی۔فرمایا کہ تو سائل نہیں تاجر ہے۔پھر جھولی لے کر زکوۃ کے اونٹوں کے سامنے ڈال دی سائل کو درے مارے اور فرمایا" پھر ایسا مت کرنا"۔ پس اگر سوال کرنا حرام نہ ہوتا تو آپ اس کو دُرے کیوں مارتے؟

حضرت بشر حافیؒ فرمایا کرتے تھے "فقرا تین ہیں ایک وہ کہ سوال نہ کریں اور کوئی دیں تو نہ لیں۔ایسا شخص علیین میں روحانیوں کے ساتھ ہوگا، دوسرا وہ کہ سوال نہ کرے اور اگر کوئی دے تو لے لے تو یہ شخص **مقربین** کے ساتھ جنت فردوس میں رہے گا تیسرا وہ کہ حاجت کے وقت سوال کرے ایسا شخص اصحاب یمین میں سے ہے ،سچوں کے ساتھ ہوگا"۔

حضرت عیسی علیہ السلام سے لوگوں نے فرمایا کہ "اے نبی اللہ! اگر آپ اجازت دیں تو آپ کے لیے گھر بنا دیں؟" حضرت عیسیٰ نے فرمایا" پانی پر عمارت کیسے چھپے گی؟"

یوسف بن اسباطؒ فرمایا کرتے تھے "اللہ سے تین باتیں چاہتا ہوں کہ جب میں مروں تو میرے پاس ایک درہم بھی نہ ہو، دوم یہ کہ مجھ پر کسی کا قرض نہ ہو، سوم یہ کہ میری ہڈی پر گوشت نہ ہو"۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں "میں نے آپ (خاتم النبیین ﷺ) کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ (خاتم النبیین ﷺ) اللہ سے وعدہ طلب کیوں نہیں کرتے کہ آپ (خاتم النبیین ﷺ) کو کھانا کھلائے کہ آپ (خاتم النبیین ﷺ) کی بھوک کی حالت دیکھ کر میں رو پڑی"- آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا کہ "اے عائشہؓ ! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر میں پروردگار سے یہ دعا کرتا کہ میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلائے، تو اللہ تعالیٰ تمام پہاڑوں کو جہاں میں چاہتا ساتھ کر دیتا لیکن میں نے دنیا کی بھوک کو سیری پر، ٹھوکر کو غنا پر اور رنج کو خوشی پر اختیار کر لیا ہے۔اے عائشہؓ! دنیا محمد (خاتم النبیین ﷺ) اور آل محمد کے لیے مناسب نہیں ہے۔اے عائشہؓ! اللہ نے رسولوں میں سے اولوالعزم کے لئے اور میرے لیے یہی پسند کیا ہے، بخدا میں اس کی فرمانبرداری ضرور کروں گا"۔

فقرا کی قسمیں:- جب کوئی سالک راہ فقر میں چل کر عبادات ریاضات، مجاہدات کرتا رہتا ہے تو:-

1۔اگر اُس کا شیشہ عقل ٹوٹ گیا تو مجذوب ہوا　　　2۔اگر ثابت قدم رہا تو محبوب ہوا۔

محبوب فقیر خلق کے قُلوب کے تصفیہ کے قابل ہو جاتے ہیں (صفائی کے قابل)

مجذوب:- جن کا شیشہ عقل ٹوٹ گیا وہ مجذوب ہوتے ہیں۔مجذوبوں سے تلقین لینا (سیکھنا) نقصان دہ ہے۔بے شک یہ سلسلے سے ہوتے ہیں۔لیکن خود ان سے کوئی سلسلہ نہیں چلتا۔یہ اللہ کے عشق میں نکلے اور دیوانے ہو گئے ان کا رشتہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا ہے خواہ ننگے ہی کیوں نہ گھوم رہے ہوں۔دراصل مجذوب وہ ہوتا ہے جو ذات سے متعارف ہو کر (یعنی اللہ تعالیٰ سے تعارف کے بعد) ایسے عالم میں چلا جاتا ہے۔جہاں پر اللہ تعالیٰ خود اُس کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ان میں سے کچھ مجذوب سالک ہوتے ہیں جن میں کچھ سُدھ بدھ ہوتی ہے۔مجذوب سالک اگر کسی پر مہربان ہو جائیں تو ان کو ذکر اذکار، مجاہدوں اور چلوں میں نہیں ڈالتے بلکہ سینے سے سینہ ملا کر یا ہاتھ سے ہاتھ ملا کر یا آنکھ میں آنکھ ڈال کر اپنے سینے کا نور اُس میں منتقل کر دیتے ہیں۔جس سے وہ شخص روشن ضمیر ہو جاتا ہے اور مجذوب سالک کا فیض اِس نور کے ذریعے سے چل پڑتا ہے۔لیکن اگر وہ صاحب ساکن رہے اور لطائف کے علم سے محروم رہے (ذکر اذکار کا جس سے نور بنتا ہے) تو آہستہ آہستہ اس کی روحانیت ضائع ہونی شروع ہو جاتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اکثر مادرزاد ولیوں نے بھی بلند مراتب کے لیے ذکر اذکار، مجاہدے اور ریاضتیں کیں ہیں۔

محبوب:- محبوبوں میں سے اکثر رجال الغیب کے محکمے میں چلے جاتے ہیں۔اور اُن کے غوث وقطب ہدایت کے لیے مقرر ہوتے ہیں۔ہر چالیس میل کے علاقے پر ان کی ڈیوٹی ہوتی ہے۔ان کو کشف خاص ضرور ہوتا ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کے ہرکارے ہوتے ہیں انہیں اللہ کے کلرک، اللہ کے سپاہی اور اللہ کے چپڑاسی بھی کہتے ہیں۔یہ پرمٹ سمن اور شوکاز جاری کرتے ہیں۔یہ اللہ کی طرف سے بھیجے گے انعام اور ایوارڈ لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

جب کوئی شخص اللہ کو پسند آجاتا ہے تو اُسے فقراء کی صف میں شامل کرنے کا فیصلہ ہوتا ہے۔تو اُسے کوئی نشانی دی جاتی ہے۔یہ نشانی اُس فقیر یا صوفی کے حسب حال اُس کے درجے اور اُس کے مقام کا تعین کرتی ہے۔کسی کو آئینہ دیا جاتا ہے، کسی کو خرقہ، کسی کو دستار ملتی ہے اور کسی کے سر پر تاج رکھ دیا جاتا ہے یہ نشانیاں عام لوگوں کو نظر نہیں آتیں ،انہیں صرف دوسرا صوفی ہی دیکھ سکتا ہے۔ایک صوفی ہزاروں لوگوں میں سے دوسرے صوفی کو انہی نشانیوں کی وجہ سے پہچان لیتا ہے۔اِن کو کشفِ خاص ضرور ہوتا ہے۔جس کے ذریعے یہ ایک دوسرے سے بات چیت کرتے ہیں۔یہ حج کے موقع پر اکٹھے ہوتے ہیں۔یہ مجوب ہوتے ہیں (چھپے ہوئے)۔

ایک شخص نے ایک بزرگ سے پوچھا، " آپ کون ہیں "؟ انہوں نے جواب دیا "اللہ تعالیٰ کا چپڑاسی ہوں"۔ پھر اس شخص نے کہا " آپ کی ڈیوٹی کیا ہے "؟ کہنے لگے "میں

لوگوں میں برکت تقسیم کرتا ہوں تمہاری بھی عرضی منظور ہوگئی تھی۔ تم نے برکت مانگی تھی نا، مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہیں برکت دے آؤں"۔ اُس شخص نے سوال کیا" یہ برکت کیا ہوتی ہے"؟ انہوں نے کہا کہ "یہ جاگ ہوتی ہے"۔ اُس شخص نے کہا" جاگ کیا ہوتی ہے"؟ انہوں نے کہا کہ "یہ تولہ دو تولے دہی ہوتی ہے۔ جو دودھ کے پورے مٹکے کو دہی بنا دیتی ہے"۔ اُس شخص نے سوال کیا۔" مجھے کیسے معلوم ہوگا کہ مجھے برکت ملی ہے"؟

انہوں نے تھوڑی دیر کے لیے خاموشی اختیار کی پھر بولے،" تم جہاں جاؤ گے رونق آجائے گی۔ اور جس جگہ سے اُٹھ جاؤ گے وہ جگہ اُجاڑ ہو جائے گی۔ لوگوں کے دل تمہاری طرف کھینچے چلے آئیں گے۔ لوگوں کو تمہارے پاس بیٹھ کر سکون ملے گا۔ تم سے دوستی کرنے والے لوگ فائدہ میں رہیں گے اور تمہیں نقصان پہنچانے والے خود نقصان اٹھائیں گے"۔ اُس شخص نے سوال کیا" یہ برکت کب تک میرے ساتھ رہے گی"؟ انہوں نے جواب دیا" جب تک تو تکبر سے بچا رہے گا"۔

سوال کرنے والا شخص غیر سرکاری محکمے کے تھے اور جواب دینے والے صوفی درویش سرکاری محکمے کے رجال الغیب تھے۔

محبوبین میں علماء، مشائخ، متقین، صلحا، نقبا اور مجددشامل ہیں۔ یہ غیر سرکاری محکمہ میں ہوتے ہیں۔ یہ ہر زمانے میں ہوتے ہیں۔

محبوبین کے بعد مساوی غوث وقطب، معارف، سلطان، اور عاشقین بھی ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ سرکاری محکمے کے ہیں اس لیے کسی زمانے میں ان میں سے کوئی نہیں بھی ہوتا۔ یعنی کسی زمانے میں معارف نہیں، کسی میں سلطان نہیں، کسی میں عاشقین نہیں اور کسی میں تینوں موجود۔ ان کو باقاعدہ کشف نہیں ہوتا بلکہ گا ہے بگاہے آگاہی ہوتی رہتی ہے۔ یہ بھی خدمت کے لیے بہترین لوگ ہوتے ہیں۔

علماء اور مشائخ کے ہزاروں مقامات اور ہزاروں مراتب ہوتے ہیں۔ یہ معاشرہ انسانی کی اصلاح ظاہر و باطن کے لیے رشد و ہدایت پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ ان کی اصلاحی کوششیں غیر مسلموں پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔ اور تاریخ عالم نے عالم اسلام کے اذہان وفکر میں جن انقلابات کی نشاندہی کی ہے وہ ان علما ومشائخ کی شب وروز کوشش کی مرہون منت ہے۔ ان میں صوفیا خاص طور پر روحانی اور قلبی اصلاح میں مصروف رہے۔ اور ان کی کوششوں نے اسلامی معاشرے کی اخلاقی نشوونما میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ انہوں نے مُردہ دلوں کو حیات تازہ بخشی۔ انہوں نے مردہ لاشوں کو زندہ کر دیا۔ انہی حضرات میں ملامیتہ اور قلندر بھی شامل ہیں۔

ملامیتہ:- صوفیاء کرام کی وہ جماعت ہے جو" ریا" (دکھاوا) سے بچتی ہے۔ حد درجہ اخلاص والی جماعت ہے جو اپنے کمالات باطنی کو کبھی کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتی۔

قلندر:- صوفی منتہی جب اپنے مقاصد کو پالیتا ہے تو قلندر ہو جاتا ہے۔ یہ شخصیت نہ عبادات میں سما سکتی ہے نہ ہی انہیں الفاظوں کے کوزے میں بند کیا جاسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قلندر کی بلند پرواز یں دین و دنیا کے حدود و قیود کو توڑ کر آگے نکل جاتی ہیں۔

مجذوب:- صوفیاء میں مجذوب کا مقام نہایت ہی نازک اور منفرد ہوتا ہے۔ یہ طریق استدلال سے بالکل نا آشنا ہوتے ہیں۔ یہ اصلاح عالم کے کسی مقام پر متعین نہیں ہوتے۔ نہ ہی انہیں جذب حقیقی سے اتنی فرصت ہوتی ہے کہ خلق کی اصلاح کا کام اپنے ذمہ لیں۔

4۔ چوتھی قسم اُن فقیروں کی ہے جو راہ طریقت ہی میں شیطانی کشفوں یا رُجوعات میں پھنس کر رہ گئے اور آگے ترقی نہ کر سکے۔ یا کوئی چھوٹا موٹا عمل ہاتھ لگ گیا یا مؤکلات قابو کر لیے اور پھر ان عملوں اور مؤکلات سے خلق کو پھنسانے لگے۔ اکثر سجادہ نشین اسی زمرے میں آتے ہیں۔ نذرانہ لینا گناہ نہیں ہے لیکن مستحق لوگوں کی عمریں برباد کرنا سخت گناہ اور جرم ہے۔

صوفی کی پہچان:- آج کل فقراء یا صوفی کی پہچان ختم ہوگئی ہے۔ بس جس کی صحبت میں بیٹھنے سے دل اللہ کی طرف جھک جائے تو جہ اللہ کی طرف متوجہ ہو اور جتنی دیر آدمی اُس کے پاس رہے اُس کے اوپر غم، پریشانی اور خوف نہ رہے سمجھنا چاہیے کہ یہ صحبت کیمیا ہے۔ فقیری میں صحبت کا بڑا اثر ہے ایک قول ہے صحبتِ فقراء عین مجلسِ الٰہی ہے۔ اور مردان خدا نے اس کو جُزِ اعظم سمجھا ہے۔ مگر اس زمانے کے لوگوں کا حال تو یہ ہے کہ **آج مرید ہوئے کل وظیفہ پوچھ کر گئے پرسوں شکایت لے کر آگئے کہ کچھ اثر نہیں ہوا۔ یہ نہیں سوچتے کہ عمر بھر کی کثافت کو ایک دن کا وظیفہ کیا دُور کر سکتا ہے؟ اور پھر یہ بات بھی ہے کہ مرشد کو ایسی کیا غرض پڑی ہے کہ اپنی صفائی وقت کو چھوڑ کر دوسرے کے خیال پر متوجہ ہو؟ اور اگر بلفرض وہ ایسا کرے بھی تو مرید کا عمر بھر کا گند مٹانا اور اُس کے بجائے اپنے علم کو جمانا کوئی ہتھیلی کی سرسوں نہیں ہے۔** ہاں رفتہ رفتہ عرصہ دراز کی کوشش میں اصلاح حال خوب ہوتی ہے۔

چند فقراء کے حالات:-

1۔ حضرت عمرؓ نے **حضرت اویس قرنیؒ** کو ایسے کمبل میں دیکھا جس کے نیچے تو انگری کے ہزاروں عالم پوشیدہ تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ کے دل میں خلافت سے

دستبرداری کی خواہش پیدا ہوئی اور فرمایا" ہے کوئی ایسا جو دو روٹی کے عوض مجھ سے خلافت خرید لے"؟ یہ سُن کر حضرت اویس قرنیؒ نے فرمایا"اے عمرؓ اس کو تو کوئی بے وقوف ہی خریدے گا۔ اس کو اٹھا کر پھینک دے اور یہ نہ دیکھے کہ کس نے اُٹھایا ہے پھر جس کا جی چاہے گا اُٹھا لے گا-"

2۔ **حضرت ابراہیم بن ادھمؒ** ایک بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ ایک دن انہوں نے دیکھا کہ چند اولیاء میدان تسلیم ورضا میں اپنے حال میں مستغرق ہیں، حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کو از راہِ باطن منکشف ہوا کہ ایک جہاز سمندر کے اندر مبتلائے طوفان ہے۔ اور باد مخالف کے سخت جھونکے ایسے لگتے ہیں کہ جہاز بس سمندر میں غرق ہونے والا ہے۔ اہلِ جہاز گریہ زاری کر رہے ہیں۔ اُن کی فریاد واویلا سے شورِ قیامت بر پا ہے۔ یہ کیفیت مشاہدہ کر کے حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کا دل بھر آیا۔ از راہِ باطن جہاز والوں کی مدد کی اور جہاز کو صحیح سلامت طوفان سے نکال دیا۔ اولیاء کرام باہم بولے کہ دیکھو یہ فضول حرکت ہم میں سے کس کی ہے؟ سب نے انکار کیا۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ بولے" حضرت مجھ کو ایسا رحم آیا کہ زیادہ صبر نہ کر سکا"۔ انہوں نے کہا" سنو سرکار کو تو خود اِس جہاز کا بچانا مقصود تھا۔ تم نے خواہ مخواہ اپنے ذمہ الزام لے لیا۔ تمہیں ہماری صحبت راس نہیں آئے گی"۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے"جواب دیا کہ جہاز کا بچانا بھی تو تقدیرِ الٰہی میں میری دُعا پر موقوف ہے۔ اِس لیے میں نے دُعا کر دی۔ ورنہ میں دُعا کہاں کرتا-"

3۔ **حضرت نجم الدین کبریٰؒ** کا ایک مرید تھا۔ جو خلیفہ بغداد کا پیر تھا۔ اُس نے ایک روز مجمع عام میں لوگوں نے کہا کہ "پیرِ کامل مرغی کی طرح ہوتا ہے۔ یعنی مرغی تلے جِس قسم کے انڈے رکھ دو وہ اُن کو سَہ کر بچے نکال دے گی۔ تیتر کے بچے جنگل میں اُڑ جائیں گے۔ مرغی کے خاک میں لوٹنے لگیں گے۔ بطخ کے دریا میں تیرنے لگیں گے۔ ہم بھی دریائے توحید میں غوطے لگاتے ہیں"۔ یہ ماجرا کسی نے حضرت نجم الدین کبریٰؒ کو بیان کر دیا کہ آپ کا فلاں مُرید آپ کو مُرغی سے تشبیہ دیتا ہے۔ اور ایسا کہتا ہے۔ یہ سُن کر حضرت نجم الدین کبریٰؒ مسکرائے اور کہا" وہ نالائق دریا میں ڈوبے گا"- وہ مرید چونکہ بادشاہ وقت کے پیر تھے۔ اِس لیے شاہی محلات میں اُن سے کچھ پردہ نہ تھا۔ بے تکلف چلے جایا کرتے تھے۔ اتفاقاً ایک دن تشریف لائے تو بادشاہ محل میں نہ تھا۔ یہ اُن کے پلنگ پر لیٹے اور سو گئے۔ ذرا دیر کے بعد ملکہ آئیں اور وہ بھی بادشاہ کے خیال میں اُن کے برابر لیٹنے لگیں کہ اچانک انہیں احساس ہو گیا کہ یہ تو پیر و مرشد ہیں۔ فوراً ہی اُٹھ گئیں۔ عین اُسی وقت بادشاہ دروازے میں داخل ہو گئے۔ ملکہ کو کھڑے ہوتے ہوئے دیکھ لیا، ملکہ محل میں چلی گئیں اور بادشاہ کے دل میں بدگمانی بھر گئی۔ جب بادشاہ پیر و مُرشد کے پاس آیا تو اُن کی آنکھ کھل گی۔ بادشاہ نے باہر جا کر ملاحوں کو حکم دیا کہ آج پیر و مُرشد کو دریا کی سیر پر لے جاؤ۔ اور اشارہ کر دیا کہ پیر و مرشد کو دریا میں ڈبو دینا۔ جب ملاحوں نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ انہوں نے پیر و مرشد کو دریا میں ڈبو دیا ہے۔ تو بادشاہ اندر محل میں داخل ہوا۔

محل میں آتے ہی ملکہ نے پیر و مرشد کا آنا اور کمبل اوڑھ کر سو جانا، اور اپنا وہاں پر جانا اور لیٹنے کے ارادے سے بیٹھنا سب کچھ بتا دیا۔ اب بادشاہ کو احساس ہو کہ اُس نے کتنی بڑی غلطی کر دی ہے۔ بادشاہ کو بڑا ملال ہوا کہ اُس نے کتنا بڑا ظلم کیا ہے۔ اُس نے سوچا کہ ناحق ڈبونے پر قصاص لازم ہے۔ یا خون بہا۔ یہ خیال کر کے بہت سا روپیہ لے کر اور ایک تھالی میں تلوار لے کر پیر و مرشد کے مرشد حضرت نجم الدین کبریٰؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت نجم الدین کبریٰؒ اُس وقت حالتِ استغراق میں تھے۔ بادشاہ نے تمام ماجرا کہہ سنایا اور عرض حال کے بعد مال و دولت روپیہ اور اشرفیاں اور شمشیر برہنہ سامنے رکھ دیئے اور کہا کہ یہ خون بہا بھی حاضر ہے اور سر بھی حاضر ہے۔ اب جو حکم ہو سرکار؟ حضرت نجم الدین کبریٰؒ نے جذب ہی کی حالت میں فرمایا" اچھا میرے اتنے اچھے مرید کو مار کر اب روپیہ اور اپنا سر لے آیا ہے۔ اُس کی اتنی ہی قدومنزلت ہے کیا؟ نہیں اُس کے خون بہا میں تو اول میرا سر، پھر تیرا سر، پھر جتنے اُس وقت کے اولیاء اللہ، سادات عظام اور علماء کرام تھے۔ ایک ایک کا نام لینا شروع کر دیا۔۔۔، اور پھر کہا کہ یہاں تک کہ فرید الدین عطارؒ کا سر۔۔۔۔ اور پھر بلغ۔۔۔۔ بلغ" زبان سے نکلا ہی تھا کہ قریب بیٹھے ہوئے ایک مرید نے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا، نہیں نہیں سرکار بغداد تو ہمارے ولیوں اور پیروں کا گھر ہے۔ اسے تباہ ہونے سے بچا لیجئے۔ اس کے ساتھ ہی حضرت نجم الدین کبریٰؒ خاموش ہو گئے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ چنگیز خان اور ہلاکو نے خروج کیا۔ پہلے حضرت نجم الدین کبریٰؒ کا سر کاٹا پھر بادشاہ وقت کا، ملک خراساں اور ایران کو بھی تہ تیغ کیا۔ اور نصف بغداد کو بھی قتل و غارت گری میں ختم کیا اور جب لشکر مغل نیشا پور کے قریب پہنچا تو فرید الدینؒ عطار نے اپنا پیالہ چوبین اوندھا کر دیا۔ تمام شہر لشکر کی نگاہ سے پوشیدہ ہو گیا۔ اور فوجی حیران ہو کر اپنے خیموں کو لوٹ گئے۔ اگلے روز چنگیز خان نے پھر لشکر روانہ کیا، لشکر پھر شام تک ٹکریں کھا کر واپس آ گیا۔ چنگیز خان نے کہا کہ "معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مردِ کامل (ولی) اِس شہر میں قتل ہونے سے رہ گیا ہے۔ خیر کل میں خود لشکر کا راہنما بنوں گا۔ پھر یا وہ نہیں یا میں نہیں"۔ چنانچہ اگلے روز اُس نے نیشا پور کا قصد کیا۔ اُدھر حضرت عطارؒ نے اپنا پیالہ اُٹھانا چاہا کہ حضرت خضر علیہ السلام آ پہنچے۔ اور حضرت فرید الدینؒ عطار کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ 'بس رہنے دیجئے اپنی کرامت، حکم سرکاری آپ کے قتل کے لیے جاری ہو چکا ہے۔ انہوں نے حیرت سے پوچھا میرا قصور کیا ہے؟ کہا قصور" اختیار، وہ شان جمالی تھی، یہ شان جلالی ہے۔ یہ کیا کہ میٹھا میٹھا ہپ ہپ اور کڑوا کڑوا تُھو"؟۔

اس کے بعد چنگیز خان کے لشکریوں نے حملہ کیا اور آپؒ کو شہید کر دیا۔

4۔ **شیخ ابوالحسن سعد الخیرؒ** کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ شیخ عبدالقادرؒ کی مجلس میں حاضر ہوا اور دیر سے آنے کی وجہ سے لوگوں کے پیچھے بیٹھ گیا۔ اس وقت آپؒ زہد کے موضوع پر تقریر فرما رہے تھے۔ میرے دل میں خواہش ہوئی کہ آپؒ معرفت کا بیان کریں۔ آپؒ نے یکا یک زہد کا بیان چھوڑا اور معرفت کا بیان شروع کر دیا۔ پھر میں نے دل میں خیال کیا کہ آپؒ شوق کے بارے میں کلام فرمائیں۔ آپؒ نے فوراً شوق کے موضوع پر تقریر شروع کر دی۔ اب میں نے چاہا کہ آپؒ فنا اور بقا کا مسئلہ بیان کریں۔ آپؒ نے وہ مسئلہ بیان کر دیا۔ پھر میرا دل چاہا کہ آپؒ محبت رسول خاتم النبیین ﷺ کے موضوع پر کچھ کہیں۔ آپؒ نے اس موضوع پر سیر حاصل تقریر کی۔ پھر میری طرف دیکھا اور بلند آواز سے ہاتھ اُٹھا کر کہا 'ابوالحسن' آج تیرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ میں فرط حیرت سے دم بخود رہ گیا اور عالم بے خودی میں مَیں نے اپنے کپڑے پھاڑ دیے۔

5۔ **شیخ ابوالقاسم عمر بن مسعودؒ** کا بیان ہے کہ شبِ جمعہ چاند رات رمضان المبارک میں آدھی رات کی وقت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنے مؤذن سے فرمایا کہ مینار پر چڑھ کر پہلی آذان دے دو۔ اُس نے حکم کی تعمیل کی پھر تھوڑی دیر کے بعد دوسرے پہر کے آغاز میں فرمایا۔ مینار پر چڑھ کر دوسری اذان دے دو۔ اُس نے حکم کی تعمیل کی۔ تھوڑی دیر کے بعد اُسے پھر فرمایا، سحری کی اذان دے دو، اُس نے حکم کی تعمیل کی۔ صبح کے وقت آپؒ کے خاص اصحاب نے اِس بات کا راز پوچھا تو فرمایا کہ:

''جس وقت میں نے پہلی اذان کا حکم دیا تھا اُس وقت عرش پر زبردست حرکت ہوئی تھی اور عرش کے نیچے سے ندا کرنے والے نے پکارا تھا''۔

"مقربین میں سے اخیار لوگوں کو چاہیے کہ وہ اُٹھ کھڑے ہوں"۔

جس وقت میں نے دوسری اذان کا حکم دیا تھا اُس وقت عرش پر پہلے سے ذرا کم حرکت ہوئی تھی اور منادی نے پکار کر کہا تھا کہ "اولیاء ابرار اٹھ کھڑے ہوں" اور جس وقت میں نے تیسری اذان کا حکم دیا تھا تو اُس وقت عرش سے پہلی دو حرکتوں کی نسبت کم حرکت ہوئی تھی اور عرش کے نیچے سے آواز آئی تھی۔ مغفرت طلب کرنے والے اُٹھ کھڑے ہوں۔ میں نے اذانوں سے پہلے مرتبے والوں کو آگاہ کیا کہ یہ تمہارے اُٹھنے کا وقت ہے۔ پھر دوسرے نمبر والوں کو متنبہ کیا کہ اُٹھو اب تمہارا وقت ہے اور آخیر میں تیسرے نمبر والوں کو ندا دی کہ اُٹھو تمہارا وقت ہے"۔

6۔ **حضرت نظام الدین اولیاؒ** کی مجلس واعظ آراستہ تھی آپؒ الہام اور 'خبر' کے موضوع پر واعظ فرما رہے تھے۔ جب واعظ ختم ہوا تو ایک مرید نے اپنی نشست پر کھڑے ہو کر عرض کیا۔ بہاؤالدین خالدؒ کہا کرتے تھے کہ وہ حضرت بابا فریدؒ کی خدمت میں گئے۔ انہیں شیخ کے دیدار کا بہت شوق تھا۔ اُس وقت بابا فرید اجودھن کی جامع مسجد میں تشریف فرما تھے۔ بہاؤالدین خالدؒ نے آگے جانے کی کوشش کی لیکن لوگوں نے انہیں راستہ نہ دیا مجبوراً وہ محراب کے سامنے بیٹھ گئے۔ محراب میں ایک شگاف تھا۔ اچانک بہاؤالدین خالدؒ کی نظر کاغذ کے ایک ٹکڑے پر پڑی، کاغذ پر تحریر تھا۔ "خالد کو فرید کی طرف سے سلام پہنچے"۔

یہ واقعہ سُن کر دوسرے مُرید نے کہا، حضرت یہ کاغذ کوئی لکھتا ہے یا بارگاہِ الٰہی سے آتا ہے؟ حضرت نظام الدین اولیاؒ نے کہا، ہاں ایک فرشتہ ہے جب وہ نقش دل پر لکھتا ہے تو الہام ہو جاتا ہے۔ مُرید نے کہا کہ کیا یہ کاغذ بھی وہ ہی تحریر کرتا ہے؟ اس پر حضرت نظام الدین اولیا مسکرائے اور فرمایا' کہ اُس کے تین کام ہیں

(1) ایک یہ کہ دل میں کسی بات کا خیال لاتا ہے۔ (2) دوسرے یہ کہ ہاتف غیب سے آواز دیتا ہے۔ (3) تیسرہ یہ کہ کاغذ پر لکھ کر ظاہر کرتا ہے۔

اولیاء صرف نقش کو دیکھتے ہیں نقاش کو نہیں۔ مگر انبیاء کرام نقش کو بھی دیکھتے ہیں اور نقاش کو بھی۔ جس وقت نقش ظاہر ہو اور دل میں نُور پیدا ہو تو وہ رحمانی ہے۔ جسے فرشتے نے تحریر کیا ہے۔ اور اگر دل میں تاریکی پیدا ہو تو یہ شیطانی ہے۔ کیونکہ شیطان بھی دل میں القاء کرتا ہے۔

7۔ کسی بہت کمزور بدو کو طواف کرتے ہوئے دیکھ کر حضرت ذوالنوں مصریؒ نے فرمایا:

" کیا تو اللہ کا محبوب ہے"؟ اُس نے اثبات سے سر ہلا دیا۔

پھر پوچھا، "وہ محبوب تجھ سے قریب ہے یا دُور"؟ اُس نے جواب دیا" قریب ہےؒ۔ پھر سوال کیا وہ تجھ سے موافقت کرتا ہے یا ناموافقت؟ اُس نے جواب دیا" موافقت کرتا ہے" حضرت ذوالنوں مصریؒ نے کہا'' جب تو خُدا کا محبوب بھی ہے۔ وہ تیرے قریب بھی ہے۔ وہ تجھ سے موافقت بھی کرتا ہے۔ تو اِس قدر کمزور کیوں ہے"؟ اُس نے جواب دیا" دُور رہنے والوں کے عذاب کی نسبت سے وہ لوگ زیادہ حیران اور سرگرداں رہتے ہیں، جنہیں قُرب نصیب ہوتا ہے۔"

8۔ حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کے پاس محمود غزنوی گیا اور کہا، حضرت! حضرت بایزید بسطامیؒ کی کوئی بات سُنایئے۔ فرمایا اُن کا کہنا تھا۔" جو مجھے دیکھ لے جہنمی نہیں ہو سکتا"۔ محمود غزنوی نے کہا، حضور کیا وہ سرکار نامدار حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ سے بھی بڑھ کر تھے۔ کیونکہ ابولہب نے آپ خاتم النبیین ﷺ کو دیکھا لیکن پھر بھی جہنمی

رہا۔اس پر حضرت ابوالحسن خرقانیؒ جلال میں آ گئے اور فرمایا محمود خاموش۔۔۔ہوش کر۔۔۔ابولہب نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو بھتیجے کی حیثیت سے دیکھا تھا۔نبی کی حیثیت سے نہیں۔نبی خاتم النبیین ﷺ کی حیثیت سے دیکھا ہوتا تو شقی القلب نہ رہتا۔محمود غزنوی خاموش ہو گیا پھر جب جانے لگا تو حضرت نے محمود غزنوی کو اپنا خرقہ دیا۔اور دروازے تک چھوڑنے کے لیے آئے ،فرمایا کہ جب تو آیا تھا تو تیرے اندر شاہی غرور تھا۔اس لیے میں نے تجھ پر کچھ توجہ نہ دی تھی۔اب تُو جا رہا ہے۔تو تیرے اندر عجز پیدا ہو گیا ہے۔اس لیے میں نے یہ سلوک تیرے ساتھ کیا ہے۔سومنات کی جنگ میں جب محمود غزنوی کو شکست ہو رہی تھی تو خرقہ ابوالحسن کا پہن کر دعا کی ،جنگ کا نقشہ پلٹ گیا اور فتح نصیب ہوگئی۔

9۔ ایک مرتبہ حضرت بایزید بسطامیؒ کسی جگہ سے گُزر رہے تھے۔راستے میں ایک کُتا گُزر رہا تھا۔حضرت نے اپنے کپڑے اُس سے بچائے۔کُتے نے آپؒ کی طرف دیکھا اور کہا "اے بایزید یہ تونے اپنے کپڑے مجھ سے کیوں سمیٹے ہیں کیونکہ میں تو گیلا نہیں تھا۔اور اگر میں گیلا ہوتا تو تُو اپنے کپڑے پاک کر سکتا تھا۔لیکن یہ جس تکبر کا مظاہرہ تونے کیا ہے سات سمندر کا پانی بھی اُسے نہیں دھو سکتا"۔آپؒ نے فرمایا" تو ٹھیک کہتا ہے،اصل میں تیرا ظاہر نجس ہے اور میرا باطن۔چل کچھ عرصے دونوں ساتھ رہتے ہیں تا کہ میں تجھ سے کچھ سیکھ لوں"۔اُس کتے نے جواب دیا" میں تمہارے ساتھ کیسے رہ سکتا ہوں؟۔میں تو اپنے لیے ایک وقت کی روٹی بھی بچا کر نہیں رکھتا۔اور تمہارے پاس تو ایک سال کا غلہ جمع ہے۔یہ کہہ کر کتا چلتا بنا۔حضرت بایزید بسطامیؒ نے کہا'' تف ہے بایزید تجھ پر تجھ کو ایک کتا تو اپنے ساتھ رکھنے کو تیار نہیں ہے اور تو قُربِ الٰہی تلاش کرتا پھرتا ہے''۔

10۔ ایک مرتبہ بایزید بسطامیؒ اپنے ارادت مندوں کے ساتھ کہیں سے گُزر رہے تھے راستے میں ایک کتا گزر رہا تھا۔گلی تنگ تھی،حضرت بایزیدؒ نے فوراً راستہ چھوڑ دیا اور ایک طرف کھڑے ہو گئے،کتا گزر گیا ارادت مندوں میں سے ایک نے سوال کیا،حضرت آپ نے تو اتنے احترام سے اِس کتے کا راستہ چھوڑا ہے جیسے یہ ہم سے اشرف ہے،حالانکہ انسان تو اشرف المخلوقات ہے؟ حضرت بایزید بسطامیؒ نے جواب دیا،"اُس کتے نے میری طرف دیکھا تو کہا (مجھ سے سوال کیا)''اے بایزید یہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے تجھے سلطان العارفین اور مجھے کتا کیوں لکھ دیا؟ اُس وقت تیرا کیا کمال تھا؟ اور میرا کیا قصور تھا؟ چنانچہ اِس خیال سے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں مجھ پر کتنا بڑا اکرم کیا ہے میں نے کتے کا راستہ چھوڑ دیا"۔

<u>11۔ فقیر کسی سے حاجت طلب نہیں کرتا:-</u> ایک فقیر(درویش) آبادی سے دور جنگل میں چلا گیا۔گوشہ نشینی اختیار کی اور عبادت میں مصروف رہتا ہے۔ایک دن وہ عبادت میں مصروف تھا کہ ایک بادشاہ کا گزر اُس کے پاس سے ہوا۔بادشاہ اور وزیر گھوڑوں پر سوار تھے۔یہ پاس سے گزرے اور درویش نے بالکل توجہ نہ دی وہ اپنی عبادت ہی میں مصروف رہا۔بادشاہ نے جب درویش کی یہ لاپرواہی دیکھی تو وزیر سے کہا" یہ گدڑی پوش جانوروں کی طرح ہوتے ہیں۔ان کے پاس نہ عقل ہوتی ہے نہ انسانیت"۔ وزیر درویش کے پاس آیا اور کہا" مردِ خدا اس ملک کا بادشاہ تیرے پاس سے گزرا اور تو نے کوئی توجہ نہ کی۔تجھے چاہیے تھا کہ تو آداب شاہی بجا لاتا"۔درویش نے کہا" جاؤ اپنے بادشاہ سے کہہ دو کہ خدمت اور آداب بجا لانے کی توقع اُن سے کرے جِسے اُس سے کوئی لالچ ہو۔اور ہاں اپنے بادشاہ کو یہ بھی بتا دے کہ بادشاہ رعایا کی نگہبانی کے لیئے ہوتا ہے۔نہ کہ رعایا بادشاہ کی نگہبانی کے لیئے۔بھیڑ چرواہے کے لیئے نہیں بلکہ چرواہا ریوڑ کے لیئے ہوتا ہے۔اِس دنیا کی زندگی تھوڑے ہی دنوں کی ہے۔تو دیکھ لے گا کہ ظالم کے سر کے مغز کو مٹی کھا گئی ہے۔اِس مغز کو آج استعمال کر لے۔کل بادشاہی اور غلامی کا فرق مٹ جائے گا۔اگر کوئی قبر کو کھود کر دیکھے تو بکھرے ہوئے اعضاء اور مٹی کے علاوہ کچھ نہ پائے گا۔وہاں تُو امیری اور غریبی،بادشاہی اور غلامی میں کوئی فرق نہیں پائے گا''۔ بادشاہ یہ تمام باتیں سن رہا تھا۔اس کو یہ گفتگو بھلی لگی۔وہ فقیر کے قریب آیا اور کہا:"اے درویش مجھ سے کچھ مانگ"۔فقیر نے کہا" میں آپ سے یہ مانگتا ہوں کہ آپ دوبارہ میرے پاس آ کر مجھے تکلیف نہ دیں"۔بادشاہ نے نہایت ہی عاجزی سے کہا" مجھے نصیحت کریں"؟ فقیر نے کہا کہ "اے بادشاہ! ابھی تیرے ہاتھ میں اللہ کی نعمتیں ہیں۔ان سے فائدہ اٹھا لے کہ یہ دولت اور عزت ہاتھوں ہاتھ چلتی رہتی ہے اور یاد رکھ درویشی دنیا،ہوس اور شہوت چھوڑنے کا نام ہے۔یہ گدڑی پہننے کا نام نہیں ہے۔بلکہ یہ دل کے میل کو صاف کرنے کا نام ہے"۔

<u>12۔ فقیر ہر لحہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے:-</u> ملک مصر کا وزیر اپنے وقت کے فقیر حضرت ذوالنون مصریؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔اور عرض کی" میرے لیئے دعا کریں کیونکہ میں بادشاہ سلامت کی خدمت میں دن رات رہتا ہوں۔ان سے بھلائی کی اُمید رکھتا ہوں مگر اس کے غصّے سے ہر وقت خوف زدہ رہتا ہوں"۔یہ سن کر آپ رو پڑے اور فرمایا" اگر میں اللہ سے ایسا ڈروں جیسا تو بادشاہ سلامت سے ڈرتا ہے تو میرا شمار صدیقوں میں سے ہو"۔

13۔ فقر اور یاد الٰہی:-ایک بادشاہ نے درویش کو دیکھا تو اس سے کہا" تمہیں کبھی ہماری بھی یاد آتی ہے"؟ درویش نے جواب دیا"ہاں، اس وقت جب میں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہوجاتا ہوں۔اے بادشاہ اللہ کی تائید جسے حاصل ہوجائے وہ دنیاداروں کو یاد نہیں کرتا"۔ پھر کہا"اے بادشاہ! ایک مرتبہ ایک نیک اور پارسا آدمی نے ایک خواب دیکھا کہ اس کے ملک کا بادشاہ جنت میں ہے۔اور ایک درویش دوزخ میں ہے"۔اُس پر اس نے سوال کیا"اے درویش! اس کا کیا سبب ہے"؟۔غیب سے صدا آئی!"بادشاہ تو فقیروں کی عقیدت کی وجہ سے جنت میں چلا گیا۔اور درویش بادشاہوں کے تقرب کی وجہ سے جہنم میں ہے"۔

14۔ فقر صبر اور رضا کا لباس ہے:- چند لوگوں کی ایک جماعت ایک درویش کی مخالفت پر آ گئی۔اسے مارا پیٹا اور بہت اذیت دی۔وہ فقیر اپنی بے بسی اور کمزوری کی شکایت لے کر اپنے پیر طریقت کے پاس گیا۔اور ان کو پورا ماجرہ کہہ سنایا۔پیر نے اس کی کہانی سن کر کہا"اے بیٹے فقیروں کی گدڑی صبر اور رضا کا لباس ہوتی ہے۔جو اس کو پہن کر لوگوں کی شکایت کرے وہ تو دکھاوے کا درویش ہے کہ میں فقیر ہوں۔ایسا سوچنے والے پر اس گدڑی کو پہننا حرام ہے اگر تجھے کوئی رنج پہنچا ہے تو برداشت کر کیونکہ معاف کر کے تو گناہ سے پاک ہوجائے گا۔تیرا انجام خاک ہے تو کیا ہی بہتر ہو کہ خاک بننے سے پہلے تو خاک ہوجائے"۔(یعنی اپنی مَیں کو مار دے)

15۔ فقیر کون اور امیر کون؟ ایک بادشاہ فقیروں کے طبقے کو(درویشوں کو) نفرت اور حقارت سے دیکھتا تھا۔ایک درویش بادشاہ کی اس حرکت کو بھانپ گیا اور اس نے بادشاہ سے کہا"جہاں پناہ ہم دنیا کے عیش میں آپ سے بڑھ کر ہیں اور لشکر اور فوج میں آپ سے کمتر ہیں۔اور مرنے میں برابر ہیں۔اور انشاء اللہ بروزِ قیامت ہم آپ سے بہتر ہوں گے۔یاد رکھیں کہ اس جہان فانی سے جاتے ہوئے دنیا کی چیزوں میں سے ہم دونوں کفن سے زیادہ کچھ نہ لے کر جائیں گے۔تجھے اس بادشاہی سے کفن میں آنا پڑے گا۔اور ہمیں گدڑی سے کفن میں۔پھر تیری اس بادشاہی سے تو فقیری اچھی! کیونکہ اس وقت فقیر کے ساتھ زندہ دل اور مرا ہوا نفس ہوگا۔اور آپ کے پاس زندہ نفس اور مردہ دل، اب بتائیے کہ ہم دونوں میں سے کون اچھا ہے"؟

16۔ فقیر کی بصیرت: دمشق کی جامع مسجد کے اندر حضرت یحییٰ علیہ السلام کا روضہ انور ہے۔ایک درویش ان کی قبر کے سرہانے اعتکاف میں بیٹھا تھا کہ عرب کا ایک بادشاہ وہاں آیا۔وہ بادشاہ اپنی بے انصافی اور ظلم کی وجہ سے مشہور تھا۔اس نے مسجد میں نماز پڑھی۔بعد ازاں وہ اس درویش کے پاس آیا اور کہا" آپ درویش ہیں؟ درویش اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہوتے ہیں۔آپ میری طرف توجہ فرمائیں میں اپنے ایک زبردست دشمن کی وجہ سے بے حد پریشان ہوں"-درویش نے بادشاہ کی طرف دیکھا اور کہا"اے بادشاہ! جو گرے ہوئے پر رحم نہیں کھاتا اگر وہ گر جائے تو دوسرے اس پر رحم نہیں کرتے۔اور جو بدی کا بیج بوتا ہے اسے دوسروں سے نیکی کی اُمید نہیں کرنی چاہیے۔آج اگر تم دوسروں سے انصاف نہیں کرتے تو کل بروزِ قیامت انصاف کرنے والے اللہ سے کوئی امید نہ رکھنا، اگر تم دوسروں کے غم اور تکلیف سے بےغم ہو تو تم اس قابل نہیں کہ تمہیں آدم زاد کہا جائے"-بادشاہ نے یہ باتیں سن کر گردن جھکا لی اور خاموشی سے اٹھ کر چلا گیا۔

راہ فقر میں سب سے بڑا اصول محبت ہے۔پھر آداب گفتگو پھر عاجزی اور انکساری---اِس راہ میں منزل کیسے طے ہوتی ہے؟ مختصر ترین الفاظ میں یہ ہے کہ کسی اللہ کے دوست نے دیکھ لیا تو ابتدا ہوگئی اور دل میں رکھ لیا تو انتہا ہوگئی۔اَب دیکھنے سے دل میں رکھنے کا یہ فاصلہ خواہ ایک آن واحد میں طے ہو جائے یا زندگی بھر طے نہ ہو۔

جو اولیاءاللہ سے محبت کرتا ہے۔اُن کی صحبت اختیار کرتا ہے۔جو صحبت میں رہتا ہے۔نظر میں رہتا ہے۔جو نظر میں رہتا ہے۔خیال میں رہتا ہے۔جو خیال میں رہتا ہے تو اولیاءاللہ کا خیال تو ناسوت سے لاہوت تک سفر کرتا ہے۔اِس لیئے اہل دل کی محبت ناسوتی ہے جو زبان پر بولتی ہے۔اولیاءاللہ کی محبت اللہ کی محبت ہے جو دلوں میں گھس کر بولتی ہے۔جِس محبت میں سلیقہ اور ضبط نہیں وہ جنون ہے۔جِس محبت میں سلیقہ اور ضبط ہے وہ منزل ہے۔

جو بقا کا متلاشی ہو اور"فنا"(دنیا) کی طرف رجوع بھی رہے تو راہ فقر میں اُسے منافق کہتے ہیں۔راہ فقر میں اپنی باگ دوڑ شیخ کے ہاتھ میں دینی پڑتی ہے۔خود سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔اِس کے ساتھ ساتھ صبر و شکر کا توشہ بھی ساتھ لینا ہوتا ہے تب کہیں جا کر منزل طے ہوتی ہے۔

****

خانقاہی نظام

خانقاہیں رشد و ہدایت کا ذریعہ ہوتی ہیں۔ یہاں شیخ یا پیر کی صحبت میں رہ کر مریدین تربیت پاتے ہیں۔لیکن فی زمانہ خانقاہی نظام بالکل بے اثر ہو گیا ہے۔ یہ اس لیے غیر موثر ہو گیا ہے کہ اس کو چلانے والے چلے گئے۔ ہمارے ہاں خانقاہوں کا تصور اب یہ رہ گیا ہے کہ جیسے افسر کا انتقال ہو جائے تو اُس کی پنشن اُس کے گھر والے لینے لگیں۔ جب یہ نظام پنشن میں تبدیل ہو جائے تو خیر کی توقع کیوں رکھی جا سکتی ہے؟ جنہیں وراثت میں پیری مل جائے انہیں اپنے بزرگوں کا نام کیش کرانے اور خاندان میں سجادہ نشین ہونے والے دعویداروں سے لڑنے سے ہی فرصت نہیں ملتی۔ کم از کم اتباع رسول خاتم النبیین ﷺ تو ہو۔

آج کل خانقاہوں سے رشد و ہدایت کا سلسلہ اِس لیے بند ہو گیا ہے۔ کہ پیر کے انتقال کے بعد اُس کے بیٹے کی دستار بندی کر دی جاتی ہے۔ نہ علم، نہ نماز، نہ داڑھی نہ تقویٰ نہ شریعت نہ راہ سلوک اور نہ تصوف یا راہ طریقت کی منازل۔

ظاہر ہے ایسا شیخ مریدوں کی تربیت نہیں کرتا بلکہ مرید اُس کی پرورش کرتے ہیں۔ ایک دور تھا کہ مرید شیخ کے جتنا قریب ہوتا تھا اتنا ہی شیخ کے اوصاف اُس پر واضح ہوتے جاتے تھے۔ یعنی شیخ تہجد گزار ہے، شب بیدار ہے، باعمل اور ریاضت اور مجاہدہ کرتا ہے۔ اِس سے اُس مرید کے دل میں اپنے شیخ کے لیے عقیدت اور محبت راسخ ہوتی جاتی تھی۔ آج مرید شیخ کے جتنا قریب ہوگا اتنا ہی اُس کے عیب زیادہ کھلتے ہیں۔ اور اتنا ہی اس نظام سے اور اپنے شیخ سے متنفر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب خانقاہی نظام کھانے اور کمانے کا دھندا بن جائیں تو پھر اصلاح کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ نیک اور مخلص لوگ بھی ہیں۔لیکن بُرے لوگوں کی کثرت نے خانقاہی نظام کو تباہ اور برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ سیدنا غوث اعظمؒ فرماتے ہیں۔

'پہلے اپنے نفس کو نصیحت کر پھر غیر کو جب تک تجھے خود اصلاح کی حاجت ہو تو غیر کی طرف متوجہ نہ ہو'

افسوس جو خود نابینا ہے وہ دوسروں کو کیا راہ دکھائے گا؟ ڈوبتے ہوئے کو دریا سے وہی بچا سکتا ہے جو خود اچھا تیرنے والا ہو۔ رب تعالیٰ کی طرف بندوں کی رہنمائی وہی کر سکتا ہے جو خود اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہو۔ شیخ دوسروں کو اللہ تعالیٰ پر توکل کی تعلیم دیتا ہے۔ اور خود اِس کا عملی ثبوت دیتا ہے۔ پہلے مشائخ خدمت کیا کرتے تھے اور اُن کی ضروریات دست غیب سے پوری ہوتی رہتیں تھیں۔ کیونکہ وہ قناعت پسند اور متوکل تھے۔ اور اُن کی ضرورتیں محدود تھیں لیکن آج کل قناعت اور توکل نہ ہونے اور مال و دولت جمع کرنے کی ہوس بڑھ گئی ہے۔ اِس لیے برکت بھی ختم ہو گئی ہے۔ اور سکون قلب بھی جاتا رہا ہے۔ پھر مریدین کے پاس روحانیت کہاں سے آئے گی؟ یہی وجہ ہے کہ خانقاہی نظام آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے۔

اہل طریقت کا پہلا قدم ایثار ہوتا ہے۔ دوسرا محبت، تیسرا مشاہدہ۔ چوتھا فنا اور پانچواں مقام بقا ہے۔ خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں ایثار کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔ جو ایثار کے مالک ہیں درحقیقت وہی اہل محبت ہیں۔ اہل محبت رازداں ہوتے ہیں۔ انہیں مشاہدہ غیبی حاصل ہوتا ہے۔ وہ حق الیقینی کا مالک ہوتا ہے۔ اور وہی مقام "فنا" میں قدم رکھ سکتا ہے۔ جس نے "فنا" کی لذت چکھی وہی بقا کا مالک ہوا۔

خانقاہی نظام میں مرشد حضرات کا سب سے بڑا کام مردہ قلوب کو زندہ کر کے حیات ابدی دلانا ہوتا ہے۔ جو شخص خود کو مریض سمجھتا ہے۔ وہ طبیب کا متلاشی ہوتا ہے۔ اور ایسے شخص کو طبیب مِل جاتا ہے۔ جو خود کو تندرست سمجھتا ہے تو طبیب بھی اُس کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ جو خود کو سقراط سمجھے اُس کو کون پڑھائے گا؟ فی زمانہ سارے ہی سقراط بنے بیٹھے ہیں۔ اولیاءاللہ کی صحبتیں چند ماہ کی ہوتی ہیں۔لیکن یہ انسان کو بدل کر رکھ دیتی ہیں۔ ان کی محفل میں توجہ نا سوتی سے باتوں ہی باتوں میں قلب کی صفائی کر دی جاتی ہے۔ ہر شے کا نعم البدل ہے لیکن اولیاء اللہ کی صحبت کا کوئی نعم البدل نہیں اور اِس سے آسان کوئی مجاہدہ نہیں۔ ساری عمر کے آرام کے لیئے چند برسوں کی سختی اچھی ہے۔ منزل میں دیر کیوں لگتی ہے؟ **منزل کا دارومدار فنافی الشیخ ہونے پر ہے۔ جو جتنی دیر سے یہ منزل طے کرے گا اتنی ہی دیر سے اپنی مراد کو پہنچے گا۔**

****

لطائف کیا ہیں؟ لطیفہ سے کیا مراد ہے؟

لطائف لطیفہ کی جمع ہے جس کا مطلب ہے ایسی باتیں جن کا انسانی حواس ادراک نہ کرسکے۔ یہ تصوف کی ایک اصطلاح ہے۔لطیف کا مطلب ہے ہلکا - جب انسانی روح جسم میں آتی ہے تو اس کے ساتھ ہی اس کے کچھ معاون بھی جسم کے اندر ڈال دیے جاتے ہیں جن کو لطائف کہتے ہیں-جس طرح روح نظر نہیں آتی اسی طرح یہ لطائف بھی نظر نہیں آتے - یہی لطائف وسیلہ علم وعقل اور باریابی (رسائی -پہنچ) انوار مولا ہوتے ہیں- باطن میں ان لطائف کے الگ الگ ذکر اور الگ الگ مراتب ہیں-

جسم اور روح کا وزن کیا جائے تو جسم بھاری اور روح لطیف یعنی ہلکی ہوگی۔ایک مرتے ہوئے انسان کے جسم کا وزن کیا گیا اور نوٹ کرلیا گیا۔پھر جب وہ مرگیا یعنی روح اس میں سے نکل گئی پھر وزن کیا گیا وزن میں کمی تھی لیکن کم۔۔۔ یہ وزن کی کمی اصل میں روح کا وزن ہے۔جسم زیادہ وزن رکھتا ہے اس لئے کہ یہ کثیف ہے۔روح لطیف ہے یعنی بھاری چیز کثیف ہے اور کثیف کی ضد لطیف ہے۔

انسان دس عناصر کا مرکب ہے۔ پانچ کا تعلق جسم سے اور پانچ کا تعلق روح سے ہے۔جسم کثیف اور روح لطیف ہے۔جسم روح کے اوپر ایک لباس ہے۔اس دنیا کو جس میں ہم رہتے ہیں یعنی عالم ناسوت یا عالم اجسام بھی کہتے ہیں۔اس عالم کو عالم شہادت بھی کہا جاتا ہے اس عالم میں رہنے کے لئے یہ جسم پانچ چیزوں کے مرکب سے مل کر بنا ہوا ہے۔

1- نفس 2- آگ 3- ہوا 4- پانی 5- مٹی

یہ پانچ عناصر جسم کثیف بناتے ہیں۔

اسی طرح روح کے بھی پانچ عناصر ہیں، یہ اس کے اوپر پانچ لباس ہیں۔

1- قلب 2- روح 3- سِر 4- خفی 5- اخفی

ان کو لطائف بھی کہتے ہیں-

ہر لطیفہ سے پہلے ہم لطیفہ قلب، لطیفہ روح، لطیفہ سر، لطیفہ خفی، لطیفہ اخفی وغیرہ لگاتے ہیں۔ ہر لطیفے کا ذکر الگ ہے۔جب بھی ہم لطیفہ پر نگاہ رکھتے ہوئے ذکر کرتے ہیں تو اس وقت ہماری روح ہمارے جسم کے اندر ہی ہوتی ہے۔

جب نفس انسان کے جسم میں آتا ہے تو اپنے ساتھ پانچ بُرائیاں بھی لے کر آتا ہے اور ان لطائف کے ہمسایہ کردیتا ہے۔

(i) لطیفہ قلب کے ساتھ شہوت
(ii) لطیفہ روح کے ساتھ غصّہ اور غضب
(iii) لطیفہ سر کے ساتھ حرص
(iv) لطیفہ خفی کے ساتھ حسد وبخل
(v) لطیفہ اخفی کے ساتھ تکبر وفخر

یہ برائیاں انسان کے باطنی لشکر کو گمراہ کر کے اپنے کنٹرول میں کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہیں- جب نفس ناری غذا لے کر قوی ہوجاتا ہے تو برائی کا امر کرتا ہے (حکم دیتا ہے) اِس نفس کو نفسِ امارہ کہتے ہیں۔

ہماری روح لطیف ہے بے حد لطیف---لیکن ہمارے گناہوں کی وجہ سے یہ کثیف ہوجاتی ہے۔ جب ہم لطائف کا ذکر کرتے ہیں تو ہماری روح کی دھلائی شروع ہوجاتی ہے اور وہ دوبارہ ہلکی ہونا شروع ہوجاتی ہے۔ کیونکہ اس کی اصل تو بہت لطیف ہے۔ جب آئی تھی تو گناہوں سے بالکل پاک تھی اس لیے ہلکی تھی۔ جب روح لطیف ہونا شروع ہوئی تو جسم اس سے محروم نہیں رہتا-اس لئے اگر انسان مراقبہ میں ہے تب تو محسوس ہوگا ہی، لیکن مراقبہ میں نہیں بھی ہوگا تو اس کو اپنا پورا وجود ہی ہلکا محسوس ہوگا۔
اس کو ایک مثال سے سمجھتے ہیں جب ہم سوتے ہیں تو خواب میں ہم اڑتے چلے جارہے ہوتے ہیں اور ہوا میں اپنے آپ کو ہم بہت ہلکا محسوس کرتے ہیں۔علماء کرام اس خواب کی ہلکی پھلکی روح کو سیرانی روح سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ نیند کے بعد جسم سے نکل کر مختلف جگہوں پر مثلاً مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ کی سیر آرام سے کرلیتی ہیں لیکن اس کا تعلق جسم سے برقرار رہتا ہے۔اگر کسی نے جسم کو ہاتھ لگایا ادھر یہ روح سینکڑوں میل سے واپس اپنے بدن میں آگئی۔
تو ذکر الٰہی کی وجہ سے ہماری روح اپنی اصلی حالت (لطیف حالت) کی طرف لوٹنے لگتی ہے اور دنیا کے گناہوں کی کثافت اس سے دور ہونے لگتی ہے۔ جب ہم اذکار لطیفہ کے ذکر کے ساتھ کرتے ہیں جیسے لطیفہ قلب، لطیفہ روح، لطیفہ نفس، لطیفہ سر، لطیفہ خفی۔تو یہ تمام لطائف ہلکے سے ہلکے ہوتے رہتے ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ جسم بھی ہلکا ہوتا

رہتا ہے۔

لطائف انسانی جسم میں اعضائے رئیسہ کی طرح ہوتے ہیں اگر اعضائے رئیسہ درست ہوں اور ٹھیک عمل کریں تو پورا جسمانی نظام درست رہتا ہے۔ اس لیے ڈاکٹر ہمیشہ اعضائے رئیسہ کی اصلاح کی فکر کرتے ہیں۔

پہلا لطیفہ قلب :

راہ سلوک یا راہ تصوف میں پہلا قدم جو باطن کی طرف اٹھاتے ہیں وہ یہ ہے کہ لطیفہ قلب سے سفر کا آغاز کرنا ہے- یہاں قلب سے مراد گوشت کا وہ ٹکڑا نہیں جو ہمارے جسم میں خون کو پمپ کرتا ہے۔ لطیفہ قلب کا پوائنٹ بائیں جانب پاستان سے دو انگلی نیچے بائیں طرف کا ایریا ہے۔ یہ نوری قلب کہلاتا ہے- یعنی لطیفہ قلب وہ مقام ہے جہاں سے اللہ کا نور ہمارے اندر داخل ہوتا ہے اور اسی کی صفائی سے باطنی پاکیزگی ملتی ہے اور انسان اللہ کی طرف پہلا قدم اٹھاتا ہے۔ یہ مقام دافع شہوت اور دافع غفلت ہے۔ اس کو قلب نوری بھی کہتے ہیں۔ یہ دراصل ہمارے جسم کے اوپر پوائنٹ نہیں ہے بلکہ ہماری روح کے اوپر پوائنٹ ہے۔ اس پوائنٹ کو قلب کیوں کہا جاتا ہے؟ اس لیے کہ جو ہمارے جسم میں خون کا لوتھڑا ہے یعنی جو خون کو پمپ کرتا ہے یہ پوائنٹ اس کے بالکل قریب ہے۔ اور اس کے قریب ہونے کی وجہ سے اس کو لطیفہ قلب یا قلب نوری کا نام دیتے ہیں۔ قلب نوری پر جب نور و تجلیات کا ظہور ہوتا ہے تو عام قلب (جو خون بنا رہا ہوتا ہے) پر بھی اس نور کا اثر ہوتا ہے۔ اور پھر وہ نوری خون جسم کے تمام حصوں میں جا رہا ہوتا ہے۔

یعنی پہلا لطیفہ قلب ہے اس لئے سب سے پہلے اس کی اصلاح کی جاتی ہے۔ جسم انسانی میں میل کی تہیں جم جائیں تو مسام بند ہو جاتے ہیں اور جسم بیمار ہو جاتا ہے۔ گندے ماحول ، ناقص تعلیم ، غلط تربیت اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے کرتے دل پر بھی میل کی تہہ جم جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی نشاندہی فرمائی ہے یعنی: (سورۃ المطففین ،آیت نمبر 14) كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ

ترجمہ : " یعنی اللہ تعالیٰ کی مسلسل نافرمانی سے ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے" ۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا قول ہے: "ہر چیز کو چمکانے کیلئے کوئی نہ کوئی چیز ہوتی ہے لیکن دلوں کو ذکر الٰہی سے ہی چمکایا جا سکتا ہے۔"

روح کو قرب الٰہی کی طرف بڑھانا ، اعمال صالح کا کام ہے اور لطیفہ قلب کے راسخ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان میں اعمال صالح کی رغبت اور فکر پیدا ہو جائے اور توجہ اللہ کی طرف لگی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک سورۃ الشعراء، آیت نمبر 89-87 میں فرمایا:

ترجمہ ": اور جس دن سب زندہ ہو کر آئیں گے۔ جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد۔ ہاں جو اللہ کے پاس قلب سلیم لے کر آئے گا"۔

قلب سلیم اس دل کو کہتے ہیں جو بیمار نہ ہو۔ دل کی سب سے بڑی بیماری کفر و شرک ہے۔ اس بیماری کے ہوتے ہوئے نجات ممکن نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کفار کے بارے میں فرمایا :(سورۃ البقرۃ،آیت نمبر 10) فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَض ترجمہ:"ان کے دل میں بیماری ہے" -

ظاہر ہے کہ یہ بیماری کفر اور شرک ہے۔ مگر دل کی چھوٹی چھوٹی بیماریاں بے شمار ہیں۔ کسی بیماری سے دل پر میل آ جاتا ہے۔ کسی بیماری سے دل بسمل ہو جاتا ہے۔ کسی بیماری سے دل پھر جاتا ہے۔ ان تمام بیماریوں سے نجات پانے کے لئے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ذکر الٰہی تجویز فرمایا ہے۔ لطائف کے سلسلے میں ایک بات پڑھنے اور سننے میں آتی ہے مثلاً جب لطیفہ قلب کروایا جاتا ہے تو کہتے ہیں '' زیر قدم حضرت آدم علیہ السلام''۔

اہل فن اس کا مفہوم یہ بتاتے ہیں کہ اس لطیفہ میں یعنی لطیفہ قلب میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا فیض بلواسطہ حضرت آدمؑ سے پہنچتا ہے۔ اصل فیض حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ہی ہے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ ہی پوری کائنات کے لئے شمس تاباں اور سراج منیر ہیں۔ تمام انبیاء کرام سے ان کی امتوں کو جو فیض پہنچا ، وہ اصل میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ ہی کا فیض تھا۔ اپنے اپنے دور میں انبیاء اکرام آئے اور اس فیض کو پہنچانے کے لئے واسطے کا کام انجام دیا۔ تمام انبیاء اپنے اپنے دور میں خیر البشر تھے اور انسان کامل بھی ہیں مگر کوئی ایک بات خصوصیت سے ان سب کی سیرت مبارکہ میں ممتاز نظر آئی ہے۔ اسے ان کی خصوصیت کہیں یا ممتاز پہلو کہیں۔ بہر حال ایسا معلوم ہوتا ہے۔

تو زیر قدم حضرت آدمؑ سے مراد حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے فیض کا وہ پہلو جو حضرت آدمؑ کی امتیازی خصوصیت ہے۔ سالک کو اس سے حصہ ملتا ہے۔ حضرت آدمؑ کی سیرت طیبہ میں ایک چیز سامنے آتی ہے کہ آپؑ سے ایک لغزش ہوگئی '' فازلهما الشیطان عنها ''(پس شیطان نے انہیں بہکا دیا) مگر اس کے بعد

آپ علیہ السلام کو ندامت ہوئی اور آپ علیہ السلام نے اپنے رب سے معافی مانگتے ہوئے عرض کیا " ربنا ظلمنا انفسنا "(اے ہمارے رب! میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا) گویا انسانیت کا یہ خاصہ ہے کہ ٹھوکر لگ جائے تو نادم ہو کر معافی مانگے دوسری طرف ابلیس سے نافرمانی کی وجہ پوچھی گئی تو کہنے لگا " انا خیر منہ "(میں اس سے بہتر ہوں) گویا گناہ پر اصرار کرنے لگا اور اکڑنے لگا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ گناہ پر اصرار کرنا اور اترانا سراسر شیطانیت ہے۔ لطیفہ قلب کے منور ہونے کا اثر یہ ہونا چاہیے کہ انسان خطا کا پتلہ ہے جب ٹھوکر کھائے تو فوراً نادم ہو کر توبہ کرے اور رب سے گڑگڑا کر معافی مانگے۔ اور ذکر سے جو نور بنتا ہے اسکی شان یہ ہے کہ انسان جب ڈگمگانے لگے تو پہلے یہ نور اس کو غلطی سے آگاہ کر دیتا ہے۔ اور اگر لغزش ہو جائے تو استغفار پر آمادہ کرتا ہے۔ اس لئے سالک کو ہمیشہ اپنی عملی زندگی کا محاسبہ کرتے رہنا چاہیے۔

ذکر: یہاں پر ذکر خفی "اللہ ھو " کرنا ہے۔ ناف کے نیچے سے سانس کو اٹھانا ہے اور ماتھے کے مقام پر ذکر کرتے ہوئے لے کر جانا ہے۔ پھر اس کی ضرب کو سینے کے اوپر کھینچنا ہے اور زبان سے بلکہ سوچ کے ساتھ کہنا ہے "اللہ" اور "ھو" کی ضرب کو اس جگہ ہٹ کرنا ہے (لطیفہ قلب کے اوپر ضرب لگانی ہے)۔ یہ یاد رہے کہ اللہ ہی ہمارا مقصد ہے اور اس کی رضا ہمیں مطلوب ہے اس طرح کرنے سے ہمارے اندر کی بیماریاں ختم ہو جائیں گی، ہماری روح پاک ہو کر اللہ کی طرف رجوع کرنے لگے گی اور ہمیں اللہ کی رضا حاصل ہو جائے گی۔

دوسرا لطیفہ روح:

لطیفہ روح کا مقام: لطیفہ روح قلب کی مخالفت میں پستان سے دو انگلیاں نیچے اور انتہائی دائیں طرف واقع ہے۔ نفس نے روح کے ساتھ جو بیماریاں لگائیں ہیں وہ غصہ اور غضب ہیں۔ باقاعدگی کے ذکر سے سالک کی طبیعت میں اعتدال اور سکون آجاتا ہے اور غصہ بالکل ختم ہو جاتا ہے، بے سکونی کے معاملات ختم ہو جاتے ہیں۔ اس لطیفہ روح کا رنگ سرخ ہے لیکن روشنی اور رنگ نظر آنا ضروری نہیں ہے۔ لطیفہ روح کا عالم جبروت ہے۔

ذکر: اس کا ذکر اس طرح کرنا ہے کہ ناف سے لفظ "اللہ" کو اٹھانا ہے سانس اندر لیتے ہوئے لفظ "اللہ" کو پڑھنا ہے اور سانس باہر نکالتے ہوئے "ھو" کو ادا کرنا ہے اور روح کے مقام پر "ھو" کی ضرب لگانی ہے۔

اگر کوئی شخص پوچھتا ہے کہ آپ جو لطائف کے یہ معاملات بتا رہے ہیں یہ کہاں سے ثابت ہیں؟ تو ابن ماجہ کی حدیث مبارکہ ہے:

ترجمہ: "پھر سرور عالم حضرت محمد مصطفی خاتم النبیین ﷺ نے ابومحذورہ ؓ کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر اپنا ہاتھ ان کے چہرے پر پھیرتے ہوئے سینے پر لے گئے۔ پھر جگر پر لے گئے۔ پھر آپ خاتم النبیین ﷺ کا ہاتھ مبارک ان کی ناف تک پہنچا۔ پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے دعا فرمائی کہ اللہ تجھے برکت دے اور تجھ پر برکت نازل فرمائے"۔ (ابن ماجہ، باب ترجیح الاذان، صفحہ نمبر 52)

آپ خاتم النبیین ﷺ نے ماتھے سے شروع کیا اور ناف تک ہاتھ پھیرا۔ یہ مقام نفس ہے۔۔۔ نفس امارہ۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے ہاتھ مبارک کا لمس جب نفس امارہ پر گیا ہوگا تو وہ نفس، نفس مطمئنہ سے بھی آگے نفس راضیہ بلکہ نفس مرضیہ تک پہنچ گیا ہوگا۔

لیکن آج کے دور میں ان معاملات کو پانے کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے اور وہ بزرگوں کے بتائے ہوئے طریقے کار سے ذکر کے ذریعے اپنی ذات کے اندر تزکیہ کے معاملات طے کرنے ہوتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ جو شخص بھی اللہ کی طرف سفر کی کوشش کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور ضرور اس کی مدد فرماتے ہیں۔

عالم جبروت کے اندر روح کا مقام ہے۔ عالم جبروت کے اندر بڑی خاص الخاص ارواح ہوتی ہیں۔ ان کو جبروت میں اس لیے رکھا جاتا ہے کہ ان روحوں کے اللہ کے ساتھ معاملات ہوتے ہیں۔

لطیفہ روح کی تربیت کے وقت اہل فن کہتے ہیں۔ زیر قدم حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام یعنی حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا فیض ان دو الوالعزم پیغمبروں حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے توسط سے سالک کو پہنچ رہا ہے۔ ان حضرات کی سیرت میں چند خصوصی پہلو نظر آتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے 950 سال تبلیغ کی قوم کو دین حق کی دعوت دی نہ اکتائے ، نہ دعوت کا کام بند کیا۔ بس یہ کہا کہ الٰہی میں جتنا ان کو تیری طرف بلاتا ہوں یہ اتنا ہی دور بھاگتے ہیں۔ پھر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے کہ "باری تعالیٰ زمین پر ان ظالموں کا نام و نشان نہ رہنے دے یہ جب تک رہیں گے بغاوت پھیلائیں گے۔ اور سانپ ہمیشہ سنپولیے ہی پیدا کریں گے"۔ اس سے سالک کو دو امور کی راہنمائی ملتی ہے۔

1۔ دعوت دین کی راہ میں ہر مشکل برداشت کرے یعنی نتیجہ سے بے نیاز ہو کر دعوت الی اللہ کا کام کرتا چلا جائے ، نتیجہ خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو۔

2۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کے سالک کو یہ دیکھ کہ حضرت نوحؑ نے آخیر تنگ آکر باغیوں اور نافرمانوں کو تباہ کر دینے کی درخواست اللہ تعالیٰ سے کر ہی دی یہ سوچنا

چاہیے کہ یہ معاملہ ایک اولوالعزم پیغمبر کا ہے۔ جسے رب تعالیٰ سے براہ راست حقائق منکشف ہوتے ہیں۔یعنی نبی خودنہیں کہتا اس سے کہلوایا جاتا ہے۔اور یہ منصب کسی غیر نبی کو حاصل نہیں۔ہمیں تو بس دعوت کے ساتھ ساتھ خواہ کتنی ہی مشکلات آئیں اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دعا کرتے رہنا چاہیے۔

3۔ حضرت ابراہیمؑ نے دعوت کا کام شروع کیا۔گھر سے مخالفت ہوئی ، باپ مخالف، برادری مخالف، قوم مخالف، مگراس قدر مخالفت کے باوجود حضرت ابراہیمؑ میں ان سب کے لئے خیر خواہی کا جذبہ موجود رہا۔پھر حضرت ابراہیمؑ کی قربانیوں کا تصور بھی انسان کو حیرت میں ڈال دیتا ہے۔باپ کو چھوڑا، رشتہ داروں کو چھوڑا، گھر بار چھوڑا، مگر امتحان کا سلسلہ ختم نہ ہوا۔بڑھاپے میں بیٹا عطا ہوا۔بچہ اور بیوی کو سنگلاخ زمین میں چھوڑا تو بعد میں اس بیٹے کی قربانی کا حکم ہوا۔لطیفہ روح کے راسخ ہونے اور منور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عملی زندگی میں اس کی سیرت اور کردار سے یہ ظاہر ہو کہ واقعی یہ شخص ان دو اولوالعزم پیغمبروں کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کر رہا ہے۔اس میں دعوت دین کا جذبہ موجود ہے۔اس کے پیش نظر ہر وقت سیرت نوح علیہ السلام اور اسوۂ ابراہیمی علیہ السلام مشعل راہ ہو اور نگاہ ہر حالت میں مسبب الاسباب پر رہے۔

تیسرا لطیفہ سِر:

لطیفہ قلب اور لطیفہ روح کے بعد لطیفہ سِر ہے۔

لطیفہ قلب کا عالم ملکوت ہے۔اور لطیفہ روح کا عالم جبروت ہے۔اس کے بعد لطیفہ سِر ہے۔ سِر کہتے ہیں پوشیدہ راز کو۔اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات بندے کے ساتھ پوشیدگی کے معاملات شروع کردے گی۔

لطیفہ سِر لطیفہ قلب سے دو انگلیاں دائیں سائیڈ پر ہے۔اس کا تعلق عالم لاہوت سے ہے۔

عالم لاہوت میں اللہ تعالیٰ اپنے راز کھولتا ہے اور اپنی طرف سے اعتبار کا اظہار کرتا ہے۔اس مقام پر منفی لالچ وحرص بدل کر مثبت میں تبدیل ہوجائے گی۔اور وہ یہ کہ یہ لالچ پیدا ہوجائے گی کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اللہ کی طرف لے کر آئیں ۔ایسے بندے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے ذرا بھی نہیں گھبراتے۔اس کے بعد ان پر کشف القبور کھل جائے گا یعنی کسی قبر پر جائیں گے تو معلوم ہوجائے گا کہ واقعی یہاں پر کوئی اللہ کا ولی دفن ہے۔

یہ بہت رونے دھونے والے، اللہ کے ساتھ راز و نیاز کرنے والے لوگ ہوتے ہیں، یہ خاص الخاص لوگ ہوتے ہیں۔عقل مخلوق ہے اور مخلوق کے پیمانے میں اللہ کی شان نہیں آسکتی۔جو عقل والے ہیں وہ کچھ ٹائم ٹھہرتے ہیں اور پھر بے بس لوٹ آتے ہیں۔یہ منزل خاص الخاص لوگوں کی ہے-یہ منزل صرف دیوانوں (اشاک) کی منزل ہے۔

ذکر: اس لطیفے میں " ھو " کی ضرب لطیفہ سر پر لگانی ہے- اس لطیفہ کی تربیت کے وقت کہا جاتا ہے زیر قدم حضرت موسیٰ علیہ السلام -یعنی یہاں پر حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کا فیض بالواسطہ حضرت موسیٰؑ پہنچتا ہے۔حضرت موسیٰؑ کی سیرت میں چند باتیں نمایاں ہیں۔

اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وقت کے بدترین شخص کے پاس دعوت حق کی تبلیغ کے لئے بھیجا گیا اور حضرت موسیٰؑ کو فرعون جیسے سرکش سے بھی بات نرمی سے کرنے کو کہا گیا۔اور فرعون نے جب اپنے احسانات بتائے تو حضرت موسیٰؑ نے ہر بات اور ہر احسان کو مانا۔لیکن نہ مشتعل ہوئے نہ غرور میں آئے بلکہ حکم الٰہی کے مطابق بات انتہائی نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی پھر بھی وہ سرکش نہ مانا۔حضرت موسیٰؑ جب اپنی قوم کو لے کر نکلے ، دریا پر عصا مارا ، پوری قوم نکل گئی اور فرعون اور اس کا لشکر جو پیچھے آرہا تھا۔وہ پورا کا پورا اس پانی میں غرق ہوگیا۔

حضرت موسیٰؑ کی قوم نے اس کے بعد بچھڑا بنایا۔جب آپ کوہ طور پر کتاب لینے گئے۔اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو بے حد نوازا۔اَبر (بادل) ان کے اوپر رکھا۔بارہ چشمے جنگل میں جاری کئے۔من وسلوا اُن کے لئے اتارا لیکن ان کی قوم نے ہمیشہ ہی سرکشی اور نافرمانی کی۔حضرت موسیٰؑ کو ہمیشہ یعنی ہر جگہ اپنی قوم سے دکھ ہی اٹھانے پڑے۔ان سے یہ راہنمائی ملتی ہے کہ سالک کو اپنے ساتھیوں کی طرف سے جس قسم کے واقعات پیش آئیں۔ثابت قدم رہنا ہے اور نتیجہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا ہے۔دعوت تبلیغ کا کام مشکل بھی ہے اور نازک بھی۔دین کی سمجھ عطا کرنا۔اس کی رحمت ہے اور دین کی راہ پر چلنا اس کی توفیق سے نصیب ہوتا ہے۔

چوتھا لطیفہ خفی:

جس کا لطیفہ خفی ہے اس کا عالم ہاہوت ہے۔یہ چوتھا لطیفہ ہے جو کہ انسان کی روح کے اوپر کا معاملہ ہے۔جہاں سے اللہ کا نور انسان کی روح کے معاملات کو کھولتا ہے اور انسان اللہ تعالیٰ کی قربتوں کی طرف سفر کرتا ہے۔

لطیفہ خفی کا مقام لطیفہ سر کے مقام کے بالکل سامنے ہماری دائیں طرف ہے۔

اس لطیفے کے ساتھ جو وابستہ بیماریاں ہیں وہ حسد، کینہ، بغض اور خَبِیَت (نا امیدی، یاس، مایوسی) کے معاملات کھلتے ہیں۔یعنی فکر کے معاملات اس پر کھل جاتے ہیں اس پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوجاتی ہے-(فنائیت کا سفر طے کرتے ہوئے جب اللہ تعالی کے معاملات کھلتے ہیں اور سالک اس موقع پر عجیب قسم کی باتیں کرتا ہے اس کو خَبِیَت کا نام دیا جاتا ہے-)

ذکر: سانس کو اندر لیتے وقت لفظ "اللہ" کہنا ہے اور سانس باہر نکالتے وقت "ھو" کی ضرب مقام لطیفہ خفی پر لگانی ہے-اس طرح کرنے سے تمام بیماریاں ختم ہوجائیں گی-

یہاں سالک مرشد کی نگاہ اور فیض سے سارے معاملات طے کرے گا-مرشد سے محبت اور مرشد کا ادب بہت ضروری ہے،اس کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوگا-مرشد کے علاوہ کسی کی طرف جھکاؤ حجاب بن جاتا ہے-یہ قربت الٰہی کا سفر ہے اور ایک اچھا انسان ہی قربت الٰہی کا سفر درست طریقے سے طے کرتا ہے-جب لطیفہ خفی درست طریقے سے طے ہوجاتا ہے تو حسد، کینہ، بغض اور خبیت دور ہوجاتی ہے-

شریعت پر عمل پیرا لوگوں کو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا دیدار نصیب ہوجاتا ہے-

یہ چیز یاد رکھی جائے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی ایک کچہری نہیں ہے-آپ خاتم النبیین ﷺ ہیں---تمام عالمین کے لئے رحمت-ہر ایک عالم پر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ رحمت اللعالمین ﷺ کا عجیب وغریب معاملہ سالک پر کھلتا ہے-جتنا اوپر جاتے جائیں گے اتنا قرب ملتا جائے گا-یہاں سالک چاہتا ہے کہ انتہائی قرب ملے-حضوری بھی مختلف طریقے کی ہے مثلاً عارف ہے، معارف ہے، عاشق ہے، پھر محبوب ہے-سالک پر بہت ہی اعلی معاملات کھلتے ہیں-جو محبوب ہوتے ہیں ان کا معاملہ اور ہوتا ہے اور جو عاشق ہوتے ہیں ان کا معاملہ الگ ہوتا ہے-سالک پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوجاتی ہے-یہ فنا در فنا کی کیفیات ہیں-اکثر اوقات لوح محفوظ پر تقدیر کے معاملات تک رسائی حاصل ہوجاتی ہے-

اس لطیفہ کی تعلیم کے وقت کہا جاتا ہے۔" زیر قدم حضرت عیسیٰؑ "

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اس لطیفے کی تربیت کے دوران حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا فیض بواسطہ حضرت عیسیٰؑ پہنچتا ہے۔حضرت عیسیٰؑ اپنی بعثت کے بعد مختصر عرصے کے لئے قوم کے درمیان رہے۔اس عرصے میں آپ کو دو قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑا :

1۔ دشمن اور مخالف 2۔ عقیدت منداور اتباع ومحبت کا دعویٰ کرنے والے

سب سے پہلے تو دشمنوں نے آپ علیہ سلام کی والدہ کو ستم کا نشانہ بنایا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو پنگھوڑے میں گویائی دی اور آپ علیہ السلام نے ہر ایک کا جواب دیا۔ دشمن اس وقت تو خاموش ہوگئے لیکن بڑے ہوکر جب آپ علیہ السلام نے دین حق کی تبلیغ کا کام شروع کیا تو حکومت وقت حرکت میں آ گئی۔ آپ علیہ السلام کو قتل کرنے کا منصوبہ لوگوں نے بنایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے منصوبے کو ناکام کیا اور آپ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا۔اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو بڑے بڑے معجزے دیئے تھے مثلاً کوڑی کو شفاء دینا، برص کوڑھی والے کو شفا دینا، مردے کو زندہ کرنا، مٹی کا پرندہ بنانا اور اس میں پھونک مار کر اڑا دینا ، ان تمام معجزوں کو دیکھنے کے بعد بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کے دل نہ پسیجے اور بہت کم لوگوں نے آپ علیہ السلام کی شریعت کو قبول کیا جنہیں حواری کہا جاتا ہے۔سالک کو اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سی عاجزی اور انکساری سکھائی جارہی ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار رہنا ہے۔تکبر اور انانیت گمراہی ہے اس لئے ہر حال میں اس سے بچنے کی دعا کرتے رہنا چاہیے۔

پانچواں لطیفہ اخفی :

لطیفہ اخفی کا تعلق حضرت محمد مصطفی خاتم النبیین ﷺ کے نور محمدی سے ہے۔اللہ تعالی نے اپنی ذات، اپنی صفات اور اپنے افعال کی تجلیات کا فیض آپ خاتم النبیین ﷺ کو عنایت فرمایا اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے سینہ مبارک سے یعنی آپ خاتم النبیین ﷺ کے لطائف مبارک سے یہ فیض مختلف انبیاء کرام علیہ السلام تک پہنچا-ذات، صفات اور افعال کا یہ فیض حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی ذات سے انبیاء کرام علیہ السلام کو پہنچا ہے جو اللہ کی ذات کا فیض ہے-اللہ کی ذات کا فیض صرف حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی ذات ہی کو ملا ہے۔اس لیے سیدنا حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو جو ان صفات اور افعال کا فیض ملا ہے وہ آپ خاتم النبیین ﷺ کے سینہ مبارک سے ہوتا ہوا ملا ہے-یہ سارا فیض اصل میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا فیض ہے۔پھر اس فیض میں سے چار حصے انبیاء کرام علیہ السلام کو مل گئے اور ایک حصہ آپ خاتم النبیین ﷺ کو یعنی ٹوٹل پانچ حصوں میں یہ فیض تقسیم ہوگیا۔ہر نبی کو جو

فیض ملا اس کا آدھا حصہ اولیاء کرام رحمۃ اللہ تک پہنچا - یعنی جو لطائف سے حصہ ملا آدھا حصہ حضرت آدم علیہ السلام سے، آدھا حصہ حضرت نوح علیہ السلام سے، آدھا حصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے، آدھا حصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اور پھر آپ خاتم النبیین ﷺ کی امت کو وہ ذات کا فیض حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے ذریعہ سے پہنچتا ہے۔

اس لطیفے کا فیض سالک کے باطن میں براہ راست حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ سے آتا ہے۔ اِسے تصوف وسلوک کی اصطلاح میں کہتے ہیں کہ! زیرِ قدم حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ! اس لطیفے کے راسخ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سالک میں اتباع سُنت کی استعداد، جذبہ اور شوق بیدار ہونے لگتا ہے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی خصوصیات کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا تاہم آپ خاتم النبیین ﷺ کے چند اوصاف اِس قدر نکھرے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر اِن کا اعلان بھی فرما دیا۔

"یعنی آپ خاتم النبیین ﷺ کو تمام عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے" سورۃ الانبیا آیت نمبر 101

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے اپنی بعثت کے بعد تمام ظُلمات کو ختم کیا۔ اسلام سے پہلے ہر قوم میں انسان بنی نوع کے حق میں درندہ بن چکا تھا۔ کہیں زبان وجہ منافرت تھی تو کہیں جغرافیائی حدود نے انسان کو برسرِ پیکار کر رکھا تھا اور کہیں رنگ ونسل نے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے یہ تمام امتیازات ختم کیے اور اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسانیت کو ایک عالمگیر اصول دے دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے "کہ تم میں سے معزز وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے" سورۃ الحجرات آیت نمبر 13

آپ خاتم النبیین ﷺ سراپا رحمت تھے۔ آپ نے اپنے ساتھ کی گئی برائی کا کبھی بدلہ نہیں لیا، دشمنوں کو ہمیشہ معاف کیا۔ اس لطیفے کے راسخ ہونے کا تقاضہ یہ ہے کہ سالک کی طبیعت میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی رحمت اللعالمینی کی جھلک آنے لگے۔ وہ ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑے، وہ روٹھے ہوؤں کو منائے، وہ گرتوں کو سہارا دے، وہ گُم کردہ راہ لوگوں کو راہ دکھائے (یعنی ہدایت دکھائے) وہ تباہ ہونے والوں کو تباہی سے بچائے، وہ بگڑے ہوؤں کو سنوارے اور اُس کی ہر ادا زبان حال سے کہہ رہی ہو۔

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں تیرا نام رہے
کیا یہ ممکن ہے ساقی نہ رہے جام رہے؟

اتباع سنت کا دامن کسی صورت بھی ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ اِس سلسلے میں **یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ ترکِ سُنت اور خلافِ سُنت میں فرق ہے۔**

ترکِ سُنت کی وجہ غفلت بھی ہو سکتی ہے اور نادانی اور جہالت بھی یہ حالتیں نسبتاً کم نقصان دہ ہیں لیکن خلاف سُنت سالک کو تباہی کی طرف لے جاتی ہے۔ سالک کے اندر اتباع سُنت امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور مخلوق کی بھلائی اور بہتری کا جذبہ روز بروز ترقی کرتا چلا جائے۔ سالک کا وجود مجسم تبلیغ ہو۔ سالک کے شب وروز سے ظاہر ہو کہ اس کے ہر عمل پر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی تعلیمات کا اثر چھایا ہوا ہے۔ اس لیئے سالک کا فرض منصبی یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے ہر پہلو میں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو مشعلِ راہ بنائے رکھے۔

لطیفہ اخفی کا جو معاملہ ہے وہ عُجب اور تکبر سے ہے۔ اس کا مقام وسط سینہ ہے۔

لطیفہ اخفی کی بیماریاں: لطیفہ اخفی میں، عُجب (تکبر)، فخر اور اپنی ذات کا اونچا پن ہونا۔

لطیفہ اخفی کو طے کرنے سے عجز وانکساری پیدا ہوتی ہے، جس طرح مٹی بیٹھ جاتی ہے مٹی پر کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا (اسی طرح لطیفہ اخفی طے کرنے والوں پر بھی کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا)۔

اس کا تعلق آپ خاتم النبیین ﷺ کی ذات سے ہے اور جب آپ خاتم النبیین ﷺ کی ذات سے فیضان ملتا ہے تو یہ سارے معاملات بڑے اچھے انداز میں طے ہوتے ہیں۔

جب سالک لطیفہ قلب طے کرتا ہے تو شہوت سے نکل جاتا ہے--- جب لطیفہ روح طے کرتا ہے تو غصے سے نکل جاتا ہے--- جب لطیفہ سر طے کرتا ہے تو اس کے اندر لالچ نہیں رہتی، وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے لگتا ہے--- جب لطیفہ خفی طے ہو جاتا ہے تو اسے لوگوں سے حسد بھی نہیں رہتا---

اور جب وہ لطیفہ اخفی طے کرتا ہے تو وہ عُجب میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ اس وقت اس کے دماغ میں یہ بات آ سکتی ہے کہ میری ذات قرب والی ہے اور اس کے اندر ہی اندر یہ چیز پیدا ہونے لگتی ہے میں کسی کو غصہ نہیں کرتا تو اس کو عجز و نیاز کا تکبر ہو جاتا ہے اور کبھی اس کو اپنی نیکیوں پر تکبر ہو جاتا ہے اور اپنے اندر ایک نیا بُت بنا لیتا ہے کہ میں

اللہ کے قریب ہوں میں قرب والا ہوں۔ میں بہت نیک ہوں- اس تکبر کے اندر یہ ساری چیزیں کرنے کا فائدہ نہیں رہتا کیونکہ اس کو نفس نے پھر پھنسا لیا ہے- اب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے فیض ہی سے ممکن ہے کہ اس کے اندر سے وہ معاملہ نکلے۔ اگر اس کا لطیفہ اخفی صحیح طرح سے طے ہوجاتا ہے پھر اس کے اندر عجز کا تکبر ختم ہوجاتا ہے-

1- لطیفہ قلب طے کیا--نفس نکلا (شہوت گئی) 2- لطیفہ روح طے کیا--آب نکلا (غصہ گیا)

3- لطیفہ سر طے کیا--آگ نکلی (لالچ گیا) 4- لطیفہ خفی طے کیا--ہوا نکلی (حسد گیا)

5- لطیفہ اخفی طے کیا--مٹی نکلی (تکبر، عُجب، انا گئی)

اب اس سے نفس کا لباس اتر گیا ہے- اس کی entry عالم ملکوت میں ہوجائے گی- پھر روح پر پہنچ کر عالم جبروت میں، عالم لاہوت میں، عالم ہاہوت میں ہوجائے گی--- پھر اس کی رسائی نور محمد خاتم النبیین ﷺ تک ہوگئی۔ اب وہ اللہ کے قرب میں ہوگا۔ اب وہ فنائیت کے قریب ہے اور اس کی ذات فنا ہوجائے گی اور اب اس کے جسم کا ہر حصہ ذاکر ہوجائے گا- اب اس کے اندر سے "ھو" "ھو" کی صدائیں آنے لگیں گی یعنی کبھی بازو میں، کبھی سینے میں، بغیر کبھی کسی طرف ضربیں لگائے آوازیں آئیں گی- اس کو اپنی ذات کچھ بھی نہیں لگے گی- نیکی اور عجز و انکساری کے باوجود وہ اپنے آپ کو سب سے برا تصور کرے گا اور باقی سب کو اچھا سمجھے گا- یہاں اس کی کامل "لا" (نفی) ہوجائے گی، وہ اپنی ذات، اپنی صفات اور اپنے افعال سے نکل کر اللہ کی ذات، اللہ کی صفات اور اللہ کے افعال میں فنا ہوجائے گا- اپنی ذات کو چھوڑ دے گا یعنی اپنی ذات کو بھول جائے گا- اس لئے اصل مقصد لطیفہ اخفی کا طے ہوجانا ہے۔

ذکر: لفظ "اللہ" کو ناف سے لے کر ماتھے تک اٹھانا ہے، ناک سے سانس لینا ہے اور "ھو" کی ضرب لطیفہ اخفی پر لگانی ہے- اب اس کی ضرب خود بخود نفس، قلب، روح، سر اور خفی پر محسوس ہوگی اور "ھو" کی آواز خود بخود آنے لگے گی-

لطیفہ اخفی پر ضرب لگاتے ہی باقی لطائف بھی ایکٹیو (active) ہوجاتے ہیں- ان کا فیض آپ خاتم النبیین ﷺ کے نور محمدی سے ملتا ہے جو کامل فیض ہے اس طرح اگر یہ لطیفہ اخفی صحیح طے کرلیا تو اسے اپنی منزل مل جائے گی- یعنی اصل مقصدیت حاصل ہوجائے گی- اصل مقصد منزل کا مل جانا ہے-

لطائف میں ذکرِ الٰہی یا تو اسم ذات کا کرایا جاتا ہے یعنی "اللہ"۔ "اللہ" یا نفی اثبات کا یعنی "لاالہ الّا اللہ"۔ پھر نفی اثبات کے ذکر کے چار درجے رکھے گئے ہیں یعنی ناسوتی "لاالہ الّا اللہ"، ملکوتی "الّا اللہ" اور لاہوتی "اللہ ھُو"۔ ذکر جہر صرف مبتدی کے لیے ہوتا ہے بعد میں سب سلسلوں میں ذکر خفی ہی ہوتا ہے۔

سب لطائف جاری ہوگئے تو گویا روح میں قوت پیدا ہوگئی کہ ایک طرف جسم کے اعمال کو صحیح سمت میں لگادے۔ دوسرا اس میں قوت پرواز پیدا ہوگئی کہ اپنے وطن اصل کی طرف سرگرم سفر ہوسکے۔ اپنی ساری کوشش قلب کو منور کرنے میں صرف کردینی چاہیے کیونکہ قلب ہی کا عکس باقی تمام لطائف پر ہوتا ہے۔

ان تمام چیزوں کا اصل مقصد انسان کو صحیح معنوں میں بندہ یعنی عملی انسان بنا دینا ہے تاکہ وہ اللہ کا بندہ اور مخلوق کا خادم بن کر اللہ تعالیٰ کی سرزمین پر زندگی کے دن گزارے۔

جب سالک کا کوئی لطیفہ منور ہوجاتا ہے تو اِس کی روح میں یہ قوت پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ اپنے اعمال کا جائزہ لے اور اِسی لطیفے کی خصوصیت کا رنگ اس کی عملی زندگی میں ظاہر ہونے لگتا ہے۔ لطائف کا منور ہونا دو پہلوؤں سے سالک کی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ایک تو اس کی ذاتی تربیت ہونے لگتی ہے دوسرے وہ فیلڈ ورک (تبلیغ) کے لیے تیار ہوجاتا ہے۔ اسی طرح وہ ان باتوں کے بعد اپنی استعداد کے مطابق ماحول کو متاثر کرتا اور خدا شناس معاشرہ کی تعمیر میں کوشاں ہوتا ہے۔ کیونکہ باطن میں جب انوار جاگزیں ہوتے ہیں تو اعضاء اس کی شہادت دیتے ہیں اس طرح سلوک کی بنیاد یہ لطائف ہی ہیں۔

حضرت رامپوریؒ فرماتے ہیں " ان لطائف کے جاری ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قلب حرکت کرنے لگتا ہے یا انوار نظر آنے لگتے ہیں بلکہ قلب کا جاری ہونا یہ ہے کہ دنیا کی محبت دل سے نکل جائے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان رہنے لگے۔ جب یہ بات ہوجائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ کام بن گیا ہے"۔

مختصر یہ کہ

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ بہت طویل ہے- اس کے آخیر تک پہنچنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے- کوشش اور مجاہدے ہی سے انسان اس طویل راستے کو طے کرسکتا ہے- ہر ایک کے لئے اس راستے کو طے کرنا ممکن بھی نہیں ہے- بس ضروری یہ ہے کہ--- جب ہمیں موت آئے تو ہم اس راستے پر گامزن ہوں-

****

سلوک میں لطائف کے بعد مراقبہ

لطائف کے بعد مراقبات کی تربیت کی جاتی ہے اور مراقبات ثلاثہ یکے بعد دیگرے کئے جاتے ہیں

مراقبہ:

مراقبے کے لفظی معنی انتظار، نگہبانی اور حفاظت کے ہیں یعنی سالک پورے حضور قلب سے اس بات کے انتظار میں بیٹھ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت، رحمت، فیض اور انوار اس کے قلب میں جاگزیں ہونے لگیں۔ اس کے لئے پوری توجہ اور یکسوئی ہونا ضروری ہے تا کہ اس کا قلب منبع ہدایت اپنی ذات کے لئے اور دوسروں کے لئے بن جائے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اس کا وجود اور اس کی ذات مخلوق کے لئے رحمت بن جائے۔ اور توفیق الٰہی سے فیض یزدانی اور انوار رحمانی اس کے ظاہر اور باطن کو سنوار دیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کیطرف سے اس کی نگہبانی اور حفاظت ہونے لگتی ہے۔ نگہبانی اس بات کی کہ کوئی جذبہ اور خیال اس کی توجہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہٹا سکے۔ اور حفاظت اس دولت کی جو لطائف کی صورت میں حاصل ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ شیاطین جن وانس سے اس کی حفاظت فرماتا ہے۔ مراقبہ کی اصطلاح کی حقیقت معلوم کرنے کے بعد ہم اپنے پہلے سبق میں

(1)۔ مراقبہ احدیث:

اس مراقبہ کے وقت اور اس کے دوران زبانِ قلب اور زبانِ ظاہر سے چند الفاظ کہے جاتے ہیں۔ پہلا ہے ''فیض اللہ'' یعنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیض آنے کے انتظار میں بیٹھ گیا ہوں۔ اجمالی طور پر اس مراقبے کے راسخ ہونے کا اثر سالک کے اعمال پر یہ ہونا چاہیے

اَنْتَ مَقْصُودِیْ وَ رَضَاکَ مَطْلُوبِیْ، لَامَقْصُوْدَیْ اِلَّا اللّٰہ، نَافِعْ اِلَّا اللّٰہ

(2)۔ مراقبہ معیت:

یہ مراقبات میں دوسرا سبق ہے اس مراقبہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیض کے انتظار میں یہ الفاظ منہ سے اور دل سے ادا کرتے ہیں۔

اللہ حاضری، اللہ ناصری، اللہ ناظری، اللہ حاضری، اللہ معی

(3)۔ مراقبہ اقرابیت:

یہ تیسر مراقبہ ہے۔ اس مراقبے کے دوران یہ وظیفہ پڑھا جاتا ہے۔

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (سورۃ ق۔ آیت نمبر 6)

قُرب کے مختلف درجات ہیں۔ ایک قُرب حقیقی اور ایک قُرب مجازی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اطاعت شعار بندوں کے اتنا قریب ہے کہ ان کی شہ رگ بھی اتنی قریب نہیں۔ ایک ہوتا ہے قرب اور ایک ہوتا ہے اقرب۔

قرب تو یہ ہے کہ ٹکٹ کو لفافے پر چپکا دیا۔ تو ٹکٹ کو لفافے کا قرب حاصل ہو گیا اور اقرب ایک اور چیز ہے۔ یعنی ٹکٹ اور لفافے کے درمیان ایک اور چیز بھی ہے اور وہ ہے گوند تو وہ گوند لفافے کے لئے اقرب ہے۔ تو اس مراقبے میں پہلے سالک قرب حاصل کرتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ اقرب کے درجے پر پہنچ جاتا ہے۔ مراقبات ثلاثہ ختم ہوئے۔

مراقبات ثلاثہ کے بعد دوائر محبت آتے ہیں۔ دائرے کا لفظ آتے ہی ذہن مرکز کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ کیونکہ مرکز سے دائرہ تشکیل پاتا ہے۔ دائرے کا محیط خواہ کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو لامحالہ مرکز کے گرد ہی گھومتا ہے۔ گویا مرکز اور دائرہ لازم وملزوم ہیں۔ دائرہ محبت اول میں وظیفہ

یُحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّونَهٗ (سورہ المائدہ، آیت نمبر 54)

اس وظیفہ کے الفاظ کی ترتیب میں ایک نقطہ ہے کہ ایک طرف سے ابتدا ہو رہی ہے اور دوسری طرف سے ردعمل۔ یعنی ابتدا ہی نہ ہو تو ردعمل کیوں کر ہو گا۔ یُحِبُّهُمْ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابتداء اُدھر سے ہوتی ہے یعنی وہ بلاتے ہیں تو کوئی آتا ہے۔ وہ پٹ کھولتے ہیں تو داخلہ ملتا ہے۔ اُدھر سے کشش نہ ہو تو ادھر سے حرکت کیسی ہو؟ یعنی یہ کلیہ نہیں ہے بلکہ اصول یہ ہے کہ ادھر سے بلاوا تو آتا ہے مگر بڑھنے کے لئے ادھر سے ارادہ بھی تو پیدا ہو۔ قدم تو حرکت میں آئیں یعنی یُحِبُّونَهٗ کا ردعمل اس طبقے کی طرف سے ہوتا ہے جو ہدایت کی بارش کا ہر قطرہ سمیٹنے کے لئے اپنے قلب کا رخ سیدھا کر کے عرصہ حیات میں آ کھڑے ہوتے ہیں۔ اس دائرے کی تربیت کے دوران

سالک کے لطیفہ نفس کے سامنے ایک نورانی دائرہ محسوس ہوتا ہے۔ان دونوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔خواہش کرنا نفس کی خاصیت ہے۔ہر خواہش مرغوب اور محبوب تو ہوتی ہے مگر خواہش کا کوئی خاص امتیازی مرکز بن جائے تو انسانی کوشش اس کے گرد گھومتی ہے۔اس سبق میں سالک کو یہ سکھایا جاتا ہے کہ ہم نفس کو اس کی خاصیت سے محروم نہیں کر سکتے (خواہش کرنے سے) ہاں البتہ اتنا کر سکتے ہیں کہ اس خواہش کا مرکز ''فانی'' سے بدل کر ''باقی'' بن جائے۔جب مرکز بنے گا تو لازماً محبت پیدا ہوگی اور ''باقی'' سے محبت ہوجانا مقصودِ اصل ہے۔

دائرہ محبت اول کے بعد دائرہ محبت دوم ہے یہ پہلے دائرے سے بڑا ہے۔اس کا وظیفہ بھی یہی ہے۔

یُحِبُّھُمْ وَ یُحِبُّو نَہٗ

یعنی محبت الٰہی میں ترقی اور قرب میں اضافہ ہورہا ہے۔

پھر دائرہ محبت سوئم ہے۔اس وظیفہ میں بات ''حب'' سے اَشَدُ حُباً للّٰہ کی طرف بڑھ رہی ہے۔ایک یہی صورت ہے کہ انسان قانون کی پابندی یعنی اطاعت اور بندگی کا شیوہ اختیار کرے۔

مراقبہ الظاہر والباطن:

اس مراقبہ میں وظیفہ ''ھوالاول والاخیر والظاہر ولباطن'' ہے۔ھُوَ الاَوَّلُ وَ لاَخِرُ وَ الظَّاھِرُ وَ البَاطِنُ

اس مراقبے کے بعد مراقبہ الظاہر والباطن کرایا جاتا ہے۔اس مراقبے میں ایک نور سالک کے ظاہر اور باطن کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

مراقبہ فناء بقا:

اس مراقبے کا وظیفہ ہے

کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ ۝ وَّ یَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِکْرَامِ ۝ (سورۃ الرحمٰن 27-55:26)

ترجمہ: ''زمین پر جتنے ہیں سب کو فنا ہے (ف26) اور باقی ہے تمہارے رب کی ذات عظمت اور بزرگی والا''۔

مراقبہ عبودیت میں سالک یہ محسوس کرتا ہے کہ ہر چیز اس وحدہ لاشریک کے سامنے سربسجود ہے اور سبحان ربی اعلیٰ کی ایک گونج سنائی دے رہی ہے۔

مراقبہ فنا میں سالک یہ محسوس کرتا ہے کہ ہر چیز فنا ہوگئی ہے۔انسان، حیوان، شجر، حجر ہر چیز غائب ہے۔بلکہ سالک کو اپنے وجود کا بھی احساس نہیں رہتا، یہ فناء کی کیفیت ہے مگر ہر سالک کی کیفیت مختلف ہوتی ہے۔فنا کے معنی معدوم ہوجانا یا مٹ جانا نہیں ہے بلکہ فنا کے معنی اپنی انانیت کو مٹا دینا ہے۔فنا کی حقیقت یہ ہے کہ انسان ماسوائے اللہ بھول جائے اور حق تعالیٰ کے سوا کسی اور کی گرفتاری میں نہ رہے۔اور سینہ و دل کا میدان خواہشوں سے پاک و صاف ہوجائے۔اس مراقبے کا مقتضیٰ کیا ہے (مقصد کیا ہے)؟

فنا کا اثر یہ ہے ہے کہ معاصی اور فضولیات کے متعلق تقاضہ فنا ہوجائے۔معاصی کی طرف سے بالکل میلان جاتا رہنا ضروری نہیں اور آسان بھی نہیں البتہ نفس کا تقاضہ کھونے کی ضرورت ہے۔فنا سے پہلے معصیت کی طرف سے نگاہ کا روکنا مشکل تھا اب معصیت کا قصد نہیں ہوتا، برائی سامنے آئے تو سر جھک جاتا ہے اس کا نام فنا ہے۔

بقاء :

فنا میں حال کا غلبہ ہوتا ہے۔بقاء میں آکر وہ حال مغلوب ہوجاتا ہے اور سکون ہوجاتا ہے۔اور وہ حالت مبتدی کی سی ہوتی ہے۔مگر فرق یہ ہے کہ پہلے خالی تھا اب پُر ہوگیا ہے۔پہلے فیض خود لیتا تھا۔اب اس سے دوسرے فیض لیتے ہیں۔فنا کی تین منزلیں ہیں۔

پہلی منزل:

صفات و خصائص ذاتی و اوصاف طبعی کی ہے تا کہ بندہ اتباع شریعت میں اپنی خواہشات کی بجائے اللہ کی مرضی پر عامل ہوسکے اور نفس امارہ کی خواہشات کو فناء کر کے احکام خداوندی پر عمل کر سکے۔

دوسری منزل:

یہ ہے کہ بندہ لذات حسیّ سے کنارہ کش ہوجائے۔فناء کی یہ منزل دینی اور باطنی زندگی سے متعلق ہے۔

تیسری منزل:

یہ ہے کہ یہ شعور بھی فناء ہوجائے کہ مجھے خدا کی حضوری حاصل ہے۔اس حالت میں اگرچہ مادی جسم باقی رہتا ہے مگر شخصیت فناء ہوجاتی ہے۔فناء کی اس آخری منزل پر پہنچ کر انسان باقی باللہ کے مرتبے پر فائز ہوجاتا ہے۔گو یا اس مراقبے کا تقاضہ یہ ہے کہ سالک اپنے ارادے اور اپنی پسند کو فناء کردے۔اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور اس کی پسند باقی رہے۔

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں

فناء اور بقا شہودی ہے (مشاہدہ) وجودی نہیں ہے۔کیونکہ بندہ فناء نہیں ہوتا نہ ہی حق تعالیٰ کے ساتھ متحد ہوتا ہے۔بندہ ہمیشہ بندہ ہے اور رب ہمیشہ رب۔فناء کی حقیقت یہ ہے کہ انسان ماسوائے اللہ بھول جائے اور حق تعالیٰ کے سوا کسی اور کی گرفتاری نہ رہے اور سینہ و دل کا میدان اپنی تمام مرادوں اور خواہشوں سے پاک وصاف ہو جائے۔

مراقبہ سیر کعبہ:

تعلق معہ اللہ کے مختلف درجے ہیں۔ابتدا میں سالک کو اس تعلق کی ضرورت کا احساس ہوتا ہے۔پھر وہ تدابیر اختیار کرتا ہے۔جس سے تعلق معہ اللہ پیدا ہو۔پھر ترقی کرکے اور راسخ ہوجائے۔اس رخ بڑھنے کو اصطلاح میں ''سیر'' کہا جاتا ہے۔پھر اس سیر کے بڑے بڑے دو حصے ہیں۔

1- سیر الی اللہ

2- سیر فی اللہ

1- سیر الی اللہ:

اس کی تفصیل یہ ہے کہ نفس کے امراض کا علاج شروع کیا، شفاء ہوئی تو ذکر وشغل (ذکر خفی) سے اس کو قوی بنایا۔باطن انوارِ ذکر سے معمور ہوگیا۔رکاوٹیں دور ہو گئیں۔نیکی کی طرف رغبت بڑھنے لگی۔عبادات میں سہولت ہونے لگی۔حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کی فکر لگ گئی، گو یا اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہوگیا، نسبت حاصل ہوگئی۔

2- سیر فی اللہ:

اللہ تعالیٰ کی صفات میں تفکر وتدبر ہونے لگا تو حسب استعداد صفات کا انکشاف ہونے لگا۔سیر فی اللہ اسکی صفات میں تفکر ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت مسجودیت (سجدہ اس کے لئے ہے) کے مظہر کے طور پر کعبہ کا انتخاب کیا ہے۔حجرہ اسود سے طواف شروع کرکے ہر چکر میں یہ تجدید عہد کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ میری توجہیات، میری کوشش، میرے عمل کا مقصد تیری رضا کا حصول ہے۔سجدے کی حالت انسان کے انتہائی عجز اور تذلیل کی صورت ہے۔مگر اس صورت کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا انسان کو اپنے رب سے زیادہ قرب اس حالت میں ہوتا ہے جب وہ اپنا سر نیاز زمین پر اپنے رب کے سامنے رکھتا ہے۔

توسجدہ کیا ہے؟

انتہائی پستی کی حالت میں انتہائی بلندی کا حصول۔اس مقام پر سالک کی روح مقام ملتزم سے چمٹ کر رو رو کر التجا کرتی ہے۔پھر حجرہ اسود سے طواف شروع اور اس عہد کی تجدید ہوتی ہے کہ میرا مقصد تیری رضا کا حصول ہے۔مغفرت کا تعلق گناہ سے ہے اور گناہ کا صلہ عذاب ہے۔گناہ کا علاج توبہ ہے اور توبہ کا محرک ایمان باللہ ہے۔یعنی نجات کا مدار ایمان پر ہے۔عمل کے بغیر ایمان بےکار اور ایمان کے بغیر عمل بےکار۔درجات کا مدار ایمان کے بعد عمل صالح پر ہے۔جب ایمان باللہ موجود ہے تو مغفرت کی توقع ظاہر ہے اور جب مغفرت ہوگی تو نجات یقینی ہے۔

مراقبہ سیر صلواۃ

طہارت باطنی بھی کرلی۔اور سجود حقیقی کی صفت سجودیت کے مظہر کے گرد طواف بھی کرلیا۔اب آگے قدم بڑھانا ہے کہ صرف سجدہ کرنا مطلوب نہیں ہے بلکہ اس طرز خاص سے سجدہ مطلوب ہے جو مسجود حقیقی نے بتایا ہے اور اس کے آخری رسول خاتم النبیین ﷺ نے سکھایا ہے۔اس طریقے سے سجدہ کرنے کا نام صلواۃ ہے۔اس مراقبے میں سالک کو چار باتوں پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے۔

1۔ یہ کہ مظہر مسجودیت سامنے ہو اور توجہ ذات کی طرف۔

2۔ اظہار عجز کے لئے ترتیب ملحوظ ہو

3۔ حالت رکوع میں

4۔ حالت سجود میں

ہر حالت میں سالک کے سامنے مالک کی رضا ہو۔اور دل میں اس کی محبت ہو۔دائمی توجہ مومن کی معراج ہے۔یہی رب الٰہی کی کیفیات کی سیر ہے جو کبھی بھی ختم نہیں ہوتی۔

مراقبہ سیر قرآن

اس مراقبے میں سالک سب سے پہلے نُزول قرآن کی حقیقت پر غور کرتا ہے۔عمل نزول کی صورت سالک کو یوں محسوس ہوتی ہے جیسے اس کے دو حصے ہیں۔
حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے قلب اطہر پر قرآن پاک کا نُزول ہو رہا ہے اور وہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے قلب اطہر سے قرآن پاک کا فیض دو صورتوں میں حاصل کرتا ہے۔

1۔ لسان نبوت سے

2۔ علمائے ربانی کی وساطت سے الفاظ قرآن کا فیض سالک کے قلب پر آ رہا ہے۔

اس مراقبے کا مقصد سالک کو اپنی ذات کا جائزہ قرآن پاک کے آئینہ میں لینا ہوتا ہے۔ذاتی اصلاح کے بعد دعوت تبلیغ پر توجہ مرکوز کرے۔علم وعمل کی جو دولت اس کتاب ہدایت سے یعنی قرآن پاک سے حاصل ہوتی ہے اس کو ذخیرہ کر کے نہ رکھے،اس کو پھیلائے عام کرے اور دوسرں تک پہنچائے۔۔

مراقبہ روضہ اطہر

اس مراقبے کا وظیفہ صلواۃ وسلام ہے۔اس کی کیفیت یہ ہے کہ سالک اپنے آپ کو انتہائی ادب کے ساتھ روضہ رسول خاتم النبیین ﷺ کے پاس کھڑا ہوا محسوس کرے اور روح کی زبان سے پورے ذوق وشوق کے ساتھ درود وسلام پڑھے۔اس کے ساتھ ساتھ سالک کے قلب میں ایک اور کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں۔(سورۃ انساء۔آیت نمبر 64)

''ترجمہ: اے نبی (خاتم النبیین ﷺ) جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں اور تیرے پاس آجائیں اور پھر آپ ان کے لئے مجھ سے دعائے مغفرت چاہیں تو وہ مجھ کو معاف کرنے والا غفور رحیم پائیں گے''۔

تو سالک سچے دل سے اپنے گناہوں کی معافی اللہ سے مانگتا ہے۔اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اس کی شفاعت فرمائیں۔اور اس دوران سالک کی روح کی زبان پر مسلسل درود وسلام رہتا ہے۔

مراقبہ مسجد نبوی یا دیار نبوی خاتم النبیین ﷺ

مراقبہ روضہ اطہر کے بعد مراقبہ دربار نبوی خاتم النبیین ﷺ کروایا جاتا ہے۔اس میں سالک یہ تصور کرتا ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ مسجد میں اپنے ممبر پر تشریف فرما ہیں اور ایک طرف صحابہ کرامؓ بیٹھے ہیں، پیچھے اولیاء کرام تشریف رکھتے ہیں اور وہ خود اولیاء کرام کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔نگاہیں جھکی ہوئی ہیں اور اللہ کی اس کرم ورحمت کے لیے سراپا شکر بنا ہوا ہے۔آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی ہے اور روح کی زبان پر درود شریف کے الفاظ رواں ہیں۔

کہاں میں اور کہاں دیر و حرم کا کشمکش نقشہ
کسی کے نقشِ پا پر رکھ دیا گھبرا کے سر میں نے

مراقبہ فنافی الرسول خاتم النبیین ﷺ

دربار نبوی خاتم النبیین ﷺ کی اس نورانی محفل میں سالک یہ محسوس کرتا ہے کہ جیسے اس کا سارا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے۔اور یہ کہ ہر ٹکڑے سے درود پاک کی آواز آ رہی ہے۔پھر کچھ دیر کے بعد یہ ٹکڑے اپنے اپنے مقام پر آجاتے ہیں اور اب سالک کی زبان پر درود تشریف آجاتا ہے۔جیسے کہ ہمیں معلوم ہے کہ فنا کے معنی اپنی انانیت کو مٹا دینا ہے تو جب فنا کے ساتھ فی الرسول کا اضافہ کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سالک اپنی پسند ناپسند کے اعتبار سے دستبردار ہو گیا ہے۔اور اس نے اپنی پسند کو نبی رحمت کی پسند کے ماتحت کر دیا ہے۔اس مراقبے سے سالک کی زندگی پر یہ اثر پڑتا ہے کہ محبت کا صرف سرکاری پیمانہ قابل قبول ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ

مَنۡ اَحَب سُنَّتِی فَقَدۡ اَحَبَّنِیۡ

ترجمہ: ’’جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی‘‘۔ (تاریخ ابن عساکر: ۳/۱۴۵) اگر یہ نہیں تو محبت نہیں صرف اداکاری ہے۔

سالک کی زندگی عملی طور پر آپ خاتم النبیین ﷺ کی پیروی اور اتباع کا نمونہ بن جاتی ہے۔ اور اسے اس بات کی فکر ہر وقت دامن گیر رہتی ہے کہ میں کس طرح اللہ تعالیٰ کے بندوں کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرسکتا ہوں۔

مراقبہ روحانی بیعت

یہ خصوصیت صرف نسبت اویسیہ میں پائی جاتی ہے۔ کیونکہ روح سے اَخذِ فیض اور اجرائے فیض اویسیہ نسبت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اجرائے فیض کا سب سے بڑا مرکز نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی ذات اقدس ہے یہ دولت جس طرح جسم رحمۃ العالمین خاتم النبیین ﷺ سے بنتی تھی۔ اس طرح روح رحمۃ العالمین خاتم النبیین ﷺ سے بنتی ہے۔ اور اس دولت کے باٹنے اور اس سے جھولیاں بھرنے کی صورت رب العالمین خاتم النبیین ﷺ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ یعنی (سورۃ فتح، آیت نمبر 10)

ترجمہ: "اے نبی جو لوگ آپ (خاتم النبیین ﷺ) کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ اللہ کے ہاتھ پر ہی بیعت کرتے ہیں‘‘۔

تو روح سے اَخذِ فیض کی یہی صورت اس مراقبے میں بیان کی گئی ہے۔ سالک کی روح میں لطائف کے راسخ ہونے اور مراقبات کی مشق سے قوت پرواز ہو چکی ہوتی ہے۔ اس لئے سالک کی روح دربان نبوی خاتم النبیین ﷺ میں حاضر ہوتی ہے اور نبی رحمت خاتم النبیین ﷺ کی روح اقدس کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا ہاتھ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے ہاتھ میں دے کر بیعت کا شرف حاصل کر لیتی ہے۔

تصوف کی دنیا میں سلوک کا یہ پہلا قدم ہے۔ اس مراقبے کا سالک کی عملی زندگی میں دو قسم کا اثر ہوتا ہے۔

1۔ اصلاح ذات

2۔ خدمت خلق

ایک تو اس کی اپنی ذات میں تبدیلی آجاتی ہے کہ اپنے محبوب پر نگاہ پڑتی رہتی ہے۔ جو اتنی بڑی تبدیلی ہے۔

ایک بزرگ کا قول ہے کہ:

ترجمہ: ’’خوش قسمت ہے وہ انسان جسے اپنے عیب دیکھنے سے فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ دوسروں کے عیوب کا کھوج لگاتا پھرے‘‘

دوسرا اثر یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ سے آشنا کرنے اور اس کے عذاب سے بچانے کی تدابیر اور عملی کوششوں میں اپنی ساری صلاحتیں کھپا دینے میں راحت محسوس ہوتی ہے۔ یہ وہ حالت ہے کہ گویا اب سالک فکری اور عملی اعتبار سے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے رنگ میں رنگ گیا ہے اور اس سے بڑی نعمت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

یاد رکھیں کسی کو اس کے مرشد کی طرف سے جو بہترین چیز دی جاتی ہے وہ احساسِ گناہ اور توبہ کی توفیق ہوتی ہے۔

****

مراقبہ،محاسبہ اور مجاہدہ

وہ اسباب جن سے ایک عارف اللہ کی راہ حاصل کر لیتا ہے

(1)مراقبہ (2)مشاہدہ (3)محاسبہ (4)مجاہدہ

مراقبہ: خالق پر اسطرح نظر رہے کہ مخلوق پر نظر پڑے ہی نا

مشاہدہ: واردات غیبیہ کا دل پر نُزول

محاسبہ: یعنی یہ معلوم کرتے رہنا کہ گزرا ہوا لمحہ حضوری میں گزرا یا غیر حضوری میں

مجاہدہ: اصل مجاہدہ نفس کی مخالفت ہے یعنی اپنے نفس کو ان اشیاء سے دور کرلو جن کے ساتھ اس کو اُلفت ہے۔

مراقبہ:

ہر ایک سانس ایک جو ہر بے مُول ہے اور دن رات میں چوبیس گھنٹے ہیں اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ''ہر شب و روز میں چوبیس خزانے ایک قطار میں پھیلائے جاتے ہیں۔اس لیے سستی،کاہلی اور آرام طلبی کو مت اپناؤ ورنہ درجات علیین میں تجھ سے وہ بات فوت ہو جائے گی جو دوسروں کو ملے گی اور ہمیشہ حسرت اور افسوس رہے گا''۔اس لیے بعض اکابر فرماتے ہیں کہ ہم نے مانا کہ گنہگار کی خطا معاف ہو جائے گی مگر یہ کہ ان کو محسنوں کا سا ثواب نہ ملے گا۔

مراقبے کی فضیلت:

حضرت جبرائیلؑ نے جو احوال احسان کا آنحضرت خاتم النبیین ﷺ سے پوچھا تو فرمایا کہ ''خدا تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گو یا تم اس کو دیکھتے ہو پس اگر یہ بات نہ بنے کہ تم اس کو دیکھتے ہو تو وہ تو تم کو دیکھتا ہی ہے''۔

ابن عطاؒ فرماتے ہیں کہ سب سے بہتر اطاعت ہمیشہ باری تعالیٰ کی ذات کا مراقبہ کرنا ہے کہ اس کی ذات سے نظر ہٹنے ہی نہ پائے۔ایک شخص نے حضرت جنیدؒ سے پوچھا کہ آنکھ کو بند کرلوں تو مدد کس سے لوں؟ آپؒ نے فرمایا کہ جس چیز کی طرف تو دیکھتا ہے تیری نظر اس پر بعد میں پڑتی ہے اس کی نگاہ حقیقی تجھ پر پہلے پڑ جاتی ہے۔

حضرت سہیلؒ فرماتے ہیں کہ ''بندے کے دل کو فضل اور شرف کسی چیز سے اتنا زیادہ حاصل نہیں ہوتا جتنا اس بات سے کہ اس کو یہ احساس رہے کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے''۔حضرت ذوالنونؒ سے کسی نے پوچھا کہ بندہ کس چیز سے جنت حاصل کر لیتا ہے انہوں نے فرمایا پانچ باتوں سے۔

1۔ استقامت جس میں کمی نہ ہو
2۔ دوسرے اجتہاد جس میں سہو نہ ہو
3۔ تیسرے ظاہر اور باطن میں خدا تعالیٰ کا مراقبہ
4۔ موت کا انتظار اور تیاری
5۔ نفس کا حساب لینا اس سے قبل کہ اس سے حساب لیا جائے۔

حمید طویل نے سلمان بن علیؒ سے کہا کہ مجھ کو کچھ نصیحت کرو انہوں نے فرمایا کہ ''جب تم گناہ کرتے ہو تو دو حال سے خالی نہیں ہوتے یا یہ گمان رکھتے ہو کہ خدا تعالیٰ تم کو دیکھتا ہے تب تو تم بڑی ہی جرأت کرتے ہو اور اگر یہ گمان ہے کہ وہ نہیں دیکھتا تو کافر ہو''۔

مراقبے کی حقیقت اور اس کے درجات:

عبدالواحد بن زیدؒ سے کسی نے پوچھا کہ اس زمانے میں سے کوئی ایسے شخص کے بارے میں بتایئے جو اپنے حال میں مشغول ہو کر خلق سے بے خبر ہو۔آپ نے فرمایا کہ ایک شخص کو جانتا ہوں جو ابھی تمہارے پاس آئے گا۔تھوڑی دیر گزری تھی کہ عتبہ غلام داخل ہوئے۔آپ نے اس سے پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو؟ انہوں نے کسی ایسی جگہ کا نام لیا جس کا راستہ بازار میں سے گزرتا تھا۔انہوں نے پوچھا بازار میں تم سے کون کون ملا تھا؟ انہوں نے جواب دیا میں نے بازار میں کسی کو نہیں دیکھا۔

بعض اکابر سے منقول ہے کہ میں ایک جماعت کے پاس سے گزرا وہ تیر اندازی کر رہے تھے۔اور ایک شخص ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھا ہوا تھا میں اس کی طرف بڑھ گیا اور چاہا کہ کچھ گفتگو کروں۔اس نے کہا کہ ''خدا تعالیٰ کا ذکر زیادہ خوشبودار ہے''۔میں نے پوچھا کہ آپ تنہا ہیں اس نے کہا کہ ''میرے ساتھ میرا پروردگار ہے اور دو فرشتے ہیں''۔میں نے پوچھا کہ تیراندازوں میں سے بڑھا ہوا کون ہے؟ اس نے کہا کہ ''جس کو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہو''۔میں نے پوچھا کہ ٹھیک راستہ کہاں کو ہے؟ اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور اٹھ کر یہ کہتا ہوا چل دیا ''تیری اکثر مخلوق تجھ سے غافل ہے''۔

حضرت شبلیؒ حضرت ابوالحسین نوریؒ کے پاس گئے دیکھا تو وہ ایک گوشے میں چپ چاپ دلجمعی سے بیٹھے ہیں کوئی چیز ظاہر میں حرکت نہیں کرتی۔ حضرت شبلیؒ نے فرمایا کہ تم نے یہ مراقبہ اور سکون کہاں سے سیکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے ہاں ایک بلی تھی جب شکار کرنا چاہتی تو بلوں کے پاس گھات لگا کر بیٹھ جاتی اور اپنا بال تک نہیں ہلاتی تھی۔ اس سے میں نے یہ طریقہ سیکھا ہے۔

ابوعبداللہ بن خصیفؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابوعلی رودباریؒ کی ملاقات کے لیے مصر سے رملہ کو جانے کا ارادہ کیا تو مجھ سے عیسیٰ بن یونس مصریؒ نے جو اپنے زہد میں بہت مشہور تھے کہا کہ موضع صور میں ایک نوجوان اور ایک ادھیڑ عمر آدمی مراقبے کی حالت میں جا بیٹھے ہیں اگر ان کو ایک نظر دیکھ لو تو غالباً تم کو نفع ہوگا۔ یہ سن کر میں موضع صور میں بھوکا پیاسا داخل ہوا، میری کمر میں ایک کپڑا بندھا ہوا تھا اور مونڈھے برہنہ تھے۔ مسجد میں جو گیا تو دو شخصوں کو دیکھا کہ قبلہ رخ بیٹھے ہوئے ہیں، میں نے سلام کیا انہوں نے جواب نہ دیا پھر دوبارہ، سہ بار سلام کیا، مگر جواب نہ سنا میں نے ان کو خدا کی قسم دی کہ سلام کا جواب دیں۔ نوجوان نے اپنی گدڑی سے سر اٹھایا اور میری طرف دیکھ کر کہا کہ ''اے خصیف کے لڑکے دنیا تھوڑی ہے اور تھوڑی میں سے اب اور تھوڑی رہ گئی ہے تو اس تھوڑی کو اور تھوڑا کر رہا ہے اور تجھے کتنا تھوڑا کام ہے کہ ہماری ملاقات کی فرصت پائی۔ پھر میری طرف ایک نظر دیکھا تو میری پیاس اور بھوک جاتی رہی اور ہمہ تن انہوں نے مجھ کو لے لیا۔ پھر جوان نے اپنا سر جھکا لیا، میں ان دونوں کے پاس یہاں تک رہا کہ ظہر اور عصر وہیں پڑھی۔ جب عصر پڑھ چکے تو میں نے کہا کہ مجھ کو کوئی نصیحت کرو اس جوان نے میری طرف دیکھا اور کہا ہم مصیبت والے ہیں ہم کو زبانِ نصیحت زیب نہیں۔ میں ان کے پاس تین دن رہا نہ کھایا، نہ پیا، نہ سویا۔ اس کے بعد میں نے اپنے جی میں کہا کہ میں ان کو قسم دوں کہ مجھ کو کچھ نصیحت کریں۔ شاید مجھ کو ان کی نصیحت مفید ہو۔ پس جوان نے پھر اپنا سر اٹھایا اور کہا کہ ''اے خصیف کے بیٹے ایسے شخص کی محبت لازم کر لینا جس کو دیکھنے سے تجھے خدا یاد آئے اور اس کی ہیبت تیرے دل پر پڑے۔ وہ تجھ کو زبان فعل سے نصیحت کرے زبان قول سے کچھ نہ کہے۔ وسلام اب آپ تشریف لے جائیں''۔

پس جن لوگوں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کی ذات کی تعظیم اور اس کا جلال غالب آ جاتا ہے ان کے مراقبے کا حال ایسا ہی ہوا کرتا ہے کہ ان میں کسی اور چیز کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ یہ لوگ مراقبے میں اول درجے پر ہوتے ہیں، دوسرا درجہ اصحاب میں ایسے پرہیزگاروں کا ہے کہ ان کے دلوں پر یہ بات یقیناً غالب ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ظاہر اور باطن پر مطلع ہے۔ مگر ملاحظہ جلال نے انہیں مدہوش نہیں کیا بلکہ ان کے دل حدِ اعتدال پر باقی رہے اور ان میں گنجائش اس بات کی بھی رہی کہ احوال اور اعمال پر نظر رکھیں۔ اس طرح بندوں کے مرتبے اللہ تعالیٰ کے ہاں مراقبوں میں مختلف ہوا کرتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ ''بندے کی ہر حرکت میں تین دفتر کھولے جاتے ہیں، کیوں کیا؟ کس طرح کیا؟ کس کے لیے کیا؟'' پس جب تک اپنے نفس، اپنے رب اور اپنے دشمن ابلیس کو نہ جانے گا تب تک سلامتی مراقبے میں نہ ہوگی۔ پس اللہ تعالیٰ کا حکم ہر بندے پر یہی ہے کہ جب کام کے واسطے قصد کرے اور اعضا سے اس لیے کوشش کرے تو اپنے نفس کا نگران رہے اور کام کے کرنے میں جلدی نہ کرے یہاں تک کہ نورِ علم سے ثابت ہو جائے کہ یہ کام اللہ ہی کے لیے کر رہا ہے۔ اگر اس کے پاس خود نُورِ علم نہیں تو کام کرنے سے پہلے علمائے دین کے نور سے اقتباس کرے مگر ایسے علماء کے پاس نہ جائے جو گمراہ کرنے والے اور دنیا پر متوجہ ہونے والے ہوں بلکہ ان سے ایسے بھاگے جیسا شیطان سے بھاگے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کی طرف وحی بھیجی کہ ''میرے بارے میں اس عالم سے سوال مت کرنا جس کو دُنیا کی محبت نے بدمست کر رکھا ہو وہ تجھ کو میری محبت سے الگ کر دے گا۔ ایسے لوگ میرے بندوں کے راہزن ہیں۔ پس جو دل دنیا کی محبت اور کثرت طمع کے باعث چوپٹ اندھیرے میں ہیں وہ خدا تعالیٰ کے نور سے محجوب ہیں۔ اس لیے کہ دلوں کے نور کا چشمہ ربوبیت ہے۔ پس جو شخص کہ اس سے منہ پھیر لے گا اس کو نور کس طرح حاصل ہوگا؟ اور جو شخص کہ شہوات دنیا سے عشق پیدا کرے گا اس کو وہ تجلی کب ملے گی؟۔ اس لیے مرید کی ہمت اول اسی طرف ہونی چاہیے کہ خود علم سیکھے اور عالم ایسا تلاش کرے جو دنیا سے رُوگرداں یا اس کی کم رغبت رکھنے والا ہو۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ''رزق دو طرح کے ہیں ایک جس کو تُو تلاش کرتا ہے اور ایک جو تُجھ کو تلاش کرتا ہے اور اگر تُو اس کو نہ پہنچے تو وہ تیرے پاس خود آئے۔ پس جو کچھ تُجھ کو دنیا سے ملے نہ اس پر خوش ہو اور ایسی چیز جو جاتی رہے نہ اس پر افسوس کر بلکہ تو شۓ آخر پر خوش ہو اور افسوس ایسی چیز پر کر جو پیچھے چھوڑ دی جائے گی اور آخرت میں مشغول رہ اور موت کے بعد کی فکر کر''۔

آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ جن میں وہ ہوں ان کا ایمان کامل ہے۔

1۔ اللہ تعالیٰ کے معاملات میں ملامت کرنے والوں کی ملامت سے خوف کرے۔

2۔ اپنے کسی عمل میں ریا نہ کرے۔

3۔ جب اس کو دو امر پیش آئیں ایک دنیا کا اور ایک آخرت کا تو آخرت کو دنیا پر اختیار کرے۔

پس اگر سب اُمور میں خدا تعالیٰ کا مراقبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی عبادت پر نیت، حسن فعل اور رعایت آداب کے ساتھ قادر ہو جائے گا۔ مثلاً اگر بیٹھا ہو تو چاہیے کہ قبلہ رخ بیٹھے اس لیے کہ آنحضرت خاتم النبیین ﷺ فرماتے ہیں ''بہتر نشست وہ ہے جو قبلہ رخ ہو'' اور چارزانو نہ بیٹھے اس لیے کہ بادشاہوں کے سامنے بیٹھنے کی یہ صورت نہیں ہوتی تو بادشاہ حقیقی جو اس کے حال کو دیکھتا ہے اسکے سامنے کیسے چارزانوں بیٹھے گا۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز چارزانو بیٹھ گیا۔ پس ایک ہاتف کو سنا جو کہتا تھا بادشاہوں کے سامنے تو اس طرح بیٹھا کرتا ہے اس کے بعد پھر کبھی میں چارزانو نہیں بیٹھا اور اگر سوئے تو اپنے داہنے ہاتھ پر قبلہ رخ ہو کر سوئے۔ اس طرح تمام اُمور میں آداب کا خیال رکھا جائے۔ حاصل یہ کہ بندہ تین حالت سے خالی نہیں یا طاعت میں ہوگا یا معصیت میں یا مباح میں ان تینوں حالتوں کے لیے تین مراقبے ہیں۔ ''طاعت'' میں مراقبہ یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ ادا کرے، آداب کا خیال رکھے اور آفات سے بچائے۔ ''معصیت'' ہو تو اس کا مراقبہ، توبہ، ندامت، حیا اور کفارہ میں مشغول ہونے سے کرے اگر ''مباح'' ہو تو اس کا مراقبہ ادب کی رعایت سے ہے اور پھر منعم کی نعمت کا شکر کرنے سے۔ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ مومن تین ہی باتوں کا طمع کرتا ہے۔

(1) یا توشہ آخرت کا (2) یا درستی معاش کا (3) یا جائز چیز کے دیکھنے کا۔

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ عاقل کے لیے چار ساعتیں ہونی چاہئیں۔

1۔ ایک تو وہ جس میں اپنے پروردگار سے مناجات کرے
2۔ ایک وہ کہ جس میں خدا تعالیٰ کی صفت میں فکر کرے
3۔ ایک وہ کہ جس میں کھانے پینے کے لیے فارغ ہو اس لیے کہ اس ساعت سے اس کو باقی ساعتوں پر مدد ملے گی۔
4۔ پھر یہ ساعت جس میں آدمی کے اعضا کھانے پینے میں مصروف ہوں یہ بھی کسی افضل اعمال سے خالی نہیں رہنی چاہیے، اس میں بھی ذکر اور فکر کرنا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مراقبہ بندے کی ایسی حالت کا نام ہے جس میں وہ ذات باری تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ یعنی واردات غیبیہ کا دل میں نزول ہو رہا ہو۔

کسی بزرگ کا قول ہے کہ ''اپنے پیٹ بھوکے رکھو، حرص کو چھوڑ دو، جسموں کی زیبائش نہ کرو، تمناؤں کو گھٹاؤ، جگر پیاسے رکھو، دنیا سے کنارہ کشی کرو، تاکہ تمہارے دل اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کر سکیں۔''

صوفیہ کرام کے نزدیک لفظ مشاہدہ سے مراد جلوت اور خلوت میں چشم دل سے اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔

حقیقت مشاہدہ کی دو صورتیں ہیں ایک صحت یقین دوسرے غلبہ محبت یعنی دوست محبت کے مقام میں اس درجہ کو پہنچ جائے کہ وہ ہمہ تن دوست کا ذکر بن جائے۔

محاسبہ:

سورہ الحشر، آیت نمبر 18 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

ترجمہ: ''اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور ہر ایک دیکھے کہ اس نے کل کے واسطے کیا بھیج رکھا ہے''۔

اس آیت میں گزشتہ اعمال پر محاسبہ کرنے کا اشارہ ہے اور اسی لیے حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ ''اپنے نفسوں سے حساب لو قبل اس کے کہ تم سے حساب لیا جائے''۔

حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ ''مومن اپنے نفس پر ناظم ہوتا ہے اِس لیئے خدا تعالیٰ کے واسطے اس سے حساب لیا کرو ان لوگوں پر حساب ہلکا ہوگا جنھوں نے دنیا میں اپنے نفسوں سے حساب لیا اور قیامت کو سخت حساب ان لوگوں کا ہوگا جنھوں نے اپنے کاموں کو بے محاسبہ کیا۔

مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حجاج کا خطبہ سنا وہ کہتا تھا ''اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جو اپنے نفس کا حساب لے اس سے قبل کہ اس کا حساب دوسرے کے قبضے میں چلا جائے''۔ اپنے نفس سے پہلے فرائض کا حساب لے کہ جیسا چاہیے تھا ویسا ان کو ادا کیا ہے یا نہیں؟ صورت اول میں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے اور نفس کو رغبت دلانی چاہیے کہ آئندہ بھی ایسا ہی کرے۔ اگر ادا ہی نہیں کیا تو قضا کرے اور اگر ناقص ادا کیا ہے تو تلافی نوافل کی زیادتی سے کرے۔

ایک بزرگ کے حال میں لکھا ہے کہ موضع رقہ میں رہتے تھے اور اپنے نفس کا محاسبہ کیا کرتے تھے ایک روز انہوں نے اپنی عمر کا حساب کیا تو ساٹھ برس کی نکلی۔ ان کے دن گنے تو اکیس ہزار 5 سو دن ہوئے ایک چیخ ماری کہ ہائے افسوس اللہ تعالیٰ سے اکیس ہزار پانچ سو گناہوں کے ساتھ ملوں گا اور ہر روز دس ہزار گناہ ہوں گے تو کیا کروں گا پھر بے ہوش ہو کر گر پڑے اور اس حالت میں وفات پا گئے۔ لوگوں نے سنا کوئی کہنے والا کہتا تھا لے اب فردوس بریں کو چلا جا۔

پس اسی طرح اپنے سانسوں کا حساب اپنے نفس سے کرے اور جو نافرمانی قلب اور اعضا سے سرزد ہو جائے، اس کا حساب کرے اور توبہ کرے اگر بندہ ہر گناہ پر اپنے گھر میں ایک کنکر ڈال دیا کرے تو اس کا گھر تھوڑے ہی دنوں میں کنکروں سے بھر جائے گا۔ اتنی خطائیں کرتا ہے مگر خطاؤں کو یاد کرنے میں سستی کرتا ہے حالانکہ فرشتہ (بائیں

طرف والا) اس کے گناہ لکھتا رہتا ہے۔

قصور کے بعد نفس کی تادیب (باز پرس):

جب آدمی اپنے نفس کا حساب کرے اور ارتکاب گناہ اور قصور سے خالی نہ ہوا اور خدا تعالیٰ کے حقوق میں سستی ثابت ہو تو چاہیے کہ اس کو مہلت نہ دے۔ اس لیے کہ مہلت دے گا تو گناہوں کا کرنا اس پر اور آسان ہو جائے گا اور گناہوں سے اس کو ایسا انس ہو جائے گا کہ پھر باز آنا دشوار ہو جائے گا۔

روایت ہے کہ غزوانؒ اور حضرت ابو موسیٰؒ ایک ساتھ کسی جہاد میں تھے کوئی عورت ظاہر ہوئی، غزوانؒ نے اس کی طرف دیکھا پھر اپنا ہاتھ اٹھا کر اپنی آنکھوں پر اس زور سے طمانچہ مارا کہ آنکھ بیٹھ گئی اور کہا کہ تو ایسی چیز کو دیکھتی ہے جو تیرے لیے مضر ہے۔ منقول ہے کہ حسان بن ابی سنانؒ ایک دریچے پر گزرے اور منہ سے نکلا کہ یہ کب بن گیا؟ پھر اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوئے کہ بے فائدہ سوال کیوں کیا؟ تجھے کیا کہ کب بنا اب تیری سزا یہ ہے کہ پورے ایک سال کے روزے رکھتا کہ تجھے عادت بے قاعدہ سوالوں کی نہ رہے۔ مالک بن ضیغمؒ کہتے ہیں کہ عرماح قیسیؒ میرے والد سے ملنے کے لئے عصر کے بعد آئے ہم نے کہا کہ وہ سو رہے ہیں کہا کہ "اس وقت سو رہے ہیں؟ یہ وقت سونے کا ہے کیا"؟ پھر چلے گئے۔ ہم نے ان کے پیچھے ایک آدمی بھیجا اور پوچھا کہ اگر آپ کہیں تو ان کو جگا دیں۔ وہ آدمی واپس آ گیا اور آکر بتایا کہ "وہ اور ہی دھن میں تھے۔ میری بات سمجھنے کی ان کو فرصت نہ تھی میں نے دیکھا کہ وہ قبرستان میں گئے اور اپنے نفس پر عتاب کیا اور کہا کہ تو نے یہ کیوں کہا کہ یہ سونے کا وقت ہے؟ تیرے ذمہ کیا یہ کہنا واجب تھا؟ جس وقت آدمی چاہے سو رہے تو کون اور تو کیا جانے کہ سونے کا وقت ہے کہ نہیں تو نے ایسی بات کیوں کہی جو تو نہیں جانتا؟۔ اب خبردار رہ کر میں خدا تعالیٰ سے پکا عہد کرتا ہوں کہ سونے کے واسطے ایک برس تک زمین پر کمر نہ لگاؤں گا۔ بشرطیکہ کوئی مرض حائل نہ ہو جائے یا عقل میں فتور نہ آ جائے۔ ارے بے حیا تجھے شرم نہ آئی تو کب تک اوروں کو دیکھے گا اور نصیحت کرے گا اور اپنی گمراہی سے باز نہ آئے گا یہ کہتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے ان کو خبر نہ تھی کہ میں بھی وہاں موجود ہوں۔ جب میں نے ان کا یہ حال دیکھا تو ان کو اسی کیفیت میں چھوڑ کر واپس آ گیا"۔

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے ایک طویل حدیث پاک مروی ہے کہ حضرت جبریل امین عَلَیْہِ السَّلَام بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور چند سوالات کیے، اُن میں سے ایک سوال یہ تھا کہ ''یارسولَ اللہ (خاتم النبیین ﷺ)! اِحسان کیا ہے؟'' آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے ارشاد فرمایا: ''تم اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی اس طرح عبادت کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تمہیں ضرور دیکھ رہا ہے۔'' (بخاری)

علامہ ابو القاسم عبد الکریم ہوازن قشیری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: ''حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا یہ فرمانا کہ اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تمہیں ضرور دیکھ رہا ہے۔ مراقبہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ مراقبہ بندے کے اس بات کو جاننے (اور یقین رکھنے) کا نام ہے کہ ربّ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے"۔

وہب بن منبہؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے مدت تک عبادت کی پھر اس کو کچھ حاجت اللہ تعالیٰ سے ہوئی اس لیے ستر ہفتے تک ریاضت کی کہ ایک ہفتے میں گیارہ خرمے کھاتے تھے پھر اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت کی درخواست کی اللہ تعالیٰ نے قبول نہ فرمائی انہوں نے اپنے نفس کو مخاطب ہو کر کہا کہ " تو نے جیسا کیا ویسا پایا، اگر تجھ میں کچھ خیر ہوتی تو حاجت پوری ہوتی"۔ اسی وقت اس کے پاس ایک فرشتہ آیا اور کہا کہ ''اے ابن آدم تیری یہ ایک ساعت تیرے تمام گزشتہ زمانے کی عبادت سے بہتر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے تیری حاجت پوری کی''۔

حضرت وہب بن منبہ ؒ کوئی بات اپنے نفس کی بُری معلوم ہوتی تو اپنی چھاتی کے چند بال اکھاڑ لیتے اور جب تکلیف زیادہ ہوتی تو اپنے نفس سے کہتے "میں تیرا ہی بھلا چاہتا ہوں"۔ غرض یہ کہ احتیاط والے اپنے نفسوں کو یوں سزا دیا کرتے تھے۔

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ آدمی اپنے غلام لونڈی، زن و فرزند کو تو بری عادت کے شروع کرنے پر یا قصور صادر ہونے پر سزا دیتا ہے اور ڈرتا ہے کہ اگر درگزر کر جاؤں گا تو کہیں یہ لوگ میرے ہاتھ سے نہ نکل جائیں اور سر نہ چڑھ جائیں۔ پھر اپنے نفس کو کیسے جانے دیتا ہے وہ تو سب سے بڑا دشمن اور زیادہ سرکش ہے۔ زن و فرزند کی سرکشی کو اس کی سرکشی سے کیا نسبت، لیکن عقل ہو تو جانے کہ دنیا کا عیش ہیچ ہے۔

مجاہدہ:

جب نفس سے حساب لیا اور اس کو مرتکب کسی گناہ کا پایا تو فوراً سزا دے، دیکھے کہ کاہلی کے باعث کسی وظیفے یا مستحب میں سستی ہوئی ہے تو چاہیے کہ اس کی تادیب اسی طرح کرے کہ وظیفوں کا بوجھ اس پر لاد دے، یہی دستور سلف کے عمل کرنے والوں کا تھا، جب خدا تعالیٰ کے لیے کام کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر ؓ کو جب عصر کی نماز جماعت سے نہ ملی تو نفس کو یہ سزا دی کہ ایک زمین جس کی قیمت 2 لاکھ درہم تھی صدقہ کر دی، ایک بار مغرب کی نماز کو اتنی دیر ہوئی کہ دو ستارے نکل آئے تو

دو غلام آزاد کئے۔ ابن ابی ربیعہ کی فجر کی سنتیں قضا ہو گئیں تو آپ نے ایک غلام آزاد کیا اور سب سے زیادہ نافع علاج یہ ہے کہ کسی ایسے بندے کی صحبت کا جو عبادت میں خوب جدوجہد کرتا ہو اس کی اقتدا کرے۔ بعض اکابر کا کہنا ہے کہ جب عبادت میں مجھ کو سستی پیش آتی میں محمد بن واسعؒ کا حال اور ان کا مجاہدہ دیکھتا۔ ایک ہفتہ ایسا ہی کرتا پھر سستی جاتی رہتی۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا اور ان میں سے ایسی جماعتوں کے ساتھ رہا کہ وہ دنیا کی کسی چیز کے آنے سے خوش نہ ہوتے تھے اور نہ کسی چیز کے جانے کا غم کرتے تھے۔ دنیا ان کے نزدیک اس مٹی سے بھی زیادہ ذلیل تھی جو ان کے پیروں کو لگ جاتی تھی۔ ان کو میں نے کتاب اللہ اور حدیث پر عامل پایا جہاں رات ہوئی وہاں پر کھڑے ہو گئے، چہروں کو زمین پر رگڑتے اور رخساروں پر آنسو بہاتے کہ آخرت میں رہائی پائیں۔ جب کوئی اچھی بات کرتے تو شکر کرتے اور خوش ہوتے جب کوئی برائی سرزد ہو جاتی تو غمگین ہوتے اور اللہ سے معافی مانگتے۔

حکایت ہے کہ کچھ لوگ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو بیماری کی حالت میں دیکھنے کے لیے گئے۔ آپؒ نے دیکھا کہ ان میں ایک شخص نہایت دبلا ہے آپ نے اس سے پوچھا تیری یہ صورت کیوں ہے؟ اس نے کہا امیر المومنین بیماریوں نے گھیر رکھا ہے آپؒ نے کہا کہ میں ''تجھ کو خدا کے واسطے سے پوچھتا ہوں سچ بتا''؟۔ اس نے جواب دیا کہ ''سچ یہ ہے کہ میں نے دنیا کی حلاوت چکھی تو اس کو تلخ پایا پھر یہ میری نظروں میں حقیر ہو گئی مجھ کو سونا اور پتھر یکساں نظر آنے لگے۔ اب یہ حال ہے گویا اللہ جل شانہ کے عرش کے پاس ہوں اور لوگ جنت اور دوزخ میں داخل کئے جا رہے ہیں۔ اسی خوف سے تمام دن پیاسا رہتا ہوں اور تمام رات جاگتا رہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے ثواب و عتاب کے سامنے یہ حال جس میں، میں رہتا ہوں کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا''۔ اکابر سلف فضول کلام کی طرح فضول نظر کو بھی برا سمجھتے تھے۔ محمد بن عبد العزیزؒ کہتے ہیں کہ احمد بن زرینؒ کے پاس ہم صبح سے عصر تک بیٹھے مگر انہوں نے اپنے دائیں طرف دیکھا نہ بائیں طرف ان سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ "اللہ نے دو آنکھیں اس واسطے دی ہیں کہ بندہ ان سے عظمت الٰہی کو دیکھے"۔

حضرت ابو درداؓ فرماتے ہیں کہ اگر تین باتیں نہ ہوتی تو میں ایک روز کی زندگی بھی اچھی نہ جانتا-- ایک دوپہر میں خدا کے لیے پیاسا رہنا، آدھی رات میں سجدہ کرنا، ان لوگوں کے پاس بیٹھنا جو اچھی باتوں کو ایسے چھانٹ لیتے ہیں جیسے گرمی میں اچھے خرما کو چھانٹا کرتے ہیں۔

حضرت ثابت بنانیؒ کے حال میں ہے کہ انہیں نماز بہت عزیز تھی، اسی لیے دعا مانگا کرتے تھے ''الٰہی اگر تو کسی کو قبر میں نماز کی اجازت دے تو مجھے بھی دے دینا''، حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سری سقطیؒ سے زیادہ عابد کسی کو نہیں دیکھا کہ 98 (اٹھانویں) برس کی عمر میں بھی بجز مرض موت کے کبھی کسی نے ان کو لیٹے نہیں دیکھا تھا۔ عبد الواحد بن زیدؒ کہتے ہیں کہ میرا گزر ایک چین کے راہب کے پاس ہوا میں نے اسے راہب کہہ کر پکارا تو اس نے جواب نہ دیا، دوبارہ پھر میں نے کہا اور راہب وہ پھر نہ بولا، سہ بارہ پھر کہا تو وہ سر نکال کر بولا "میاں میں راہب نہیں ہوں، راہب تو وہ ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ سے ڈرے اور اس کی تعظیم کرے اس کی قضا پر راضی رہے۔ اس کی نعمتوں کا شکر کرے اس کی عظمتوں کے ساتھ تواضع کرے، اس کی عزت کے مقابل ذلیل رہے، اپنے نفس کو اس کی قدرت کے حوالہ کرے، اس کی ہیبت سے ڈرے، اس کے حساب اور عذاب میں تامل کرے، دن کو روزہ رکھے اور رات کو کھڑا رہے، دوزخ کی یاد اور خدائے تعالیٰ سے مانگنا اس کو سونے نہ دے، راہب تو اسی کو کہتے ہیں اور میں تو ایک باؤلا کتا ہوں اپنے آپ کو اس عبادت خانے میں بند کر لیا ہے تاکہ لوگوں کو کاٹ نہ کھاؤں۔ میں نے پوچھا کہ پھر کس چیز نے لوگوں کو خدا تعالیٰ سے الگ کر رکھا ہے، پہچاننے کے بعد کیوں منحرف ہیں؟۔ اس نے کہا کہ ''برادر خلق کو جو خدا تعالیٰ سے علیحدہ کیا ہے تو صرف دنیا کی محبت اور اس کی زینت نے کیا ہے، دنیا ہی گناہوں اور معاصی کی جگہ ہے۔ ہوشیار وہ ہے جو دنیا کو اپنے دل سے نکال کر پھینک دے اور خدا تعالیٰ کے سامنے اپنے گناہوں سے توبہ کرے اور ایسی باتوں پر توجہ دے جو خدا تعالیٰ سے نزدیک کر دیں''۔

حضرت ربیعؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت اویس قرنیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کو نماز فجر پڑھ کر بیٹھا ہوا پایا، میں بھی بیٹھ گیا اور دل میں کہا کہ ان کے وظیفے میں حرج نہیں ہونا چاہیے، آپ اپنی جگہ سے نہ ملے یہاں تک کہ ظہر پڑھی اور ظہر کے بعد عصر تک برابر نوافل پڑھتے رہے۔ بعد نماز عصر پھر اپنی جگہ بیٹھ گئے اور مغرب تک بیٹھے رہے، نماز مغرب کے بعد نوافل پڑھتے رہے یہاں تک کہ عشاء پڑھی۔ پھر اسی جگہ جم گئے یہاں تک کہ صبح پڑھی، صبح کی نماز پڑھ کر بیٹھے بیٹھے سو گئے، کچھ دیر کے بعد آنکھیں کھولیں اور فرمایا الٰہی ''میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے ایسی آنکھوں سے جو سو جائیں اور ایسے شکم سے جو سیر نہ ہو''، میں نے سوچا کہ مجھ کو ان سے اسی قدر سبق کافی ہے، پھر میں واپس آ گیا''۔

ثابت بنانیؒ کہتے ہیں کہ "میں ایسے لوگوں سے ملا ہوں جو نماز پڑھتے پڑھتے اتنا تھک جاتے تھے کہ اپنے بستروں پر گھٹنوں کے بل آسکتے تھے"۔

ابو بکر مطوعیؒ کہتے ہیں کہ "میں جوانی میں ایک رات میں اکتیس ہزار مرتبہ قل ھو اللہ پڑھا کرتا تھا۔ ابو منصور بن معتمرؒ ایسے حال سے رہتے کہ کوئی دیکھتا تو کہتا کہ

اس شخص پر کوئی بھاری مصیبت آن پڑی ہے حال یہ رہتا کہ آنکھیں نیچے کو آواز پست اور ہر وقت چشم تر، اگر ذرا ہلا تو آٹھ آٹھ آنسو گریں، ان کی ماں ان سے کہتی کہ ''تو کیا کرتا ہے، تمام رات روتا ہے کیا تو نے کوئی خون کر دیا ہے"؟ وہ جواب دیتے "اے ماں میں ہی جانتا ہوں جو میں نے اپنے نفس پر کیا ہے"؟۔

کسی نے عامر بن عبداللہؒ سے پوچھا کہ شب بیداری اور دوپہر کی پیاس پر کیسے صبر کرتے ہو؟ انہوں نے فرمایا کہ "دن کے کھانے کو رات پر ٹال دیتا ہوں اور رات کے سونے کو دن پر ٹال دیتا ہوں"، وہ فرمایا کرتے تھے کہ "جنت کی مثل کوئی چیز نہیں کہ جس کا طالب سوتا ہے اور نہ دوزخ کی مثل کہ اس سے گریز کرنے والا سوتا ہے"۔

ایک شخص حضرت علی کرم اللہ وجہ‘ کے ساتھیوں میں سے راوی ہیں کہ میں نے آپؓ کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی، سلام پھیرا تو اپنی دائیں طرف کو پھر گئے، کچھ غم کا اثر چہرے پر تھا آفتاب کے نکلنے تک ویسے ہی بیٹھے رہے، پھر اپنا ہاتھ پلٹا اور فرمایا کہ "بخدا میں نے اصحاب محمد خاتم النبیین ﷺ کو دیکھا ہے اور آج ان کی مثل کوئی کام نہیں پایا جاتا۔ وہ صبح کو میلے زرد رنگ، الجھے بال لیے اٹھتے اور رات کو سجدہ و نماز میں کاٹ دیتے اور خدا کی کتاب پڑھتے۔ وہ پاؤں اور پیشانی پر زور دیتے اور جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تو ایسے ہلتے جیسا درخت تند ہوا کے وقت ہلتا ہے اور ان کی آنکھوں سے آنسو اتنے گرتے کہ ان کے کپڑے تر ہو جاتے اور اب لوگوں کا یہ حال ہے کہ خوب غافل ہو کر سوتے ہیں"،

حضرت علیؓ ہی کا قول ہے کہ "شب بیداروں کی علامت یہ ہوتی ہے کہ رنگ زرد، آنکھیں چندھی، ہونٹ خشک اور ان پر خشوع والوں کی طرح غبار ہوتا ہے۔

حضرت حسنؒ سے کسی نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ تہجد گزار شخصوں کے چہرے اچھے ہوتے ہیں"، آپؒ نے فرمایا کہ ’’اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ تنہائی میں ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنے نور میں سے نور پہنا دیتا ہے‘‘۔

حضرت عامر بن عبدالقیسؒ فرمایا کرتے تھے کہ "الٰہی تُو نے مجھ کو پیدا کیا تب بھی مجھ سے مشاورت نہ لی، موت دے گا تب بھی خبر نہیں فرمائے گا، میرے ساتھ ایسا دشمن پیدا کیا کہ میری رگوں میں پھرتا ہے اور وہ مجھ کو دیکھتا ہے اور میں اس کو نہیں دیکھتا اور پھر تُو مجھ کو کہتا ہے کہ گناہ سے رکا رہے؟، الٰہی بھلا میں کیسے رکوں اگر تو مجھ کو نہ روکے اور رکنے میں میری مدد نہ کرے، الٰہی دنیا میں رنج و غم ہے اور آخرت میں حساب تو راحت کہاں ہے؟ مجھے معاف فرما دے"۔

بعض حکما کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ اس کے انعام کے باعث ان کو پہچان گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا سینہ کھول دیا ہے، وہ اللہ کی اطاعت اور اسی پر توکل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے خلق اور امر اکو اسی کے حوالے کیا ہے۔ اس لیے کہ ان کے دل حکمت کے گھر، عظمت کے صندوق اور قدرت کے خزانے ہو گئے ہیں، حال ان کا یہ ہے کہ آمدورفت تو لوگوں میں رکھتے ہیں اور ان کے دل ملکوت میں جولانیاں کرتے ہیں اور محجوب غیب میں پناہ لیتے ہیں پھر وہاں سے جو پھرتے ہیں تو ان کے ساتھ تازہ تازہ لطائف اور فوائد ہوتے ہیں جن کا وصف کوئی بیان نہیں کر سکتا، وہ لوگ باطن کی خوبی میں حریر جیسے ہیں۔ ہر ایک سے بتواضع پیش آتے ہیں اور یہ طریق ایسا ہے کہ بازور نہیں مل سکتا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک فضل ہوتا ہے وہ جس کو چاہے دے دے۔ پس اگر تمہارا نفس سرکشی کرے اور عبادت سے باز رہے تو ان لوگوں کے حال کا مطالعہ کرو کیونکہ ایسے لوگوں کا وجود نایاب ہو گیا ہے۔ اس لیے اگر ایسے لوگوں تو دیکھنا نصیب ہو جائے اور دیکھ کر اقتدا کر لی جائے تو کیا ہی کہنا، دیکھنے کا اثر اقتدا میں زیادہ ہوتا ہے اور دیکھنے سے عاجز ہو کہ نایاب ہو گئے ہیں تو ان کے احوال سننے سے تُو عاجز نہ ہو۔

اب تھوڑا سا حال کچھ عابدو زاہد عورتوں کا ہو جائے۔

1- حضرت حبیبہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت حبیبہ عدویہؒ کا معمول تھا کہ عشا پڑھ چکتیں تو اپنی چھت پر کھڑی ہو جاتیں اور کہتیں "الٰہی ستارے چھٹک پڑے اور آنکھیں سو گئیں، بادشاہوں نے اپنے دروازے بند کر لیے، ہر ایک حبیب اپنے حبیب کے ساتھ تنہا ہوا اور میں تیرے سامنے کھڑی ہوں"۔ پھر نوافل پڑھتیں رہتیں یہاں تک کہ فجر ہو جاتی، فجر کے بعد کہتیں "الٰہی رات نے منہ موڑ لیا اور دن روشن ہو گیا، مجھے معلوم نہیں کہ میری یہ رات قبول کی گئی ہے کہ اپنے آپ کو مبارک باد دوں یا نامنظور کی ہے اور اپنے آپ سے تعزیت کروں، قسم ہے تیری عزت کی جب تک تو مجھ کو باقی رکھے گا، اپنا طریقہ یہی رکھوں گی اور اگر تو اپنے دروازے سے مجھ کو جھڑک دے گا تو میں ہرگز نہ ٹلوں گی۔ اس لیے کہ تیرے کرم اور جود کے سوا کچھ نہیں"۔

2- حضرت شعوانہؒ:

یحییٰ بن بسطامؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت شعوانہؒ کی مجلس میں حاضر ہوتا اور ان کی فریاد اور زاری کو دیکھتا، ایک بار میں نے اپنے دوست کے ساتھ مل کر مشورہ

کیا کہ جب آپ تنہا ہوں تو آپ کو کم رونے کا مشورہ دیں، وہ ہماری بات سن کر رونے لگیں، پھر کہا کہ "میں تو یہ چاہتی ہوں کہ اتنا روؤں کہ میرے بدن میں ایک آنسو کے برابر پانی نہ رہے، پھر خون کے آنسو رویا کروں یہاں تک کہ جسم کے کسی عضو میں ایک قطرہ خون باقی نہ رہے، مگر مجھے رونا کہاں آتا ہے؟، میں کب روتی ہوں؟، اسی جملہ کو کہتی رہیں کہ میں کب روتی ہوں"؟ اور بیہوش ہوگئیں۔ محمد بن معاذؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک عابدہ عورت نے بیان کیا کہ "میں نے خواب میں دیکھا کہ جنت میں داخل ہو گئی ہوں اور دیکھتی ہوں کہ تمام اہل جنت اپنے اپنے دروازوں پر کھڑے ہیں میں نے پوچھا، جنت والے کیوں کھڑے ہیں مجھ سے کسی نے کہا کہ ایک عورت کے انتظار میں کھڑے ہیں جس کے لیے کئی جنتیں آراستہ کی گئیں ہیں، میں نے پوچھا کہ وہ کونسی عورت ہے، مجھے کسی نے بتایا کہ وہ شعوانہ ہے، میں نے کہا کہ وہ تو میری بہن ہے، اسی گفتگو میں تھی کہ اتنے میں وہ اونٹنی پر سوار ہو کر اڑتی ہوئی آن پہنچی، جب میں نے ان کو دیکھا تو کہا تم تو مجھ سے محبت کیا کرتی ہو، اپنے رب سے دعا کرو کہ مجھ کو بھی تمہارے ساتھ ملا دے"۔ انہوں نے تبسم کیا اور فرمایا کہ "ابھی تیرے آنے کا وقت نہیں ہے مگر میری دو باتیں یاد کر لے-- اپنے دل پر مدام غم رکھنا، اللہ تعالیٰ کی محبت کو اپنی ہوائے نفس پر مقدم رکھنا، پھر انشاءاللہ جب بھی تجھے موت آئے، تجھ کو نقصان نہ ہوگا"۔

حضرت شعوانہؒ اپنی دعاؤں میں یوں کہا کرتیں، الٰہی مجھے تیرے ملنے کا بہت شوق ہے اور تیرے بدلہ دینے کی بڑی توقع۔ الٰہی اگر میرے کسی بھی عمل نے مجھ کو تجھ سے قریب نہ کیا ہو تو گناہوں کا اقرار کر کے معافی مانگتی ہوں۔ پس اگر تو معاف فرمادے تو تجھ سے بہتر کون ہے جو ایسا کرے گا اور اگر تو عذاب دے گا تو تجھ سے عادل کوئی نہیں، الٰہی تو میری زندگی بھر مجھ پر احسان کرتا رہا، اب احسان کو موت کے بعد مجھ سے قطع نہ فرمانا اور جو ایام حیات میں مجھ پر احسان کرتا رہا ہے مجھے توقع ہے کہ میرے مرنے کے بعد بھی مجھ پر بخشش کرے گا۔ الٰہی اگر میرے گناہوں نے مجھ کو ڈرایا ہے تو جو محبت مجھ کو تجھ سے ہے اس نے اطمینان دلایا ہے، پس میرے معاملے کو اپنی شان کے مطابق بھگتانا۔ الٰہی اگر تجھ کو میری رسوائی منظور ہوتی تو تو مجھ کو ہدایت نہ فرماتا اور مجھے نصیحت مقصود ہوتی تو پردہ پوشی کیوں کرتا۔ الٰہی مجھے گمان نہیں کہ جس مطلب میں، میں نے اپنی عمر کاٹی ہے اس کو تو نامنظور فرما کر مجھے ہٹا دے، الٰہی اگر میں نے گناہ نہ کیا ہوتا تو پھر تیرے عذاب سے کیوں ڈرتی اور اگر تیرا کرم نہ پہچانتی تو تیرے ثواب کی توقع کیوں رکھتی"؟۔

3-ایک عورت:

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ "ایک رات میں وادی کنعان سے نکلا تو ایک کالی چیز اپنے طرف کو آتی معلوم ہوئی، قریب آنے پر معلوم ہوا کہ ایک عورت ہے، صوف کا جبہ پہنے ہوئے ہے اور ہاتھ میں ڈولچی لیے ہوئے ہے اس نے کہا کہ "تُو کون ہے؟ جو خدا تعالیٰ سے فارغ ہو کر اوروں کی طرف متوجہ ہوتا ہے"، میں نے کہا کہ "ایک مرد مسافر ہوں"، اس نے کہا کہ "تعجب ہے خدا تعالیٰ کے ہوتے ہوئے غربت اور سفر کے کیا معنی"؟ اس کے اس کہنے سے میں رو پڑا۔ اس نے کہا" تو کیوں رویا" میں نے کہا کہ "دوا ایسے درد پر پڑی کہ زخم ہو گیا تھا اور دوا سے اچھا ہونے لگا"۔ اس نے کہا" تو سچا ہے تو کیوں روتا ہے"؟، میں نے کہا کہ "سچے کیا رویا نہیں کرتے"؟۔ اس نے کہا" نہیں"، میں نے پوچھا" کیوں"، اس نے جواب دیا" رونا دل کی راحت ہوتا ہے"، میں اس بات کو سن کر تعجب کرتا رہ گیا اور کچھ نہ کہا۔

4- حضرت غفیرہؒ:

احمد بن علیؒ کہتے ہیں کہ ہم نے غفیرہؒ کے پاس جانے کی اجازت چاہی، انہوں نے ہم کو اجازت نہ دی۔ ہم دروازے پر ہی پڑے رہے اور کہیں نہ ملے، جب ان کو معلوم ہوا تو دروازہ کھولنے کو کھڑی ہوئیں اور یہ کہہ کر دروازہ کھولا ’’الٰہی میں تجھ سے پناہ مانگتی ہوں اس شخص سے جو مجھ کو تیرے ذکر سے روکے‘‘، ہم اندر آ گئے اور ان سے کہا کہ ہمارے لیے دعا کریں انہوں نے فرمایا کہ ’’اللہ تعالیٰ تیری ضیافت میرے گھر میں یوں کرے کہ تمہاری مغفرت فرمادے‘‘۔

5-حضرت رابعہ بصریؒ:

حضرت ابوسلمان درانیؒ فرماتے ہیں کہ "میں ایک رات حضرت رابعہؒ کے ہاں رہا وہ اپنی محراب میں کھڑی رہیں اور میں مکان کے ایک گوشے میں، جب صبح ہوئی تو میں نے ان سے کہا کہ "جس ہستی نے ہمیں رات کے قیام کی قوت عطا فرمائی، اس کی اس عنایت کا شکر یہ کیا ہے"؟، حضرت رابعہؒ نے فرمایا کہ "اس کا شکر یہ یہ ہے کہ دن کو تو اس کے واسطے روزہ رکھے"۔

پس کسی کو اگر اپنے نفس کی نگہداشت اور حفاظت منظور ہے تو ان مردوں اور عورتوں کا حال دیکھے، جنہوں نے مجاہدہ کیا تا کہ تم کو بھی کچھ سرور ابھرے اور حرص مجاہدہ زیادہ ہو، اگر نفس باز نہ آئے تو تم بھی اس کو ملامت کرنے اور جھڑکنے سے باز نہ آؤ اور اس کو بتاتے رہو کہ یہ نافرمانی تیرے حق میں بری ہے، پس کیا عجب ہے کہ وہ ان

باتوں کے باعث اپنی سرکشی سے باز رہے۔

واضح ہو کہ سب سے بڑا دشمن آدمی کا اپنا نفس ہے یہ بغل کا گھونسا ہے اور بدی کا امر کرتا ہے، مائل بہ شر ہے اور خیر سے بھاگتا ہے، آدمی کو اس کے تزکیہ اور راست رکھنے کا حکم ہوا ہے اور زبردستی اللہ تعالیٰ کی عبادت پر آمادہ کرنے، شہوات سے روکنے اور لذت سے علیحدہ کرنے کا حکم ہوا ہے۔ پس اگر آدمی اس کی خبر نہ لے گا تو یہ سرکشی کر کے بھاگ جائے گا اور پھر ہاتھ نہیں آئے گا لیکن اگر اپنے نفس کو ہمیشہ ڈانٹ، عتاب اور ملامت کرتا رہے گا تو وہی نفس پھر نفس لوامہ ہو جائے گا، جس کی قسم خدا تعالیٰ نے کھائی ہے اور توقع ہے کہ رفتہ رفتہ نفس مطمینہ ہو جائے گا جو زمرہ بندگان الٰہی میں راضیہ اور مرضیہ ہو کر بلایا جائے گا۔ اس لیے آدمی پر لازم ہے کہ کسی وقت بھی اس کی نصیحت اور عتاب سے غافل نہ ہو اور دوسرے کو نصیحت جب کرے جب پہلے اپنے نفس کو کرے، اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو وحی کی کہ ''اے ابن مریم تو اپنے نفس کو پہلے نصیحت کر اگر وہ نصیحت مان لے تو پھر لوگوں کو نصیحت کر ورنہ مجھ سے شرم کر''

پس اپنے نفس کو یوں کہنا چاہیے کہ اے نفس تو کتنا بڑا جاہل ہے، تو تو کہتا ہے کہ میں حکمت اور ذکا اور دانائی میں پکا ہوں، مگر تیرے برابر بیوقوف اور کم فہم کوئی نہیں، کیا تو نہیں جانتا کہ جنت اور دوزخ تیرے سامنے ہیں اور ان میں سے ایک میں تو عنقریب جائے گا، تجھے کیا ہوا ہے کہ خوش ہوتا کھیلتا ہے اور ہنستا ہے حالانکہ شاید آج یا کل تجھ کو موت آ جائے۔ کیا تجھ کو معلوم نہیں موت آنے والی چیز ہی ہوتی ہے، بعید تو وہ ہے جو آنے کی نہیں۔ پس نا معلوم تجھے کیا ہوا ہے کہ باوجود موت اتنی نزدیک ہے اس کی تیاری نہیں کرتا۔ اگر تو خدا تعالیٰ کی نافرمانی پر اس لیے جرأت کرتا ہے کہ تیرے اعتقاد میں خدا تعالیٰ مجھ کو نہیں دیکھتا تو تو کافر ہے اور اگر اللہ کو اپنے اوپر مطلع سمجھتا ہے تو سخت بے حیا ہے۔ یا یہ مغالطہ ہے کہ خدا تعالیٰ کریم ہے اور صاحب فضل ہے، پس اللہ تعالیٰ کے کرم کو دنیا کے کاموں میں کیوں نہیں اعتماد کرتا۔ جب دنیاوی کام آتا ہے تو سخت محنت کیوں کرتا ہے؟، کیوں اس وقت بھی شان کریمی اور فضل کے بھروسہ پر نہیں بیٹھ جاتا؟، کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ صرف آخرت ہی میں کریم ہے اور دنیا میں نہیں؟۔ تجھے یہ تو معلوم ہی ہے کہ دنیا اور آخرت کا ایک ہی پروردگار ہے اور اس کا طریق بدلا نہیں کرتا، دیکھ تیرا آقا اور پروردگار فرماتا ہے، دنیا کے بارے میں وہ کہتا ہے

وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِى الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزۡقُهَا (سورۃ ھود 06 : 11)

ترجمہ: ''کوئی نہیں پاؤں چلنے والا زمین پر کہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اسی کی روزی''

اور آخرت کے بارے میں فرماتا ہے

وَاَنۡ لَّيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ (سورۃ النجم 39 : 53)

ترجمہ: ''انسان کے لیے وہی ہے جو کچھ اس نے کوشش کی''

اب مندرجہ بالا دونوں آیتوں کو اگر غور سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ خاص دنیا کے امر کی کفایت تو خود اس نے فرمائی ہے کہ تیری سعی کی اس میں کچھ حاجت نہیں اور آخرت کو بندے کی کمائی پر منحصر رکھا ہے۔ مگر تو نے اپنے افعال سے خدا تعالیٰ کو جھوٹا کیا کہ جس چیز کی کفایت وہ کرتا ہے اور اس نے خود ذمہ لیا ہے اس پر تو پاگلوں (باولوں) کی طرح کوشش کرتا ہے اور امر آخرت کو تیری کوشش پر منحصر رکھا گیا ہے تو اس سے تو روگرداں ہے، پس یہ تو نشان ایمان نہیں اور اگر زبان ہی سے ایمان معتبر ہوتا تو منافق دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں کیوں جاتے؟۔ پس اگر تجھ کو یہی گمان ہے تو ویسے ہی چھوڑ دیا جائے گا تو تیرے برابر کوئی جاہل نہیں اور تو پکا کافر ہے۔ اگر بالفرض کوئی یہودی تجھ سے کہہ دے کہ تیرے مرض میں فلاں کھانا مضر ہے گو وہ تیرے نزدیک کھانوں سے افضل ہو مگر تو اس پر صبر کرے گا اور چھوڑ دے گا۔ کیا انبیاء، علماء، حکماء اور تمام اولیاء کے قول تیرے نزدیک اس یہودی کی بات سے کمتر ہیں۔ جس کی بات تو نے فوراً مان لی۔ اگر کسی مریض کو کوئی طبیب کہے کہ ٹھنڈا پانی تین دن مت پینا تاکہ تندرست ہو جاؤ اور پھر مزے سے عمر بھر پیا کرنا اور یہ بھی کہہ دے کہ ان تین دن کے اندر پیو گے تو کسی سخت مرض میں مبتلا ہو جاؤ گے اور تمام عمر کا پینا چھوٹ جائے گا تو اس صورت میں عقل کا تقاضہ اس بیمار کے لیے ہے کہ تین دن صبر کرے اور تمام عمر عیش سے رہے۔ یہی حال موجودہ زندگی کا ہے کہ بس تین دن کی بات ہے کہ اس میں صبر کر لو اور باقی ایام کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی میں آرام پاؤ گے۔

پس جو شخص مجاہدہ کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا وہ خدا تعالیٰ کے عذاب کی تکلیف کو کیسے برداشت کرے گا؟۔ پس جو شخص نفس پر مشقت کرنے میں سستی کرتا ہے وہ دو حال سے خالی نہیں ہوتا یا خفیہ کفر کرتا ہے یا اعلانیہ بیوقوفی۔ خفیہ کفر تو یہ ہے کہ روز حساب پر ایمان ضعیف ہے اور مقدار عذاب کو بڑا نہ جانتا ہو اور اعلانیہ بے وقوفی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے کرم اور عفو پر اعتماد کر کے بیٹھ رہے۔

اب فرض کرو کہ تو اہل بصیرت میں سے نہیں جس کو یہ باتیں سوجھیں بلکہ سرشت سے ہی چاہتا ہے کہ کسی کے موافق ہو جائے اور کسی کی اقتدا کرے تو اس صورت

میں انبیاء، علماء اور حکماء کی عقل کو اور ان لوگوں کی عقل کو جو دنیا پر اوندھے منہ گرے ہوئے ہیں مقابلہ کر اور اگر تو اپنے آپ کو عاقل جانتا ہے تو ان میں سے جو تیرے نزدیک زیادہ عاقل ہو ان کا اتباع اور اقتدا کر اور جان رکھ کہ موت تیرے وعدے کی جگہ ہے، قبر تیرا گھر ہے، مٹی تیرا بستر، کیڑے تیرے انیس، اندھیرا تیرا جلیس ہے اور خوف اکبر یعنی قیامت کا سامنا لگا ہوا ہے، کیا تجھے معلوم نہیں کہ مُردوں کا لشکر شہر کے دروازے پر تیرا منتظر ہے؟۔ انہوں نے قسمیں کھالیں ہیں کہ تجھے لیے بغیر نہ ہلیں گے کیا تو یہ نہیں جانتا کہ وہ سب یہ تمنا کرتے ہیں کہ کاش ہم کو ایک روز ملے جو دنیا میں جا کر اپنے قصوروں کا تدارک کرا دیں اور اگر تو اپنی عمر کا ایک دن تمام دنیا کے عوض ان کو دے دے تو وہ ہزار خوشی کے ساتھ لے لیں گے بشرطیکہ ان کو قدرت ہو اور تو اپنے دنوں کو یوں غفلت اور بے کاری میں ضائع کر رہا ہے۔ کم بخت تجھ کو شرم نہیں آتی، ظاہر کو سنوارتا ہے اور باطن میں گناہ کر کے اللہ سے لڑتا ہے۔ کچھ قبر والوں کے حال ہی سے عبرت پکڑ لے کہ کیسے دنیا میں تھے اور اب کیا ہیں؟ تو کتنا بیوقوف ہے کہ آخرت سے روگرداں ہے حالانکہ وہ تیری طرف آ رہی ہے اور تُو دنیا کی طرف متوجہ ہے جبکہ وہ تجھ سے رُوگرداں ہے۔

پس اگر دل کی سختی نصیحت قبول نہیں کرتی تو اس کو ہمیشہ کی تہجد گزاری اور شب بیداری سے دور کر اور اگر اس تدبیر سے دور نہ ہو تو ہمیشہ روزہ رکھ اور اگر اس سے بھی نہ جائے تو ملاقات اور گفتگو کم کر اور یہ بھی مفید نہ ہو تو قرابت داروں سے سلوک اور یتیموں پر شفقت کر اور یہ بھی کارگر نہ ہو تو جان لے کہ خدا تعالیٰ نے دل پر مہر لگا کر قفل لگا دیا ہے اور تاریکی گناہوں کی دل کے ظاہر اور باطن پر خوب چھا گئی ہے، پس اپنے آپ کو دوزخ میں گیا ہوا جان لے اگر گنجائش نصیحت سننے کی نہیں رہی ہے تو اپنے نفس سے مایوس اور نا امید ہو اور نا امید ہونا گناہ کبیرہ ہے، خدا پناہ دے اس لیے ناامید تو ہو نہیں سکتا اور امید کی بھی کوئی صورت نہیں کہ تمام خیر کے راستے بند ہو چکے۔ اپنے نفس پر ترس کھا کہ کوئی آنسو آنکھ سے گرتا ہے یا نہیں، اگر گرتا ہے تو آنسوں کا منبع بحر رحمت سے ہے اس سے معلوم ہوا کہ ابھی تجھ میں امید کی جگہ باقی ہے اس صورت میں نوحہ گریہ زاری کر، شاید وہ تیرے ضعف پر رحم کر کے تیری فریاد قبول کرے اس امر میں اقتدا اپنے باپ حضرت آدمؑ کی کر۔

چنانچہ حضرت وہب بن منبہؒ روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت آدمؑ کو خدا تعالیٰ نے جنت سے زمین پر اتارا تو یہاں اس طرح رہے کہ آنکھوں سے آنسو نہ تھمتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ساتویں دن ان پر نظر عنایت کی کہ وہ تو رنجیدہ خاطر اور نیچے کو سر ڈالے ہوئے ہیں ان پر وحی بھیجی کہ ''اے آدم اتنی کوشش جو تو اب کرتا ہے کیا وجہ ہے''؟ عرض کیا کہ ''الٰہی میری مصیبت بڑھ گئی ہے اور گناہوں نے مجھ کو گھیر لیا ہے، عالم ملکوت سے نکالا گیا ہوں اور بڑی کرامت کے بعد ذلت کے مقام پر آ گیا ہوں اور سعادت سے نکل کر بدبختی میں پڑا ہوں اور راحت کے بعد دار مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ عافیت کے بعد اس بلا میں مبتلا ہوا ہوں۔ میں دوام اور بقا کو چھوڑ کر اس موت اور نیستی کے گھر میں آیا تو اپنی خطا پر کیسے نہ روؤں''؟۔ خدا تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ'' آدم کیا میں نے تجھ کو اپنے لیے برگزیدہ نہ کیا تھا اور تجھ کو اپنے گھر میں نہیں اتارا تھا اور اپنی کرامت سے مخصوص اور ممتاز نہیں کیا تھا اور اپنے غصہ سے نہیں ڈرایا تھا۔ کیا تجھ کو میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا تھا اور اپنی روح تجھ میں نہیں ڈالی تھی اور تجھ کو فرشتوں سے سجدہ نہیں کروایا تھا، پھر تو نے میرے حکم کی نافرمانی کی اور میرے عہد کو بھول گیا اور میرے غصے کا مستحق ہوا، قسم ہے میری عزت اور جلال کی اگر میں زمین کو ایسے لوگوں سے بھر دوں کہ سب کے سب تجھ جیسی عبادت کریں اور تسبیح کریں اور پھر میری نافرمانی کریں تو ان کو گناہ گاروں کے مقام میں اتار دوں گا۔ یہ سن کر حضرت آدمؑ تین سو برس تک روئے۔''

منصور بن عمارؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک رات کو کوفہ میں ایک عابد کو سنا، اپنے رب سے مناجات کر رہا تھا اور یہ کہتا تھا کہ الٰہی قسم ہے تیری عزت کی تیری نافرمانی سے میری غرض یہ نہ تھی کہ تیری مخالفت کروں اور نہ اس جہت سے گناہ کیا کہ مجھ کو تیرا رتبہ معلوم نہ تھا یا تیرے دیکھنے کو کچھ حقیر جانتا تھا بلکہ اصل یہ ہوئی کہ میرے نفس نے ایک چیز کو میری نظروں میں اچھا کر دیا اور میری نحوست نے اس بات میں میری تائید کی اور تیری پردہ پوشی نے مجھ کو مغالطہ دیا تو اپنی جہالت کے باعث تیری نافرمانی کی اور اپنے فعل سے تیری مخالفت کی۔ اب تیرے عذاب سے مجھے کون بچائے گا؟ اور اگر تو میری رسی کو منقطع کر دے گا تو میں کس رسی کو پکڑوں گا؟۔ بڑی خرابی کی بات ہے کہ جب کل کو تیرے سامنے سب کھڑے ہوں گے اور ہلکے پھلکے لوگوں کو گزر جانے کا کہا جائے گا اور بھاری بوجھ والوں کو حکم ہوگا کہ تم اتر جاؤ تو میں ہلکوں کے ساتھ ہو کر پار ہو جاؤں گا یا بھاری لوگوں کے ساتھ نیچے اتار دیا جاؤں گا، ہائے افسوس جتنی میری عمر بڑھی اور برس زیادہ ہوئے اتنے ہی گناہ اور معاصی بڑھ گئے اب کہاں تک میں توبہ کروں گا اور کہاں تک میں ان گناہوں کو دوبارہ کرتا جاؤں گا کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ میں اپنے پروردگار سے شرم کروں؟

پس جان لے کہ طاعات میں جتنے فائدے ہیں سب تیرے ہی لیے ہیں۔ جو کوئی اچھا کرے گا تو اپنے واسطے کرے گا اور بُرا کرے گا تو اپنے واسطے اللہ تعالیٰ سب سے بے پرواہ ہے۔

****

فکر وعبرت (فکر کیا ہے؟)

حدیث شریف میں ہے کہ ایک ساعت کا فکر ایک برس کی عبادت سے بہتر ہے۔ اکثر لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ فکر کیا ہے؟ فکر کیسے کرتے ہیں؟ اور کن چیزوں میں کرتے ہیں؟

فکر کی راہیں:

واضح ہو کہ فکر کبھی تو ایسے کام میں ہوتا ہے جو دین سے متعلق ہوں اور کبھی ایسے کام سے متعلق ہوتا ہے جو دین سے متعلق نہ ہوں (غیر دین) میں۔

ہم یہاں پر دین سے متعلق فکر پر بات کریں گے۔

دین سے متعلق سے ہماری مراد یہ ہے کہ وہ معاملات جو خدائے تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہوں۔

فکر دو طرح کا ہے۔

1۔ **بندہ اور اس کی صفات اور احوال سے متعلق**

2۔ **اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات اور احوال سے متعلق**

(1) جو فکر بندے سے متعلق ہے اس کی دو قسمیں ہیں

(الف) بندے کے ان احوال میں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہیں

(ب) بندے کے ان احوال میں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکروہ ہیں

اور ان دونوں قسموں کے سوا اور کسی چیز میں فکر کی حاجت نہیں

(2) اور جو فکر اللہ سے متعلق ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں

(الف) وہ یا تو اس کی ذات وصفات اور اسمائے حسنیٰ میں ہوگا۔

(ب) یا پھر اس کے افعال ملک اور ملوک اور تمام آسمانوں اور زمینوں میں اور ان کے درمیان کی چیز میں ہوگا۔

اب ہم اول قسم کا بیان شروع کرتے ہیں یعنی

(1) **بندہ اور اس کی صفات اور احوال سے متعلق:۔**

فکر کرنا اپنے نفس کی صفات اور افعال میں:۔ یہ فکر علم معاملہ سے متعلق ہے یعنی یہ علم مکاشفہ سے نہیں ہے۔

اب جو صفات اللہ کے نزدیک محبوب یا مکروہ ہیں ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔

1) ظاہری جیسے (الف) ''طاعات'' (بندگی) اور (ب) ''معاصی'' (گناہ)

2) باطنی جیسے (ج) ''مہلکات'' (ہلاک کرنے والی) اور (د) ''منجیات'' (نجات دینے والی)

اب ان چاروں کی ایک ایک مثال دی جاتی ہے۔

طاعات:۔ فرائض جو بندے کے ذمہ فرض ہیں ان کو دیکھئے کہ اس کو نقصان اور تقصیر (کمی) سے بچاتا ہے یا نہیں؟ پھر ہر عضو کے باب میں فکر کرے کہ جو کام اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں وہ اس سے ہوتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً جیسے کہ آنکھ دیکھنے کے لئے بنائی گئی ہے کہ زمین وآسمان کے اسرار دیکھے تا کہ طاعت الٰہی میں لگی رہے۔ اسی طرح کان کے لئے خیال کرے کہ میں مظلوم کی فریاد بھی سن سکتا ہوں۔ میں حکمت وعلم اور قرات اور ذکر سننے پر قادر ہوں؟۔ پھر کان کو بیکار کیوں رکھتا ہوں؟ اسی طرح زبان میں فکر کرے کہ میں زبان سے تعلیم اور واعظ کے باعث اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرسکتا ہوں اور نیک بختوں کے دل میں محبوب ہوسکتا ہوں پھر اس نعمت سے اپنی زبان کو کیوں محروم رکھتا ہوں؟ اسی طرح مال میں فکر کرے کہ میں فلاں مال کو صدقہ کرسکتا ہوں اس لئے کہ مجھے اس کی حاجت نہیں اور اگر آئندہ حاجت ہوگی تو رب تعالیٰ عنایت فرمادیں گے جبکہ

فلاں شخص اس مال کا مجھ سے زیادہ حاجت مند ہے۔ پس تمام اعضا، مال و مویشی، غلاموں اور اولاد میں فکر کرے پھر ان میں اخلاص و نیت کی تدبیر سوچے جن سے اللہ تعالیٰ کی طاعات کی طرف رغبت پیدا ہو۔

(ب) قسم دوئم معاصی:

انسان کو چاہیے کہ صبح اٹھ کر اپنے سارے اعضاء جسم میں فکر کرے؟ کہ میرا کوئی عضو کسی معصیت کا مرتکب تو نہیں ہو رہا۔

اگر مرتکب ہوا ہو تو توبہ اور ندامت کرے۔ مثلاً زبان میں فکر کرے کہ جھوٹ، غیبت، ٹھٹھا اور دوسروں کی بات کاٹنے میں تو مصروف نہیں ہوتی۔ اسی طرح کان میں فکر کرے کہ ان سے جھوٹ، غیبت اور فضول کلام کی باتیں تو نہیں سنی جاتیں؟ اور پیٹ کے بارے میں فکر کرے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کھانے پینے میں تو نہیں کرتا۔ اس طرح کہ حلال رزق سے اتنا کھا جاتا ہے کہ جس سے شہوت بڑھتی ہے اور شہوت شیطان کا ہتھیار ہے۔ یا مال حرام یا مشتبہ تو استعمال میں نہیں آتا؟ اس لئے کہ حرام مال کے ساتھ تمام عبادات بیکار ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے۔ ''اللہ اس بندے کی نماز قبول نہیں کرتا جس کپڑے میں ایک درہم حرام کا لگا ہوا ہو''۔ اسی طرح سب اعضاء میں فکر کرے۔

(ج) مہلکات (ہلاک کرنے والی چیزیں):۔

تیسری قسم وہ صفات مہلکہ ہیں جن کا محل دل ہے۔ اور وہ یہ صفات ہیں۔

شہوت کا غالب ہونا اور غضب اور بخل اور کبر اور عُجب، ریا، حسد، بدگمانی، غفلت اور غرور وغیرہ کا موجود ہونا۔ ان صفات میں سے جو صفت بھی اپنے اندر پائے اس پر غور و فکر کرے اور ملامت کر کے تدارک کرے ورنہ ہلاکت ہے۔

(د) منجیات (نجات دینے والی چیزیں):۔

چوتھی قسم نجات دینے والی چیزیں ہیں۔ یعنی توبہ اور گناہوں پر ندامت، بلا پر صبر، نعمت پر شکر، خوف و رجا (امید) اور دنیا میں زہد اختیار کرنا، اخلاص و اوصاف صدق اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی تعظیم کرنا اور اس کے افعال پر راضی ہونا۔ اس کا شوق کرنا اس کے لئے تواضع اور خشوع کرنا۔

بس بندے کو ہر روز فکر کرنا چاہیے کہ ان اوصاف میں سے جو مجھے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کرتے ہیں مجھ کو کون سے اوصاف کی حاجت ہے؟ پس جب یہ منظور ہو کہ آدمی اپنے نفس کی توبہ اور ندامت کا حال حاصل کرے تو اول اپنے گناہوں کو تلاش کرے اور ان کو سوچے اور نفس پر سب کے سب اکٹھا کرے اور دل میں ان کو بہت بڑے جانے۔ پھر اس سخت وعید پر نظر کرے جو شریعت میں ان گناہوں پر مقرر کی گئی ہیں اور پھر اپنے جی میں یہ خیال پکا کرے کہ میں تو اللہ تعالیٰ کے غضب کے کام کر رہا ہوں۔ اس تدبیر سے ندامت کا حال پیدا ہوگا۔ اور جب یہ چاہے کہ شکر کا حال دل سے ابھرے تو اللہ تعالیٰ کے احسانات اور انعامات کو دیکھے اور فکر کرے اور اگر حالت خوف پیدا کرنا ہے تو اپنے گناہوں، ظاہر اور باطنی پر نظر کرے پھر موت، پھر منکر نکیر پر، پھر عذاب قبر، پھر بچھو، سانپ، پھر یوم حشر، پھر حساب کا جھگڑا اور تنکے تنکے کی باز پرس اور پھر فکر کہ معلوم نہیں میں کن لوگوں میں شامل کیا جاؤں گا؟۔ نیک بختوں یا بدبختوں میں؟ تو ان تمام صفات مذمومہ سے باز آنے کے لئے آدمی کو چاہیے کہ تلاوت کرے اور جس چیز میں تفکر منظور ہو اس مضمون کی آیت کو دہرانا اختیار کرے گو سو مرتبہ وہ پڑھی جائے۔ اس لئے کہ ایک آیت کو تفکر اور فہم سے پڑھنا سارے قرآن پاک کو مکمل ختم کرنے سے بہتر ہے۔ اسی طرح حدیث رسول خاتم النبیین ﷺ کا مطالعہ کرنا ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کو کلمات جامع عنایت ہوئے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے ارشاد کا ہر لفظ حکمت کا سمندر ہے۔

مہلکات میں سے دس چیزوں میں نظر کرنا کافی ہے اگر ان سے بچ گیا تو سب سے بچ گیا وہ یہ ہیں۔

بخل، کبر، عُجب، ریا، حسد، کینہ و بغض، حرص غذا، کثرت شہوت، محبت مال، محبت جاہ (شہرت)

منجیات میں دس چیزیں کافی ہیں:

گناہوں پر ندامت، بلا پر صبر، قضا پر راضی، نعمت پر شکر، خوف اور امید کا معتدل رہنا، دنیا میں زہد اختیار کرنا، اعمال میں اخلاص، خلق سے خوش خلقی، اللہ سے محبت اور اس کے سامنے خشوع۔

تمام بری صفات کو ایک ایک کر کے غور کرے اور مجاہدہ کرے۔ اس کو چھوڑے اور تمام اچھی صفات اور اس کے انعام پر غور کرے اور پھر ایک ایک حاصل کرنے کی کوشش میں لگا رہے۔ ہر دم اسی کی فکر پال لے کہ ایسا نہ کروں گا تو میرا انجام کتنا خوف ناک ہوگا۔ **وعظ و تبلیغ کرنے والوں کو ہر وقت یہ خیال رکھنا اور ڈرنا چاہیے کہ**

''جاننے والے کی سزا جاہل سے بہت زیادہ ہے۔عالم کا فتنہ بہت بڑا ہے یا تو وہ بادشاہ ہے یا تباہ ہے''۔

ہمیں ہر وقت ایک بات اپنے پیش نظر رکھنی چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس دین کی تائید بعض اوقات ایسے لوگوں سے کروائے گا جن کا دین میں حصہ نہ ہوگا۔یعنی علوم دینیہ ایسے لوگوں کے باعث بھی پھیلیں گے جن کو آخرت میں کچھ نہ ملے گا۔پس عالم کو نہیں چاہیے کہ فریبوں سے دھوکا کھا کر خلق سے ملنے میں مشغول رہے اور اپنے دل میں جاہ،ثنا اور تعظیم کی محبت کو پرورش دے جو نفاق کا تخم ہے۔

(2) دوسری قسم کا فکر

<u>خدائے تعالیٰ کے جلال عظمت اور کبریائی میں فکر</u>

اللہ تعالیٰ کی ذات،اس کے ناموں کے مضمون میں فکر ممنوع ہے۔اس کے لئے شرع میں ارشاد ہے کہ خدائے تعالیٰ کی مخلوق میں فکر کرو اس کی ذات میں فکر مت کرو۔اس لئے کہ اکثر انسانی عقلوں کو اس کی تاب نہیں بلکہ تھوڑی سی مقدار جس کی تصریح بعض علمانے کی ہے کہ خدائے تعالیٰ مکان،اطراف اور جہات سے پاک ہے وہ نہ عالم کے اندر ہے نہ باہر نہ اس سے ملا ہوا ہے نہ جدا ہے۔اس سے کچھ لوگوں کی عقل ایسی حیران ہوئی کہ وہ اس کے منکر ہو گئے کیونکہ نہ سننے کی طاقت اور نہ پہنچاننے کی۔اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض انبیاء پر وحی بھیجی کہ میرے بندوں سے میری صفتیں مت کہو،ورنہ مجھ کو نہ مانیں گے بلکہ ان سے میرا حال ایسے الفاظ میں کہو کہ وہ سمجھ لیں۔

واضح رہے کہ دنیا میں جو چیز موجود ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کا فضل ہے اور اسی کی پیدائش ہے۔اور ہر ایک ذرہ سے اس کی قدرت اور جلال وعظمت ظاہر ہوتی ہے موجودات جو خدائے تعالیٰ کی مخلوق ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔

1) ایک یہ کہ ان کی اصل معلوم نہیں تو ایسی اشیاء میں فکر کرنا محال ہے۔اور ایسی موجودات بہت ہیں جن کو ہم نہیں جانتے۔

2) اور ایک وہ کہ جن کی اصل معلوم ہیں پہچانی جاتی ہیں لیکن تفصیل معلوم نہیں تو ایسی اشیاء میں تفصیل کی فکر کرنا ممکن ہے اور ان اشیاء کی بھی دو قسمیں ہیں۔

(1) ایک وہ جو آنکھ سے سوجھتی ہیں اور

(2) ایک وہ جو آنکھ سے نہیں سوجھتی

جو آنکھ سے نظر نہیں آتیں وہ فرشتے ہیں،جن،شیاطین،عرش اور کرسی وغیرہ ہیں ایسی اشیاء میں فکر کی مجال کم ہے۔

ہمیں ایسی اشیاء میں فکر کرنا ہے جو آنکھ سے سوجھتی ہیں وہ آسمان،زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔پس آسمان میں یہ چیزیں نظر آتی ہیں،ستارے،چاند،سورج،ان کی حرکت اور گردش،نکلنا اور ڈوبنا اور زمین میں یہ چیزیں نظر آتی ہیں۔پہاڑ،کانیں،نہریں،دریا،حیوانات،نباتات۔قرآن پاک میں ان میں فکر کرنے کی ترغیب ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ترجمہ:''تحقیق آسمان وزمین کا بنانا اور رات ودن کا بدلنا،البتہ اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لئے''۔(سورۃ آل عمران،آیت نمبر 190)

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے کہ:(سورۃ المومنون آیت نمبر 12 سے 14)

ترجمہ:''ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا پھر اسے نطفہ بنا کر محفوظ جگہ میں قرار دے دیا پھر اس بوند سے ایک پھٹکی بنائی۔پھر اسی پھٹکی سے بوٹی بنائی۔پھر اس بوٹی سے ہڈیاں بنائیں اور پھر ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔''

پس نطفہ کے قرآن پاک میں بار بار ذکر کرنے سے صرف یہ مراد نہیں ہے کہ بس اس کو پڑھ اور سن لیا جائے بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات دعوت فکر دے رہی ہے کہ انسان کی ذات کے اندر باری تعالی نے جو کاریگری دکھائی ہے اس پر غور کرو تا کہ تم شکر بجالاؤ۔انسان غور نہیں کرتا کہ وہ ایک قطرہ ناپاک نجس تھا پھر اس کو اس کے پیدا کرنے والے نے پشتوں اور چھاتیوں سے نکال کر اس کی شکل مقدار اور صورت عمدہ بنائی اور اس کے اجزا جو ملے ہوئے تھے ان کو جدا جدا عضو بنائے۔پھر ہڈیوں کو مضبوط کیا اور اعضاء کی شکلیں اچھی کیں۔ظاہر اور باطن کو آراستہ کیا،رگوں اور پٹھوں کو ایک دوسرے پر رکھا ان میں غذا کے جانے کی جگہ مقرر کی تا کہ سبب اس کے زندہ رہنے کا ہو اور اس کو سننا،دیکھنا،جاننا اور بولنا بتایا۔پھر آنکھوں کو پپوٹوں سے ڈھانپا پھر کان بنائے ایک خاص انداز میں تا کہ باہر سے کوئی کیڑا کان میں جائے تو فوراً اسے معلوم ہو جائے۔پھر ناک کو چہرے کے بیچ میں عمدہ شکل دی۔سونگھنے کی حس دی۔منہ بنایا اور اس میں زبان رکھی۔جو دل کے اندر کی باتیں بیان کر سکے آلہ آواز رکھا۔دانتوں سے منہ کو زینت دی۔دانتوں کی جڑوں کو مضبوط بنایا۔آنکھوں کو پلکوں سے زینت بخشی۔پھر اعضائے باطن کو پیدا فرما کر ہر ایک کو اس کے معین کام کے واسطے مخصوص فرمایا۔ہاتھ بنائے انگلیوں کے سروں پر ناخن حفاظت اور مضبوطی کے لئے بنائے۔ہاتھ کو خارش کی جگہ بتا دی کہ سوتے میں بھی خارش کی جگہ پر خود بخود پہنچ جاتا

ہے۔ پیر بنائے، ہڈیوں سے جسم کو مضبوطی بخشی۔ پھر یہ باتیں پیٹ میں تین اندھیروں کے درمیان ہوتی ہیں۔سب امور ایک دوسرے کے بعد بنتے چلے جاتے ہیں۔ (سبحان اللہ)

قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے: (سورہ المؤمنون، آیت نمبر 14)

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِيۡنَ

ترجمہ: ''پس بڑی برکت والا ہے اللہ سب سے بہتر بنانے والا'' -

غور کریں کہ کیا کوئی ایسا مصور ہے جو اوزار کو ہاتھ نہ لگائے نہ جس چیز کو بناتا ہے اس کو چھوئے اور تہہ بہ تہہ اندھیروں کے اندر تصرف کرے۔ یہ شان اسی پاک ذات کی ہے اور کسی کی مجال نہیں۔ پھر اس کی کمال قدرت اور رحمت کاملہ کو دیکھو۔ کیسے بچے کو نکلنے کی راہ سمجھائی؟ پھر نکل آیا اور غذا کا محتاج ہوا تو کیسے چھاتیوں کو منہ میں دبانے کی ترکیب بتائی؟ پھر خون اور غلیظ سے کیسے دودھ بنایا؟ پھر والدین کے دل میں اس کے لئے کیسے شدت والی محبت ڈالی کہ دونوں اس کی خدمت کرتے ہیں؟۔اس کی بیماری پر تڑپ اٹھتے ہیں۔ پھر دیکھو کہ جوں جوں بڑھتا گیا اللہ تعالیٰ کیسے اسے رفتہ رفتہ عقل، ہدایت، قدرت دیتا گیا یہاں تک کہ بالغ ہوا پھر جوان ہوا ہٹا کٹا۔اور پھر جوانی گزاری پھر ادھیڑ عمر کو پہنچا پھر بوڑھا ہوا۔ ناشکرا یا شکر گزار۔ مطیع یا نافرمان، ایمان دار یا کافر بنا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے سورۃ دَھر آیت نمبر 3-1 میں فرمایا؛

ترجمہ: ''کبھی انسان زمانے میں ایک ناقابل ذکر چیز تھا۔ بے شک ہم نے انسان کو ایک ناپاک بوند سے پیدا کیا پھر پلٹتے رہے اس کو پھر کر دیا سنتا اور دیکھتا پھر ہم نے اس کو سمجھ دی پھر یا حق مانتا ہے یا ناشکرا ہوتا ہے''۔

اگر آدمی غور وفکر کرنا چاہے تو خالق کی عظمت کی واضح دلیلیں اس کی فکر کے لئے کافی ہیں۔مگر انسان ہے کہ ان تمام چیزوں سے غافل اپنے پیٹ اور شرم گاہ کے دھندے میں لگا ہوا ہے۔اسے اس کے سوا اور کچھ نہیں آتا کہ بھوک لگی تو کھا لیا، پیٹ بھرا تو سو رہا، شہوت ہوئی تو صحبت کر لی۔ غصہ آیا تو لڑ لیا۔ حالانکہ یہ وہ باتیں ہیں جن میں جانور اور درندے سب شریک ہیں۔ خاصیت انسانی جس سے جانور محروم ہیں وہ یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کے اسرار جانو اور پہچانو اور پھر دنیا کے عجائب پر غور کر کے اللہ تعالیٰ کو پہچانو۔ اس لئے کہ اس سے ہی بندہ مقرب فرشتوں کی جماعت میں داخل ہوتا ہے اور انبیاء اور صدیقین کی جماعت میں داخل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی جناب سے نزدیک ہوتا ہے یعنی قرب خداوندی حاصل کرتا ہے۔ یہ مرتبہ جانوروں کو حاصل نہیں ہوتا اور نہ اُس آدمی کو جو دنیا سے صرف جانوروں کے خواص پر راضی ہو گیا۔ ایسا انسان جانوروں سے ہزاروں گنا بُرا ہے۔ اس لئے کہ جانوروں میں تو قدرت معرفت کی سرے سے ہے ہی نہیں۔ مگر انسان میں تو یہ قدرت اللہ تعالیٰ نے پیدا کی تھی مگر اس نے اسے بےکار رکھا۔ تو ایسے لوگ جانوروں سے بدتر ہوتے ہیں-

جب ہمیں طریقہ فکر کرنے کا آ گیا ہے تو زمین وآسمان کی ہر ہر چیز میں غور وفکر کریں۔ زمین کو اللہ تعالیٰ نے کیسے بچھونا بنایا؟ آسمان کو کیسے چھت بنایا، بغیر ستونوں کے؟ پھر جمادیات، نباتات، جنگلات، سمندر، پہاڑ، سورج، چاند، تارے، سیارے، رات دن، جانور، چرند، پرند، سمندر کے جانور وغیرہ، سال، مہینے، ہفتے، گردش ایام، دنوں کی تبدیلی، موسموں کی تبدیلی، خوراک، پھل، پھول، پتے، گھاس، غرض زمین وآسمان کی ہر ہر چیز پر غور کریں اور فکر کریں کہ باری تعالیٰ نے کس قدر ایسے نظام کے تحت یہ سب کاریگری دکھائی ہے اور پھر سوچے کہ یہ سب کچھ اس نے بیکار تو پیدا نہیں کیا ہوگا؟ اس کا مقصد کیا ہے؟ پھر مقصد حیات اپنی موجودہ زندگی اور اپنی آخری زندگیوں پر غور کرے۔ پس جو شخص ان امور میں اس نظر سے فکر کرے گا کہ یہ خدائے تعالیٰ کے افعال اور صنائع ہیں۔ وہ تو ان سے معرفت خداوندی کی عظمت وجلالت حاصل کرے گا۔ ہدایت پا جائے گا اور جو ان کو نظر قصور سے دیکھے گا یعنی اس نظر سے یہ سب چیزیں ایک دوسرے پر موثر ہیں اور مسبب الاسباب سے علاقہ نہیں رکھتیں تو وہ بدبخت اور تباہ ہوگا۔

نگاہ عیب گیری سے جو دیکھا اہل عالم کو
کوئی کافر، کوئی فاسق، کوئی زندیق اکبر تھا
مگر جب ہو گیا دل احتساب نفس پر مائل
ہوا ثابت کہ ہر فرزند آدم مجھ سے بہتر تھا

****

عالمِ امَراورعالمِ خلق

عالم امر:

عالم اَمر سے مراد(ترکیب عناصر سے خالی)جن کوصرف کُن کے اشارے سے پیدا کیا گیا، عالم اَمر کا اطلاق امر کُن سے پیدا ہونے والی تمام مخلوق پر ہوتا ہے۔ عالم اَمر عرش کے اوپر ہے یہ عالم بغیر مادے کے پیدا کیا گیا ہے۔ جیسے انسانی روحیں اور لطائف۔ عالم اَمر کے پانچوں لطائف یعنی قلب، روح، سِر، خفی، اخفیٰ کی اصل جڑ عرش کے اوپر ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے عالم اَمر کے ان پانچوں لطائف کو چند جگہ انسان کے جسم میں امانت رکھ دیا ہے۔ تاکہ انسان ذکر الٰہی کے ذریعے ان پانچ لطائف کے کمالات سے فیض یاب ہو سکے اور اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل کر سکے۔ عالم امر کو عالم غیب، عالم ارواح، عالم لاہوت، اور عالم حیرت سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ ان سب کے مجموعہ کو عالم مجردہ ذات بھی کہتے ہیں۔

آیت کریمہ ''اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط''(سورۃ الاعراف 54 : 7) میں اسی عالم امر وخلق کی طرف اشارہ ہے۔

عالم خلق:

مادہ عناصرِ اربعہ(چار عناصر) سے پیدا ہونے والی مخلوق کو عالم خلق سے یاد کیا جاتا ہے یہ پانچوں لطائف نفس، ہوا، پانی، آگ اور مٹی سے مرکب ہے۔ عالم خلق عرش کے نیچے سے لے کر تحت الثریٰ تک ہے عالمِ خلق کے پانچوں لطائف کی جڑ عالم امر کے پانچوں لطائف ہیں یعنی نفس کی جڑ قلب، ہوا کی جڑ روح، پانی کی جڑ سِر، آگ کی جڑ خفی اور مٹی کی جڑ اخفیٰ۔ عالم خلق کو عالم اسباب، عالمِ اجسام، عالم شہادت اور عالم ناسوت کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے ان سب کے مجموعے کو معدیات بھی کہتے ہیں۔

صورت کعبہ باوجود کہ عالم خلق سے ہے لیکن حقائق اشیاء کی طرح ایسی پوشیدہ چیز ہے جو حس وخیال کی دسترس سے باہر ہے۔ عالم محسوسات سے ہے لیکن محسوس کچھ نہیں۔ خلق کی توجہ گاہ ہے لیکن توجہ میں کچھ نہیں۔ الغرض کعبہ کی صورت بطرز حقیقت ایک عجوبہ ہے کہ عقل اسکی تشخیص سے عاجز ہے۔ ہاں ہاں اگر کعبہ معظّمہ ایسا نہ ہوتا تو لائق مسجود بھی نہ ہوتا اور افضل الخلق رسول پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرزو وشوق کے ساتھ اس کو اپنا قبلہ اختیار نہ فرماتے۔

''فِيهِ اٰيٰت بَيِّنٰت''(اس میں روشن نشانیاں ہیں) سورۃ آل عمران، آیت نمبر 97

نصِ قطعی اس کی شان میں ہے اور ''مَنْ دَخَلَهُ كَانَ اٰمِنًا''(جو کوئی اس میں داخل ہوا امن میں آ گیا) سورۃ آل عمران، آیت نمبر 97 اسی کی ستائش ہے۔

کعبہ کی حقیقت سے مراد واجب الوجود کی ذات ہے اور وہی صرف وہی لائق مسجودیت اور معبودیت ہے۔

****

دائرہ امکان

دائرہ امکان کے حالات سالک پر ذکر کثیر میں گزر جاتے ہیں۔دائرہ ہر مقام کے واسطے اس لئے مناسب ہوتا ہے کیونکہ دائرے کا کوئی پہلو،کوئی کونہ،کوئی سمت ،کوئی انتہا نہیں ہے۔اس طرح قرب حق میں ہر مقام میں کوئی سمت اور کوئی حد نہیں ہوتی۔لہٰذا دائرے کو مقامات سے نہایت مناسبت ہے۔کیونکہ دائرہ نقطہ سے بنتا ہے اور خود بخود وجود دائرہ نہیں ہے۔لیکن وجود نقطہ اور وجود دائرہ دونوں الگ الگ ہیں۔نہ دائرے کو مرکز سے وصل اور تعلق اور نہ مرکز کو دائرے سے۔جب باوجود پیدائش دائرے کو مرکز سے تعلق اور وصل نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ سے خلق کا تعلق عین یا اتحاد اور وصل کیسے ہوسکتا ہے؟ حضرت شیخ مجدد الف ثانیؒ کی تحقیق میں دائرہ امکان کا تعلق 10 لطائف سے ہے۔

پانچ عالم امر کے اور پانچ عالم خلق کے

عالم امر کے لطائف: قلب،روح،سر،اخفٰی اور خفی ہیں

عالم خلق کے لطائف: خاک،آب،ہوا،آتش،اور نفس

گویا عرش سے اوپر ہر لطیفہ کی اصل عالم امر کی ہے اور عرش کے نیچے ہر لطیفہ عالم خلق کی اصل ہے۔جس کا دائرہ اس جگہ لکھا جاتا ہے۔

عالم خلق: اس کو کہتے ہیں جو بتدریج وقتاً فوقتاً پیدا ہوئے ہیں

عالم امر: لفظ کُن کے ساتھ ہی پیدا ہوجاتے ہیں

اگر سالک صاحب کشف ہوتا ہے تو تحت الثریٰ سے لے کر بالائے عرش تک اس کو حالات جنت،دوزخ وغیرہ سب نظر آتے ہیں۔لیکن فی زمانہ صاحب کشف سالک کم ہوتے ہیں۔کشف بہت سی قسم کا ہوتا ہے۔کشف عیانی،کشف حسی،کشف واحدانی۔کشف ادراکی،بعض کو کشفِ قُبور،بعض کو کشفِ قُلوب،بعض کو صرف خواب اور بعض خوش نصیبوں کو یہ سب کچھ عنایت کیا جاتا ہے۔

کشف عیانی اور کشف حِسّی باقی تمام کشفوں کے مقابلے میں زیادہ قوی ہیں۔یہ دونوں کشف صحیح طور پر امام وقت یا قطب یا قطب ارشاد کو کامل طور پر عنایت کئے جاتے ہیں۔کیونکہ انتظام عالم دنیا اور فیض رسانی عالم کے لئے یہ ذات مبارک مرکز ہوتے ہیں۔اور ان کی اتباع میں اولیائے خدمت،مردان غیب،قطب،ابدال، اوتاد و نقیب و نجیب وغیرہ کو بھی کشف دیا جاتا ہے۔جس کے ذریعے سے یہ صاحب تعمیل احکام الٰہی مثل خضر علیہ السلام کرتے ہیں۔اور یہ اولیائے خدمت،پوشیدہ رہتے ہیں۔ان سے کوئی واقف نہیں ہوتا۔سوائے دوسرے اولیائے خدمت کے۔لیکن بعض اولیائے عشرت زبردست بھی اولیائے خدمت سے واقف ہوتے ہیں لیکن اس کا اظہار نہیں کرسکتے۔اور اولیائے عشرت جو قطب ارشاد کے تحت ہوتے ہیں۔ان سے خلقت واقف ہوکر فائدہ اٹھاتی ہے۔قطب مدار ہر زمانے میں ہر وقت رہتا ہے۔گویا عالم کا دار و مدار اللہ تعالیٰ نے اس پر رکھا ہے جبکہ قطب ارشاد کسی زمانے میں ہوتا ہے اور کسی میں نہیں۔

آگاہی:

یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ مقامات قطب،ابدال،اوتاد وغیرہ کسی کو بلا مقام فنا و بقا کے حاصل نہیں ہوتے۔اور نہ ہی بلا فنا و بقا کے جماعت اولیاء میں کوئی داخل ہوسکتا ہے۔مقام ولی شاذو نادر صرف اور صرف فضل ربانی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔اور بعض طلبا و طالبات ایسے بھی ہوتے ہیں جو ولی ہوتے ہیں لیکن حالات مذکورہ میں انہیں کچھ بھی نہیں دیا جاتا۔ان کو صرف یقین عنایت کیا جاتا ہے۔کمال یقین ہی ولایت ہے۔یہاں تک کہ بعض کو اپنے ولی ہونے کا بھی علم نہیں ہوتا۔قبر میں جا کر معلوم ہوگا۔

کشف کا ہونا ولایت کے لئے ضروری بات یا شرط ولایت نہیں ہے کیونکہ کشفِ دنیا مسلمانوں کے علاوہ غیر مذاہب جوگیوں اور براہمنوں کو بھی ہوتا ہے۔فلاسفروں کو بھی ہوتا ہے لیکن جو کشف غیر مذاہب لوگوں کو ہوتا ہے وہ صرف کشفِ اشیاء دنیا کا ہوتا ہے۔ذات وصفات الٰہی یا عالم ملکوت کا نہیں ہوتا۔ذات وصفات الٰہی و عالم ملکوت کا کشفِ تب تک ہرگز نہیں ہوتا۔جب تک حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ پر ایمان نہ لائے۔کمال یقین کا نام ولایت ہے۔چنانچہ بہت سے اولیاء اللہ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو کشف بالکل نہیں ہوتا۔لیکن اہل کشفِ اولیاء سے بدرجہا قُربِ حق میں ان کا قدم غالب ہوتا ہے۔بعض اولیاء نہ اہلِ خدمت ہوتے ہیں۔نہ اہلِ ارشاد صرف اُمت کی دعا کے لے مختص ہوتے ہیں۔اگر کسی کو کشف نہ ہو تو شناخت دائرہ امکان کے طے کرجانے کی یہ بزرگ فرماتے ہیں کہ وہ بزرگ 4 گھڑی تک ذکر و فکر الٰہی میں ایسا مشغول رہتا ہے کہ دنیا کا خیال اس کے دل میں اور دماغ میں بالکل نہیں آتا۔اور بعضوں نے انوار لطائف دیکھنے سے دائرہ مکان کے طے کرجانے کی

علامت بیان فرمائی ہے۔

دائرہ ولایت صُغریٰ

اصلاح صوفیاء میں اس مقام کو چند ناموں کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ وحدت الوجود، ہمہ اوست، مقام جمع، کفرِ طریقت، فنا و بقا، ولایت صغریٰ، نسیان ماسوائے اللہ۔ یہ نام حضرات نقشبندیہ مجددیہ کے قرار دیئے ہوئے ہیں۔ ان حضرات کی تحقیقات سلوک میں مقام ہمہ اوست سے آگے بہت زیادہ مقامات ترقی کے ہیں اس واسطے اس ولایت کو ولایت صغریٰ فرماتے ہیں یعنی چھوٹی ولایت۔ اور دیگر طرق کے کبرائے دین اس مقام ''ہمہ اوست'' کو انتہائی ترقی اور قرب حق فرماتے ہیں اور نسیان ماسوائے اللہ شریعت سے بہت ہی مناسبت رکھتا ہے۔ بموجب ارشاد نبوی خاتم النبیین ﷺ:

ترجمہ: اللہ کا ذکر اس کثرت سے کرو کہ لوگ تم کو دیوانہ کہنے لگیں۔

ایک دوسری جگہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَنْ یُؤمِنَ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُقَالَ اِنَّہٗ لَمَجْنُوْنٌ

ترجمہ: تم میں سے کوئی ایمان والا نہ ہوگا جب تک اس کو یہ نہ کہا جائے کہ یہ دیوانہ ہے۔

جب کوئی خلق کو محبت الٰہی اور ذکر خدا میں بھول گیا تو دنیا دار ضرور اس کو دیوانہ کہیں گے۔

بعض مرشد جب نور اس مقام کا سالک میں پاتے ہیں تو کلمہ لَا حَولَ وَ لَا قُوۃَ اِلّا باللہ اس کو تلقین فرماتے ہیں۔ بعض شیخ جب سالک میں اس مقام کا نور دیکھتے ہیں تو اس کو مراقبہ کی تعلیم کرتے ہیں کہ تمام عالم میں سوائے اللہ کے کوئی موجود نہیں۔ بعض راہنما کچھ تعلیم نہیں کرتے۔ اس کو اپنی ہمت باطنی سے اس مقام میں کھینچ لے جاتے ہیں اور خود بخود اس طالب پر یہ حال طاری ہو جاتا ہے لیکن ایسے شیخ بہت کم ہیں۔ ایسے شیخ فی زمانہ زیادہ ہیں کہ طالب کو نہ ذکرِ قلبی ہے نہ سلطان الاذکار حاصل ہوا ہے۔ نہ ہمہ اوست کا نور اس پر وارد ہوا۔ بلکہ وہ شیخ خود ہی ان باتوں سے نہ آشنا ہیں۔ لیکن طالب کو باوجود ہوش کے اور بلا حال کے ہمہ اوست کا مسئلہ زبانی تلقین کر دیا کرتے ہیں اور ایسا مسئلہ بلا حال کے تلقین کرنا کُفر ہے۔ طَالبِ حق اللہ کی یاد کثرت سے کرتا ہے تو اس کے لطائف اور جسم پاک صاف ہوتے ہیں اور وہ حسب حیثیت عروج کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنی اصل سے اس کو وصل ہو جاتا ہے۔ اس کی اصل کیا ہے۔ حقیقت ممکنہ پر ایمان والا بندہ اپنی حقیقت کی طرف رُجوع کرتا ہے تو اس سیر کو ''سیر الی اللہ'' کہتے ہیں۔ اور جب سالک اپنی اصل سے وصل ہوتا ہے تو اس حالت میں بحالت بے خودی اور شدت عشق سے بوجہ امتیاز اٹھ جانے اور بجز ذات حق اسکی نظر میں کچھ باقی نہ رہے کہ ''ہمہ اوست''، ''انا الحق''، ''سبحانی ما اعظم شانی'' وغیرہ کہہ اٹھتا ہے۔ اس سیر کو سیر فی اللہ کہتے ہیں۔

اور جب اس حال سے سالک کو حالتِ ہوش میں اس جہان کے ناقصوں کی تربیت کے لئے پیر کامل واپس لاتے ہیں تو اس سیر کو ''سیر من اللہ'' کہتے ہیں۔ خاص خاص قُرب میں کچھ سالک تجلیات الٰہی کی روح برداشت نہیں کرسکتی۔ تو اکمل اولیائے مقدمین کی روح کم درجے کے اولیاء کی روح کو اپنی روح کے احاطے میں لے کر سیر کراتے ہیں۔ اس کو ''ضمنیت صغریٰ'' کہتے ہیں اور بعض اعلیٰ مقامات قُرب میں اکمل اولیاء کی روح کو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ اپنے احاطہ روح اقدس میں لے کر سیر کراتے ہیں۔ اسکو ''ضمنیت کبریٰ'' کہتے ہیں۔

دائرہ ولایت کبریٰ

جب طالب ولایت صغریٰ کو جو مقام ظلال اسماء وصفات الٰہی ہے اور یہ مقام ولایت اولیاء ہے، طے کر چُکتا ہے۔ تو ولایت کبریٰ میں اس کو عُروج ہوتا ہے کہ جو اصل ہے ظلّ'' کی یعنی اسماء وصفات میں اور یہ ولایت کبریٰ ولایت ہے انبیاء علیہم السلام کی۔ اور مبدء یعنی نکاس اور اصل انبیاء اور ملائکہ کی اسماء وصفات الٰہی سے ہے۔ اور اسماء وصفات الٰہی تمام نقصانات سے پاک ہے۔ اس لئے انبیاء کرام اور ملائکہ کرام معصوم اور گناہوں سے پاک ہیں۔ انبیاء کو اس مقام پر ایسا قُرب حاصل ہے جیسے مرکز اور اولیاء کو بطفیل انبیاء اور ان کے متابعت کی وجہ سے مثل دائرہ کے اس واسطے انبیاء کو معصوم اور اولیاء کو محفوظ کہتے ہیں۔ اس مقام میں علم شریعت ہے۔ اور ذوق وشوق آہ و نعرہ سب جاتا رہتا ہے۔ یہاں سالک اپنے آپ کو خوب جان لیتا ہے کہ تیری اصل شر وخسارہ ہے۔ اور جو کچھ بھی خیر ہے وہ من جانب اللہ ہے۔ بموجب فرمان الٰہی:

ترجمہ: جو اچھی بات تمہیں پہنچے وہ اللہ کی جانب سے ہے اور جو برائی پہنچے وہ تمہاری طرف سے چشمِ علمِ ظاہری و چشمِ علمِ لدُنی سے دیکھ لیتا ہے اور اس ولی کی پرورش بعض اوقات خود رسول پاک خاتم النبیین ﷺ فرماتے ہیں۔ جس طالب کی استعداد ضعیف ہوتی ہے تو وہ اکثر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی پرورش اور

التفات بحالت خواب دیکھتا ہے۔اور جس کی قوت ولایت بدرجہ اوسط ہوتی ہے وہ جناب خاتم النبیین ﷺ کو دل کی آنکھوں سے بحالت مراقبہ دیکھتا ہے۔اور جس طالب کی ولایت قوی ہوتی ہے وہ حضور پُرنور کو چشم ظاہر سے دیکھتا ہے۔اور پرورش آپ خاتم النبیین ﷺ کی ذات مبارک سے اور انعام اپنے اوپر پاتا ہے۔

بعض خاصانِ خدا پر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی اس قدر عنایت ہوتی ہے کہ ولی اپنی شکل کو آپ خاتم النبیین ﷺ کی مثل دیکھتا ہے۔اس کو فنا فی الرسول کہتے ہیں۔فنا فی الرسول کی کئی اقسام ہیں۔آپ خاتم النبیین ﷺ کی محبت میں فنا ہونا، آپ کی اتباع میں فنا ہونا وغیرہ۔لیکن یہ اتصال روحانی یعنی ہم شکل ہو جانا سب سے اعلیٰ اور قوی تر ہے۔لیکن یہ کمال اتصال روحانی اس وقت ہوتا ہے کہ دائرہ حقیقت محمدی خاتم النبیین ﷺ میں اس کو پورا عروج میسر ہو۔اور اس ولایت کبریٰ کا تعلق اسم ھوالظاہر سے ہے۔

دائرہ ولایت علیا

ولایت علیا فرشتوں کی ولایت ہے۔اور اس کا تعلق ھوالباطن سے ہے۔اور یہ ولایت علیا، ولایت انبیاء سے اعلیٰ ہے کیونکہ ولایت انبیاء یا ولایت کبریٰ کا تعلق اسم ھوالظاہر سے ہے۔اس لئے کہ انبیاء خلق پر ظاہر اور معبوث ہوئے اور ملائکہ کا تعلق اسم ھوالباطن سے ہے اس لیے کہ وہ پوشیدہ رہے اور ترقی ملائکہ اسماء وصفات شونات ذات تک ہے۔چونکہ تعلق اسم ھوالباطن کا ذات غیب الغیب سے زیادہ ہے اور زیادہ مناسبت اور قرب رکھتا ہے۔بمقابلہ اسم ھوالظاہر کے، اس واسطے فرشتوں کی ولایت انبیاء کی ولایت سے اعلیٰ ہے۔بھید اس کا یہ ہے کہ انبیاء معصوم اور گناہوں سے تو پاک ہیں مگر بوجہ بشریت بھول ممکن ہے۔جیسے سورہ کہف میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضرؑ کے حالات میں ارشاد ہے۔ وَمَآ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ (سورۃ الکھف 63: 18)

ترجمہ: اور نہیں بھلایا مجھ سے ان کو مگر شیطان نے) اور فرشتے معصوم ہونے کے ساتھ ساتھ بھول سے بھی پاک ہیں۔جس سالک کی ولایت علیا قوی ہوتی ہے اور اس کو کشف دیا جاتا ہے۔اس پر فرشتے ظاہر ہوتے ہیں۔اور بہت سی راز کی باتیں اس پر کھلتی ہیں۔اور بوجہ مناسبت ملائکہ اس سے گناہ بہت کم ہوتے ہیں۔

دائرہ کمالات نبوت

طالب جب ولایت علیا کے فیضان وانوار سے مشرف ہو چکتا ہے اور طلب اس کی اعلیٰ ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو مقام کمالات نبوت سے مشرف فرماتا ہے۔اس مقام کا ولی ایسی ذات اکمل ہوتا ہے۔اور ان کمالات سے مشرف ہوتا ہے کہ اولیا ولایت صغریٰ وکبریٰ وعلیا اس کے کمالات کا احاطہ نہیں کر سکتے اور پھر یہ بندہ خاص اَلْعُلَمَآءِ وَرِثَةُ الْاَنْبِيَاء کا پورا پورا مصداق ہو جاتا ہے۔اور عُلَمَاءُ اُمَّتِي کَاَنْبِيَاءِ بنی اسرائیل کی شکل مجسم ہو جاتا ہے۔اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو ایسی ذات اکمل کا مالک نبی ہوتا۔اس کمالات نبوت میں ظہور تجلی ذات، بلا پردہ، صفات ہوتی ہیں۔اور ترقی اس جگہ لطیفہ عنصر خاک سے ہوتی ہے اور انعام واکرام الٰہی اس لطیفہ خاک پر ہوتا ہے۔اور تمام لطائف عالم خلق، عالم امر، اس کے تابع ہوتے ہیں۔اب چونکہ یہ عنصر خاک مخصوص بہ بشر ہے اس لئے خاص بشر خاص ملائکہ سے اور عام بشر عام ملائکہ سے افضل ہوتے ہیں۔

دائرہ کمالات رسالت

کمالات رسالت، کمالات نبوت سے افضل ہیں۔جیسے نبی اور مرسل میں فرق مراتب ہے۔اس طرح قُربِ حق میں بھی فرق ہے۔فیضان ذات سے بے پردہ صفات الٰہی سے یہ بندہ خاص مشرف ہوتا ہے اور فیضان لطائف عشرہ کی مجموعی قوت پر وارد ہوتا ہے۔اس مقام میں ترقی کثرت تلاوت قرآن مجید ونماز باطول قرات اور اتباع سنت سے ہوتی رہتی ہے۔

دائرہ کمالات اُولوالعزم

مقام کمالات اولوالعزم کمالات رسالت سے قوی تر اور ذات الٰہی سے اقرب ہے۔جیسے تمام مخلوق میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء بہترین مخلوق ہیں اور ان کی تعداد انبیاء میں سے 313 مرسلین بہتر اور افضل ہیں اور ان تین سو تیرہ میں سے پانچ نبی اولوالعزم حضرت آدمؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ جناب باری تعالیٰ میں زیادہ مقرب ہیں۔اور اسی حیثیت سے فیضان انوار الٰہی وانعام واکرام واسرار ورموز یزدانی سے مشرف ہیں۔**انبیاء پر کتاب آسمان نازل نہیں ہوتی۔یہ نبی مرسل کی اتباع کیا کرتے ہیں اور مرسلین پر صحیفہ آسمانی اترتے ہیں۔پیغمبران اولوالعزم کو نیا دین اور نئی کتاب عنایت فرمائی جاتی**

ہے اور وہ کتاب آسمانی پہلے اترنے والی تمام کتابوں اور دین ہائے سابقہ کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس طرح ہمارے پیغمبر حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ ان اولوالعزم سے بھی اولولعزم ہیں اور قرآن پاک پہلی تمام کتب ہائے آسمانی کی تصدیق کرتا ہے اور دین اسلام ناسخ ادیان ہے۔ اس طرح حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ قرب باری تعالیٰ میں تمام پیغمبران سے سبقت رکھتے ہیں۔ اور کوئی نبی، کوئی نبی مرسل اور کوئی فرشتہ آپ خاتم النبیین ﷺ کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب کو نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

لی مع اللہ وقت لا یسفی فیہ ملک، مقرب ولا نبی مرسل

ترجمہ: ''مجھے اللہ تعالیٰ کے پاس ایک ایسا وقت حاصل ہے جس میں نہ کوئی فرشتہ مقرب میری برابری کرسکتا ہے اور نہ ہی نبی مرسل''۔ (افضل القری)

مولانا جامیؒ نے اس کتاب قرآن کے متعلق خوب فرمایا ہے:

ترجمہ: توریت جو حضرت موسیٰ ؑ پر نازل ہوئی اور انجیل جو حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہوئی وہ محمد خاتم النبیین ﷺ کے قرآن کے ایک نقطہ سے محو ہوگئیں۔

ان مقامات کمالات نبوت، کمالات رسالت اور کمالات اولوالعزم کے دوائر وحالات واتباعاً لکھ دیئے گئے ہیں۔ ورنہ بڑے بڑے عقلا وعرفا ان کی تحقیق فہمید (فہم) میں عاجز ہیں۔ خواہ کتنا ہی بڑا متقی، عابد اور زاہد ہو۔ اور اپنی دانست میں وہ عمل بے ریا کرتا ہو، لیکن بلا حصول مقامات فنا وبقا اس کے ہر فعل میں ریا مشترک ہوتی ہے۔ اور صورت اتقاء، ولایت صغریٰ میں اور حقیقت اتقاء ولایت کبریٰ میں اور کمال اتقاء کمال نبوت میں حاصل ہوتی ہے۔ قبل فناء وبقا جو افعال نیک ہیں یا زاہد کو نظر نہیں آتے یہ اس کی خود علم کی خرابی ہے۔ جیسے کہ ہر ایک مکان میں ہر وقت ذرات اڑتے رہتے ہیں لیکن وہ نظر نہیں آتے اور جب اس مکان میں کسی سوراخ یا کسی دریچے سے آفتاب کی شعاع آتی ہے تو نور آفتاب میں ذرات بالکل صاف نظر آنے لگتے ہیں۔ اس طرح قبل حصول ولایت اعمال میں ریا نظر نہیں آتی۔ اور جب خانہء دل میں شعاع انوار الٰہی پڑتی ہیں تو اعمال میں ریا، ہر فعل خیر وشر کی صاحب ولایت کو تمیز ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ

ترجمہ: ''ڈرو مومن کی فراست سے کہ اللہ کے نُور سے دیکھتا ہے''۔ (جامع ترمذی)

دائرہ حقیقت کعبہ

اس مقام میں سالک پر حقیقت کعبہ ربّانی کے اسرار اور شان کبریائی کا اظہار ہوتا ہے، جب حقیقت کعبہ ربّانی میں سالک کو کامل ترقی ہوتی ہے تو تمام مخلوق کی عبادت وسجود اپنی طرف دیکھتا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ حقیقتاً سجدہ وعبادت اللہ کے لئے ہوتے ہیں نہ کہ اس سالک کے لئے لیکن علم کی غلطی سے وہ اپنی طرف سمجھنے لگتا ہے۔

دائرہ حقیقت قرآن

بندہ خاص جب اس مقام حقیقت قرآن سے مشرف ہوتا ہے اور کلام پاک اور اس کے انوار واسرار وبرکات سے فائدہ اٹھاتا ہے تو ہر ہر حرف قرآن پاک کو دریائے زخار وبے کنار پاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس بندہ خاص سے کلام فرماتا ہے کہ جس کلام کی حقیقت اور ماہیت اور فیضان کو صرف وہ ہی جانتا ہے۔ دوسرا اس کی حقیقت سے واقف نہیں ہوسکتا۔ پھر اس بندہ خاص کا سینہ کلام ربانی کے فہم کے واسطے نہایت وسیع کردیا جاتا ہے۔ اور اسرار حروف مقطعات سے اپنی محبت، اپنی دیانت، اپنے علم اور اپنی فہم کے موافق واقف ہوتا ہے اور سورۃ الم نشرح وسورہ اقراء کے فیضان سے مشرف ہوتا ہے۔

دائرہ حقیقت صلواۃ

مقام حقیقت صلواۃ ایسا مقام ہے کہ بلا پردہ بندے کے سامنے رب اور رب کے سامنے بندہ ہوتا ہے اور کوئی چیز درمیان میں حائل نہیں ہوتی اور اس مقام کے عارف پر الصلوۃ معراج المومنین (نماز مومن کی معراج ہے) اور قرۃ عینی فی الصلواۃ (نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے)۔ کے اسرار کھلتے ہیں اور جو دیدحق عالم آخرت میں نصیب ہوگی۔ اس کا نمونہ نماز میں میسر ہوتا ہے اور جو اسرار علوم اور انوار وبرکات سے خاتم النبین خاتم النبیین ﷺ مشرف ہوئے تھے اس کی اتباع اور اس کے عکس سے یہ بندہ خاص بھی مشرف ہوتا ہے اور اس بندہ خاص کی ایک رکعت اوروں کی ایک لاکھ رکعت سے بہتر ہے۔

دائرہ حقیقت معبودیت صرفہ

یہ مقام نہایت عالی مقام ہے۔ یہاں ترقی قدمی نہیں ہے صرف ترقی نظری ہے یعنی قدم روح بھی یہاں پر آگے نہیں بڑھ سکتے صرف اور صرف نظر روح کا کام دیتی ہے جس مقام میں روح کا گزر بھی نہ ہو اس مقام میں علم قال کا کیا گزر ہوسکتا ہے؟

دائرہ حقیقت ابراہیمیؑ

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنا خلیل فرمایا۔ خلیل اس کو کہتے ہیں جو نہایت ہی راز دار اور دوست ہو۔ آپؑ کی راز داری جو رب کے ساتھ تھی۔ اس سے فرشتے بھی واقف نہیں تھے۔ اسکا اظہار فرشتوں پر اور خلق پر اس وقت ہوا جب کہ آپ کو آتش نمرود میں ڈالا جا رہا تھا اور آپؑ نے کسی فرشتے سے یا کسی اور سے مدد نہ چاہی۔ اور دوست رازِ حقیقت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا حسبی اللہ اور باوقت قربانی حضرت اسمٰعیلؑ آپؑ کی راز داری جو رب کے ساتھ تھی فرشتوں پر آشکار ہوئی۔ مقام خلت (دوستی) میں حضرت ابراہیمؑ کا قدم نہایت غالب ہے۔ آپؑ مرتبہ خلت میں خاص مقام رکھتے ہیں۔ اس مقام کا سالک اپنی حیثیت کے موافق۔ مرتبہ خلت کے انوار و برکات سے مشرف ہوتا ہے اور اس سالک کی نگاہ دل حقیقت ذات کی طرف ہوتی ہے اور تمام خلق سے حقیقتاً بے تعلق ہوتا ہے۔ بموجب اس آیت شریفہ کے۔

آیت: اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآاَنَامِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ (سورۃ انعام آیت نمبر 79 : 6)

دائرہ حقیقت موسوی علیہ السلام

بعد ختم سر دائرہ حقیقت ابراہیمیؑ سر دائرہ حقیت موسیٰؑ میں ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ رب العالمین کو جو محبت خاص تھی اور جس کی وجہ سے حضرت موسیٰؑ رب العالمین سے کو ہ طور پر ایسے کلام، بے خوف، بوجہ ناز برداری کے عرض کیا کرتے تھے کہ جو کلام شایان عبدیت نہ ہوتا۔ اس مقام میں ترقی کثرت درود

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَ اصحابہٖ وَعَلیٰ جَمِیعَ الانبیاءِ وَالْمُرْسَلِینْ خَصُوصاً عَلیٰ کَلِیمکَ مُوسیٰ۔ سے ہوتی ہے

دائرہ حقیقت محمدی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اس مقام کو "حقیقت الحقائق" اور حقیقت محمدی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوقات کی حقیقت اور تعلق اس مقام میں ان کمالات سے ہے جن کا تعلق حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر سے ہے اور یہ جسم پاک وہ ہے کہ جو شب معراج میں رب کے نزدیک عرش معلیٰ پر پہنچا۔ یہ جسم نورانی وہ ہے کہ جس کے قرب اور رفعت کے مقابلے میں حضرت جبرائیل مقام سدرۃ المنتہیٰ پر ٹھہر گئے اور فرمایا "اگر میں ایک بال کے برابر بھی اس سے آگے بڑھا تو تجلی ذات الٰہی میرے بال و پر جلا ڈالے گی۔ یہ جسم لطیف وہ ہے کہ جس نے رب کے نزدیک اس قدر قربت حاصل کی تھی کہ خلعت

فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ۝ (سورۃ النجم 53:09)

ترجمہ : تو رہ ہو گیا دو کمان کے فاصلے پر یا اس سے بھی کم۔

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۝ (سورۃ النجم 53:08)

ترجمہ : تو وہ قریب ہوا پھر مزید نیچے آیا۔

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَاطَغٰی ۝ (سورۃ النجم 53:17)

ترجمہ : نہ تو مائل ہوئی آنکھ اور نہ حد سے آگے بڑھی۔

اور یہ جسم شریف وہ ہے جس کا سایہ نہ تھا یہ جسم مطہر وہ ہے کہ ہر شجر و حجر جس پر سلام و درود بھیجتے ہیں۔ یہ جسم لطیف، یہ جسم مبارک وہ ہے کہ جس پر خود اللہ اور فرشتے درود بھیجتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝ (سورۃ الاحزاب 33:56)

ترجمہ: "بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اے ایمان والو تم بھی نبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجو اور سلام بھی ادب کے ساتھ"۔

دائرہ حقیقت احمدی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یہ مقام حقیقت احمدی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑا جلیل القدر اور عالی مقام ہے۔ اس میں عجیب و غریب عنایات الٰہی اور تجلیات ذات الٰہی سے مشرف ہوتا ہے۔ اور اس دائرہ حقیقت احمدی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلق آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح اقدس سے ہے۔ جس قدر کے روح اور جسم میں لطافت اور قدامت میں فرق ہے۔ اس قدر ظہور تجلیات ذات میں فرق ہے۔ اسکے حالات میں کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔؟ اور کوئی کیا سن سکتا ہے؟

دائرہ حُبِّ صِرفہ

یہ مقام حقیقت احمدی کے بعد ہے۔اس مقام میں سیر نظری وروحی ہے۔سیر قدمی روحی مسدود ہے یہ مقام وہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کومنظور ہوا کہ اپنے حبیب خاتم النبیین ﷺ کو پیدا کروں اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی ذات سے تمام مخلوقات کو پیدا کروں تو فرمایا کُن یا محمد بس آپ خاتم النبیین ﷺ کی ذات مبارک ظاہر ہوگئی۔اس کی طرف حدیث قدسی میں ارشاد ہے:

کُنْتُ کنزاً امخفیاً :میں ایک چھپاھو خزانہ تھا۔(رقم الفتوح 14995 التصنیف احادیث نبویہ مع شرحھا)

اور دوسری حدیث میں وارد ہوا کہ

لَوْ لَاکَ خَلَقْتُ الْافْلاک (اے حبیب) اگر آپ کو پیدا نہ کرتا تو آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔ (امام حاکم)

یہ مقام مخصوص صرف نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے واسطے ہے۔اس میں کسی بھی نبی،فرشتہ کو کوئی رسائی نہیں ہے۔

دائرہ لاتعین

بعد طے دائرہ حُب سرفہ کے دائرہ لاتعین میں ترقی ہوتی ہے۔اس جگہ ترقی نظری ہے،قدمی نہیں اور یہ مقام بھی مخصوص سیدالانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ہے اور یہ مقام وہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لیکن بے نام ونشان، بے وہم وگمان، اللہ تعالیٰ خود کلام پاک میں فرماتا ہے۔

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿ (سورۃ الصافات 37:180)

ترجمہ: پاک ہے وہ برتر ذات اس تعریف اور وصف سے جس سے لوگ اس کو موصوف کرتے ہیں۔

دائرہ سیف قاطع (دائرہ منصب قبولیت)

دائرہ منصب قبولیت میں دائرہ سیف قاطع داخل سلوک نہیں ہے۔بعض کو پیش آتا ہے اور بعض کو نہیں اور یہ دائرہ سیف قاطع ولایت کبریٰ کے مقابل ہے اور دائرہ منصب قبولیت کا بھی داخل سلوک نہیں ہے۔جیسے دائرہ سیف قاطع محاذ (مقابل) ولایت کبریٰ ہے۔اس طرح دائرہ منصب قبولیت ''دائرہ کمالات اولوالعزم سے نکلتا ہے اس مرتبہ منصب قبولیت سے خاص انبیاء اور امت میں سے خاص خاص اولیاء کرام مشرف ہوئے ہیں۔اس بندہ خاص پر اسم یَاحیُّ یَاقَیو مُ کا فیضان نازل ہوتا ہے اور اس کی ذات سے تمام زمین وآسمان کا قیام رہتا ہے۔

****

عمل اکسیر

پاک صاف ہوکر آدھی رات کے بعد صبح صادق سے اشراق تک کسی پاک صاف جگہ پر تنہائی میں بیٹھ جائے۔آغاز کے لئے جمعرات یا جمعہ یا اتوار کا دن زیادہ موزوں ہے۔کلمہ طیبہ، آیت الکرسی، چاروں قل، اورسورہ مزمل ہر ایک کو تین تین بار پڑھ کر اپنے گرد دائرہ یا حصار کھینچ لیں۔ ہاتھوں پر دم کر کے جسم پر مل لیں۔ پہلے دھیان و خیال دنیا و مِہما سے ہٹا کر پوری دلجمعی کے ساتھ آنکھیں بند کرلیں۔ پھر انگلی کو قلم بنائیں اور تصور میں اس انگلی سے دل پر اللہ لکھنے کی کوشش کریں۔ سانس اندر لیتے وقت اللہ اور باہر نکالتے وقت ھُو پڑھیں۔ اگر کسی کا مرشد کامل ہے خواہ وہ عالم حیات میں ہو یا ممات میں وہ ضرور اس کی مدد کو پہنچے گا۔ ممکن ہے کہ وہ کسی جُسے کے ذریعے سامنے آئے یا بذریعہ دلیل دل میں آنے کا پیغام دے۔ بعض طالبوں کو اس وقت کسی بھی اولیاء کی مدد ہو سکتی ہے۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا سبز گنبد اور روضہ مبارک نظر آجاتا ہے۔ بعض ایسے فطری ولایت والے ہوتے ہیں کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی روح مبارک سے ہمکلام ہوجاتے ہیں۔ جب طالب شروع میں یہ عمل شروع کرتا ہے تو شیطان کو آگ لگ جاتی ہے اور وہ طالب کو ہر حیلے سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب کسی کامل کا ہاتھ ہوجاتا ہے تو اس کا شوق دن بدن بڑھتا جاتا ہے اور اس عمل سے اسے لطف، سکون اور خوشی محسوس ہوتی ہے۔ ایسے حضرات ایک دن ''اسم اللہ'' کے دروازے پر پہنچ جاتے ہیں۔ اور ان کے دل پر صاف طور پر اسم ''اللہ '' لکھا جاتا ہے۔ اس وقت دل کی اصلاح شروع ہوجاتی ہے۔ ذکر قلب جاری ہوجاتا ہے۔ یعنی دل خود بخود جاری ہوجاتا ہے اور استغراق کی حالت ہوجاتی ہے۔ اس کے لئے حدیث شریف ہے:

ترجمہ: ''یعنی آدم کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ جب اس کی اصلاح ہوجاتی ہے تو تمام بدن اور جسم کی اصلاح ہوجاتی ہے''۔

ایسے ہی لوگوں کے لئے فرمان باری تعالیٰ ہے۔

آیت مبارکہ:

''اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الۡاِیۡمَانَ'' (سورۃ المجادلہ 22 : 58)

ترجمہ: یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے ایمان لکھ دیا ہے۔

جب طالب کے دل میں اسم اللہ کا نور سرایت ہونا شروع ہوجاتا ہے تو پہلے پہل طالب کو نیند نہیں آتی، بائیں پہلو میں درد محسوس کرتا ہے۔ بھوک نہیں لگتی، بدن میں حرارت سی محسوس کرتا ہے۔ طالب کو ان علامات سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ کیونکہ اس کے جسم سے پاک نام کی برکت کی وجہ سے غلاظتیں نکلتی ہیں اور آخیر میں صحت کل کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ جب ذکر سے عروج میں آجاتا ہے تو سوتے، جاگتے، ہر وقت ذکر قلب جاری رہتا ہے۔

حدیث: حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: "میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا''۔

پھر جب اسم اللہ کا یہ نور آنکھوں میں آتا ہے تو باطنی نظر کھل جاتی ہے۔ طالب غیبی چیزیں، ارواح، موکلات اور جنات وغیرہ دیکھ سکتا ہے۔ بعض اوقات طالب کا دل دنیا سے اچاٹ ہوجاتا ہے اور طبیعت میں روکھا پن اور غصہ کی سی حالت ہوجاتی ہے۔ ایسی حالت میں درود شریف کثرت سے پڑھنا چاہیے۔ طالب حق کے لئے ہر حال میں شریعت کی پابندی ضروری ہوتی ہے۔ جب طالب حق اس عمل سے آگے بڑھتا ہے تو اسے خواب میں کشف ہونے لگتا ہے، اور شیاطین بھی کبھی کبھی اشارہ کرنے لگتے ہیں۔ طالب کو چاہیے کہ جو اشارہ بھی شریعت کے خلاف ہو اس پر قطعاً عمل نہ کرے۔ اس میں سلامتی ہے۔ شیطان ہر ولی کی شکل، ہر دربار کی شکل حتیٰ کہ ستاروں اور سیاروں کی شکل میں بھی آسکتا ہے۔ لیکن صرف تین شکلوں میں نہیں آسکتا۔

(1) قرآن پاک کی شکل (2) خانہ کعبہ کی شکل (3) حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی اصلی شکل میں نہیں آسکتا۔

لیکن قرآن پاک کی طرح موٹی کتاب بن سکتا ہے۔ اس میں عربی میں آیاتِ قرآنی کی جگہ کچھ اور تحریر ہوسکتا ہے۔ مصنوعی خانہ کعبہ بنا کر دھوکا دے سکتا ہے۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی بجائے کسی اور کو نبی پاک کہہ کر دھوکہ میں ڈال سکتا ہے۔

درشریعت خاص کر طریقت والوں کو ایسے دھوکے ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے آپ خاتم النبیین ﷺ کی زیارت کی صحیح پہچان کا دروازہ کیسے کھلتا ہے؟ اس کا راز کھولا جاتا ہے۔

خواب، مراقبے یا کشف میں جب مجلس محمدی خاتم النبیین ﷺ میں پہنچے گا تو دیواروں سے اتنا نور برس رہا ہوگا کہ آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی۔ یعنی نظر کا ایک جگہ پر ٹھہرنا مشکل ہو جائے گا۔ یعنی تجلیات کا ایسا عالم ہوگا کہ دیکھے تو جان جائے نہ دیکھے تو حیران و پریشان ہو۔ اور اس مجلس میں تلاوت، یا کلمہ شریف یا درود شریف کا ذکر ہو رہا ہوگا۔ دیدار ہوگا اور دیدار کے بعد اس کا دل دنیا سے سرد پڑ جائے گا۔ عبادت میں شوق، آنکھوں میں نمی اور زبان میں عاجزی آجائے گی۔ نفسانی خیالات ختم ہو جائیں گے۔ تب یہ مجلس حقیقی مجلس تصور ہوگی۔ اگر مجلس خاموش ہو اور یہ حالات پیدا نہ ہوں۔ الٹا تکبر وغرور، نفسانی خواہشات کا زور ہو جائے تو وہ مجلس باطل تصور کی جائے گی۔ خواب اور مراقبے والے بے اختیار ہوتے ہیں۔ جبکہ کشف والے ہوشیار ہوتے ہیں۔ کشف والے جب کبھی ایسی محفل میں جائیں تو درود شریف اور لَاحَوْلَ وَلَاقُوَۃَ اِلَّا بِاللہ زیادہ پڑھیں تا کہ حق کی پہچان میں زیادہ سہولت رہے۔ دیدار والا اس حلیہ مبارک سے مشرف ہوگا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کا رنگ گندم گوں، ناک مبارک بلند، پیشانی کشادہ، ہاتھ لمبے، آنکھیں سیاہ، داڑھی گھنی اور گنجان ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ دیدار اس کے اس جسہ ہی کے ذریعے سے ہوا ہوگا جو پاک ہو کر قابل مجلس محمدی خاتم النبیین ﷺ ہو چکا ہوگا۔ ان جسوں کے بھر جانے سے عمل تکسیر پڑھنے کے لائق ہوتا ہے۔ پھر عمل تکسیر کے ذریعے طالب ارواح اور ملائکہ سے امداد حاصل کرتا ہے۔ اس کی تفصیل عام فہم سے بالاتر ہوتی ہے۔

پہلے اپنی زبان سے، پھر جسوں کی زبان سے، تسخیر قلوب، تسخیر حیات، تسخیر موکلات اور حاضرات ملائکہ اور اروح کا علم سیکھتا ہے۔ آج کل کچھ ڈبہ قسم کے پیر آئینہ بینی یا گلاس کو چلا کر یا کسی اور ذریعے سے روحوں کو حاضر کرتے ہیں۔ یہ استدراج ہے۔ اس میں شیاطین روحوں کی شکل میں آکر لوگوں کو گمراہ اور عمل تکسیر کو بدنام کرتے ہیں۔

جب طالب حق ذکر قلب میں کامیاب ہو جائے تو پھر لطائف کی طرف توجہ دے۔ لطائف کا طریقہ وہی ہے بس تصور لطائف کے اپنے اپنے مقام پر کرنے پڑتے ہیں۔ بعض طالب حق ذکر وفکر اللہ ہی سے کامیاب ہو جاتے ہیں۔ لیکن جس طرح لطائف الگ الگ مقام رکھتے ہیں اس طرح ان کی غذا (نور) بھی الگ ہے اور ذکر کے اسماء بھی الگ ہیں۔ اگر ان کو ان کی مخصوص غذا دی جائے گی تو جلدی پروان چڑھتے ہیں۔

ذکر قلبی شریعت کی انتہا ہے۔ اور ذیل کے اذکار طریقت کی ابتدا ہیں:

نام لطیفه	ذکر	فکر یا تصور	نام لطیفه	ذکر	تصور یا فکر
قلب	لا الہ الا اللہ	للہ	اخفی	یا احد	فقر درویشی
روح	یا اللہ	لہ	انا	یا ھُو	اللہ محمد
سر	یا حی یا قیوم	ھو	نفس	لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ	اللہ
خفی	یا واحد	محمد	۔	۔	۔

ان اذکار کی جو ترتیب دی گئی ہے یعنی ابتدا قلب اور انتہا نفس ہے۔ روزانہ جتنا کر سکیں باری باری حرکت میں لائیں۔ چلتے پھرتے لفظ اللہ یا اللہ ھُو کا ورد جاری رکھیں۔ یا جو لطیفہ بھی حرکت میں آجائے۔ سب لطائف کی حرکات سے ذکر سلطانی، اس کی انتہا کے بعد ذکر ربانی، اور اس کی انتہا کے بعد ذکر قربانی ہوتا ہے۔

غوث وقطب یہاں تک پہنچتے ہیں تب مرتبہ ارشاد کے قابل ہوتے ہیں اور ان ہی کی صحبت ونظر اور تعلیم صراط مستقیم کی طرف ولایت کرتی ہے۔ سارے غوث وقطب بھی ان اذکار اور مراحل سے گزرے ہوتے ہیں۔ لطائف کے جاگنے یا لطائف کے زندہ ہونے یا لطائف کے ذکر کرنے کی پہچان یہ ہے کہ اپنے اپنے مقام پر بوقت توجہ قلب کی طرح حرکت کرنے لگتے ہیں اور رقت جیسی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ جب ذکر سلطانی کی انتہا ہو جائے تو اس کے بعد ہفت اندام پاک ہو جاتے ہیں۔

****

رجال الغیب

کائنات اَرضی میں انسانی معاشرے کو منظم، متمدن اور مربوط زندگی گزارنے کی کوشش شروع ہی سے ہوتی رہی ہے۔ معاشرے کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ زندگی کو بہتر طریقے سے گزارنے کی ضرورت کو زیادہ محسوس کیا جانے لگا۔ چنانچہ نسلِ آدم میں جہاں جہاں بادشاہوں کی فتوحات، ان کی حکمرانی، اقتدار کی کشمکش، حصولِ جاہ کی کوشش کے لاکھوں واقعات دیکھائی دیتے ہیں۔ وہاں ہم اس معاشرے کی اصلاح اور تنظیم میں ان صاحبِ اسرار ہستیوں کے اثرات و احوال کو نظرانداز نہیں کر سکتے جنہوں نے انسانی ذہنوں اور قلوب کو منظم و مربوط کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان ہستیوں نے زندگی کے ہر دور میں انسان کی اصلاح اور آخرت کی فلاح کے لیے کام کیا۔ ان کے ہاتھ تلوار کے قبضے پر تو نہیں گئے مگر دلوں کی فتوحات کرتے گئے۔ وہ علاقائی سرحدوں کی تقسیم میں تو ملوث نہیں ہوئے مگر وہ روحانی اقدار کو منظم کرنے سے کبھی غافل نہیں رہے۔ ان کے ہاتھ نسلِ آدم کے خون سے تو کبھی رنگین نہیں ہوئے مگر دنیا کے شہنشاہوں کی اکڑی ہوئی گردنیں ان کی نگاہوں کی تیغ زنی کے سامنے جھکتی چلی گئیں۔ ایک عرصہ سے ان خرقہ پوش ہستیوں کے احوال و اسرار کی جستجو اہلِ ذوق کا مشغلہ رہا ہے۔

جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس اُن کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینو ں میں؟
نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت، ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لیئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں
تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

ظاہر بین نگاہیں ان پُراسرار ہستیوں کے کمالات و احوال کے ادراک سے ہمیشہ محروم رہی ہیں۔ مگر اہلِ دل نے ان رجال اللہ کے فیضان سے نہ صرف فائدہ اٹھایا ہے بلکہ دنیا کے بادشاہوں کی تمام فتوحات ان صاحب اسرار بزرگوں کی نگاہ کی حکمرانی کے سامنے ہیچ اور بے فائدہ دکھائی دیتی ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ ان کی روحانی قوتوں کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ صوفیاء کے ہاں ان افراد کی تنظیم اور روحانی سلطنتوں کے نظام کی ذمہ داری بھی ایسے ہی صاحب کمال حضرات ابدال پر عائد ہوتی ہے۔

1۔ ابدال کون ہیں؟
2۔ ان کی حدود کار میں کون کون سے اُمور آتے ہیں؟
3۔ ان کے فرائض کیا ہیں؟
4۔ ان کا قیام کائنات اَرضی کے کون کون سے مقامات پر ہوتا ہے؟
5۔ ان کا تقرر، تبدیلی یا اختیارات کی حدود کیا ہیں؟

40 بہترین متقیوں میں سے ایک ولی ہوتا ہے۔ ولی ترقی پا کر ابدال ہو جاتا ہے، ابدال وہ ہیں جو اپنی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیتے ہیں۔ ولی اللہ کو دو اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔ (1) اولیاء مستورین یا مجوبین (2) اولیاء ظاہرین

قرآن پاک سورۃ نور، آیت نمبر 37 میں ہمیں رجال اللہ کا ان الفاظ میں تعارف کروا دیا گیا ہے۔

"وہ مردانِ حق جنہیں تجارت اور خرید و فروخت یادِ خداوندی سے اور نماز ادا کرنے سے اور زکوۃ دینے سے غافل نہیں کرتی" -

(1) <u>اولیاء مستورین یا مجوبین</u>:- ان کا وجود حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے عہد تک رہا ہے اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے عہد سے لے کر ظہورِ مہدی اور نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک رہے گا۔ کائنات کے قیام و نظام کا دارومدار ان ہی مردانِ حق پر ہے۔ عبد و معبود کے درمیان کا رشتہ ان ہی کی تعلیمات اور ہدایت پر قائم ہے۔ ان کی برکات سے بارش برستی ہے اور نباتات پر سرسبزی آتی ہے۔ کائنات اَرضی پر مختلف قسم کے حیوانات کی زندگی ان ہی کی نگاہ کرم کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔ شہروں کی آبادکاری، سلاطین کے عروج و زوال، انقلاباتِ زمانہ، اغنیاء اور مساکین کے حالات میں ردوبدل اکابر کی ترقی و تنزلی۔ انسانوں اور جنوں کا اجتماع و انتشار، بلاؤں اور وباؤں کا رفع دفع ہونا۔ غرض کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی کروڑوں طاقتوں کا مظاہرہ انہی کے اختیار میں ہے۔

جس طرح آفتاب عالم خداوند تعالیٰ کے عطا کردہ نور سے تمام کائنات کو منور کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے غیب الغیب سے ایک نور ان حضرات پر وارد کرتا ہے۔ جس سے یہ بنی آدم کے نظام کی اصلاح کرتے رہتے ہیں۔ <u>اولیائے مستورین کے سپرد انصرام امور تکوینی ہوتا ہے ان کا تعلق سرکاری محکمہ سے ہوتا ہے۔</u> یہ لوگ عام

لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ یا محجوب ہوتے ہیں۔ یہ لوگ صاحب خدمت ہوتے ہیں انہیں اپنے انصرامی اُمور کے سرانجام دینے کے سلسلے میں اظہار کی ضرورت نہیں ہوتی۔انہیں اصلاح صوفیاء میں رجال الغیب یا مردان غیب کہا جاتا ہے:

1۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو انبیاء کے اتباع میں اُن کے قدم قدم چل کر عالم شہادت تک رسائی حاصل کرتے ہیں اور "مستوی رحمان" کا مقام پاتے ہیں۔وہ نہ تو پہچانے جاتے ہیں اور نہ ہی ان کے وصف بیان کیے جاسکتے ہیں۔حالانکہ وہ عام انسانی شکل میں رہتے ہیں اور عام انسانوں میں صبح وشام مصروف کار رہتے ہیں۔ یہ حضرات حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے سچے نائب ہوتے ہیں۔

2۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے اپنے مقامات پر متعین ہیں عالم احساس میں جس انسان کی شکل چاہیں اختیار کر سکتے ہیں،لوگوں کو پردہ غیب سے پیچھے کی خبریں دیتے ہیں۔بعض اوقات پوشیدہ اُمور سے باخبر کرتے ہیں۔

3۔ ان میں ایسے حضرات بھی ہیں جو تمام کائنات اراضی میں پھرتے ہیں،لوگوں سے اپنا تعارف کرواتے ہیں اور پھر آناً فاناً غائب ہو جاتے ہیں۔لوگوں سے باتیں کرتے ہیں ان کی مشکلات کا حل بتاتے ہیں۔ان کے مسائل کا جواب دیتے ہیں۔ یہ لوگ جنگلوں، پہاڑوں،سمندروں اور صحراؤں میں قیام کرتے ہیں

4۔ ان حضرات میں سے کوئی تو شہروں میں رہتے ہیں۔صفات بشریٰ کے ساتھ صبح و شام بسر اوقات کرتے ہیں۔آبادیوں میں اعلیٰ مکانات میں رہتے ہیں۔احباب کی شادی وغمی میں شریک ہوتے ہیں۔لوگوں کو اپنے معاملات میں شریک کرتے ہیں۔ بیمار ہوتے ہیں تو اپنے حلقہ احباب سے عیادت کرواتے ہیں،علاج کرواتے ہیں۔اولاد و اسباب احوال واملاک رکھتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان کے کمالات باطنی کے احوال لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھتا ہے۔صاحبِ نظر ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور صاحبِ احوال ان کی زیارت کو آتے ہیں۔

مندرجہ بالا رجال اللہ کو بارہ اقسام میں منقسم کیا گیا ہے۔

(1) اقطاب	(2) غوث	(3) امامان	(4) اوتاد	(5) ابدال	(6) اخیار
(7) ابرار	(8) نقبا	(9) نجبا	(10) عمد	(11) مکتوبان	(12) مفردان

ان سب کو اختیارات اور تصرفات نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی نیابت میں ملتے ہیں۔

1۔ اقطاب:- اقطاب کی بے شمار قسمیں ہیں۔

قطب ابدال،قطب اقالیم،قطب ولایت وغیرہ- یہ سب اقطاب قطب عالم کے ماتحت ہوتے ہیں۔

بعض اوقات مختلف افراد کی تربیت کے لیے ایک ایک قطب الگ الگ ہوتا ہے۔مثلاً قطب زہاد،قطب عباد،قطب عرفا،قطب متوکلان۔ یہ اقطاب شہروں، قصبوں،گاؤں غرض جہاں جہاں انسانی معاشرہ ہے وہاں ایک قطب مقرر ہے جو اس معاشرے کی حفاظت اور اصلاح کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ وہ بستی مومنوں سے آباد ہو یا کافروں سے مگر قطب اپنے فرائض سرانجام دیتا ہے۔مومنوں کی بستی میں اسم ہادی' کی تجلی سے کام لیا جاتا ہے۔اور کافروں کی پرورش یا نگرانی اسم "مُضل" کے ماتحت ہوتی ہے۔ یہ سب قطب عالم کے ماتحت ہوتے ہیں۔

<u>قطب عالم یا قطب الاقطاب:-</u> ہر زمانے میں صرف ایک قطب عالم ہوتا ہے۔ یہ سب سے بڑا ہوتا ہے۔ یہ دنیا کے جہات اربعہ (چاروں کناروں میں اس طرح دورہ کرتا ہے جیسے فلک (یعنی چاروں طرف پھیلا ہے) اسے مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے۔قطب عالم،قطب ارشاد۔قطب مدار،قطب جہاں، جہانگیر عالم اور قطب الاقطاب----عالم علوی اور سفلی دونوں میں اس کا تصرف ہوتا ہے اور سارا عالم اسی کے فیض برکت سے قائم ہوتا ہے۔

قطب کو ہر شخص دیکھ کر پہچان نہیں سکتا مگر اپنی استعداد کے مطابق۔ یہ مرتبہ بڑا بھاری ہے۔اگر قطب عالم کا وجود درمیان سے ہٹا دیا جائے تو سارا عالم درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔قطب عالم نور خاصہ مصطفوی خاتم النبیین ﷺ کی برکات ہر سمت سے لیتا ہے قطب عالم نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی وساطت سے اللہ تعالیٰ سے احکامات اور فیض حاصل کرتا ہے۔ یہ باطنی خلیفہ اور سیّد اہل زماں ہوتا ہے، یہ اپنے ماتحت اقطاب کے تقرر،تنزل اور ترقی کے اختیار کا مالک ہوتا ہے۔ولی کو معزول کرنا ،ولایت سلب کرنا،ولی کو مقرر کرنا،اس کے درجات میں ترقی کرنا اسی کے فرائض میں شامل ہے۔

یہ ولایت شمسی پر فائز ہوتا ہے جبکہ اس کے ماتحت اقطاب کو ولایت قمر میں جگہ ملتی ہے۔قطب عالم اللہ تعالیٰ کے اسم "رحمٰن" کی تجلی کا مظہر ہوتا ہے۔قطب عالم سالک بھی ہوتا ہے اور اس کا مقام ترقی پذیر ہوتا ہے۔حتیٰ کہ وہ مقام فردانیت تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ مقام محبوبیت ہے۔رجال اللہ میں اس قطب عالم کا نام عبداللہ ہے۔

2۔ 'غوث':- بعض صوفیاء کرام نے غوث اور قطب ایک ہی شخص کو قرار دیا ہے مگر حضرت محی الدین ابن عربیؒ کے نزدیک قطب عالم اور غوث میں بڑا فرق ہے۔ ہاں البتہ بعض اوقات قطب اور غوث کے اوصاف ایک ہی شخص میں جمع ہو جاتے ہیں۔ جو کہ قطبیت کی وجہ سے قطب الاقطاب اور غوثیت کی وجہ سے غوث العالم کہلاتا ہے

3۔ 'امامان':- قطب الاقطاب کے دو وزیر ہوتے ہیں جنہیں امامان کہتے ہیں ایک قطب کے دائیں ہاتھ رہتا ہے جس کا نام 'عبدالرب' ہے۔ دائیں ہاتھ والا قطب مدار سے فیض پاتا ہے اور عالم علوی سے اضافہ کرتا ہے۔ جبکہ بائیں ہاتھ والا قطب مدار سے فیض پاتا ہے اور عالم سفلی پر اضافہ کرتا ہے۔

صوفیاء کے نزدیک بائیں ہاتھ والا امام کا رتبہ دائیں ہاتھ والے امام سے بلند ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قطب الاقطاب کی جگہ خالی ہوتی ہے تو بائیں ہاتھ والا ترقی پاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم کون وفساد میں انتظام کرنا اور امن برقرار رکھنا زیادہ مشکل ہوتا ہے اس عالم میں معاشرہ اپنی خواہشات، غیض وغضب اور فساد وشر کی وجہ سے سخت انتظام وانصرام کی ضرورت کا تقاضہ کرتا ہے۔ اس لیے یہ وزیر زیادہ مستعد، تجربہ کار اور مضبوط رکھا گیا ہے۔ اس کی نسبت عالم علوی کے احوال زیادہ اصلاح یافتہ ہوتے ہیں اور مشکلات کا سامنا کم ہوتا ہے۔

4۔ 'اوتاد':- پوری دنیا میں چار اوتاد ہوتے ہیں۔ یہ عالم کے چاروں کونوں پر متعین ہوتے ہیں۔

1- مغربی افق والے اوتاد کا نام عبدالودود ہے۔
2- مشرقی افق والے اوتاد کا نام عبدالرحمٰن ہے۔
3- جنوبی افق والے اوتاد کا نام عبدالرحیم ہے۔
4- شمالی افق والے اوتاد کا نام عبدالقدوس ہے

قیام عالم میں یہ اوتاد میخوں کا کام دیتے ہیں اور پہاڑوں کی طرح زمیں پر امن برقرار رکھنے کا کام دیتے ہیں۔ سورۃ النبا، آیت نمبر 7 - 6 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

"اَلم نجعل الارض مھادًو الجبال اَوتاداً

ترجمہ:" کیا ہم نے زمین کو بچھونا اور پہاڑ کو اوتاد نہیں بنایا"

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں صوفیاء کرام نے اوتاد حضرات کے مقامات، فرائض، مراتب اور قیام امن میں ان کے کردار کو تفصیلی طور پر بیان کیا ہے۔

5۔ ابدال:- انہیں بَدَلا بھی کہا جاتا ہے۔ یہ دنیا میں سات ہوتے ہیں۔ یہ سات اقلیم پر متعین ہوتے ہیں۔ یہ لوگوں کی روحانی امداد کرتے ہیں اور عاجزوں اور بے کسوں کی فریادرسی پر مامور ہیں۔

1۔ ابدال اقلیم اوّل۔۔۔۔ برقدم ابرہیم علیہ السلام۔۔۔۔۔ نام۔۔۔۔ عبدالحی
2۔ ابدال اقلیم دوم۔۔۔۔ برقدم موسیٰ علیہ السلام۔۔۔۔۔۔ نام۔۔۔۔ عبدالعلیم
3۔ ابدال اقلیم سوم۔۔۔۔ برقدم ہارون علیہ السلام۔۔۔۔۔ نام۔۔۔۔ عبدالمرید
4۔ ابدال اقلیم چہارم۔۔۔ برقدم ادریس علیہ السلام۔۔۔۔۔ نام۔۔۔۔ عبدالقادر
5۔ ابدال اقلیم پنجم۔۔۔۔۔ برقدم یوسف علیہ السلام۔۔۔۔۔ نام۔۔۔۔ عبدالقاہر
6۔ ابدال اقلیم ششم۔۔۔۔ برقدم عیسیٰ علیہ السلام۔۔۔۔۔۔ نام۔۔۔۔ عبدالسمیع
7۔ ابدال اقلیم ہفتم۔۔۔۔۔ برقدم آدم علیہ السلام۔۔۔۔۔۔ نام۔۔۔۔ عبدالبصیر

مندرجہ بالا ابدالوں میں سے عبدالقادر اور عبدالقاہر کو اُن مقامات وممالک اور اقوام پر مسلط کیا جاتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا قہر نازل ہونا ہوتا ہے۔ ان سات ابدالوں کو قطب اقلیم بھی کہتے ہیں۔

مندرجہ بالا ابدال کے علاوہ پانچ اور بھی ہیں جو یمن میں رہتے ہیں اور پورے شام پر ان کی حکومت ہوتی ہے یہ قطب ولایت کہلاتے ہیں۔

قطلب عالم کا فیض قطب اقلیم پر اور قطب اقلیم کا فیض قطب ولایت پر اور قطب ولایت کا فیض تمام اولیاء جہاں پر وارد ہوتا رہتا ہے۔

علاوہ ازیں 350 ابدال اور بھی ہیں جن میں سے 300 قلب آدم پر ہیں۔ سید محمد علی جعفر مکیؒ نے ابدال کی تعداد 404 بتائی ہے۔ جو مختلف انبیاء کرام کے مشرب پر کام کرتے ہیں اور مختلف خدمات سرانجام دیتے رہتے ہیں۔

6۔ **مفردان:-** افراد کو کہتے ہیں۔ جو قطب عالم ترقی کرتا ہے وہ فرد ہو جاتا ہے۔ مقام فردانیت پر پہنچ کر تصرفات سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔

قطب مدار: - عرش سے تحت اثریٰ تک متصرف ہوتا ہے۔ اور فرد متحقق ہوتا ہے۔

یاد رہے کہ تصرف اور متحقق میں بڑا فرق ہے۔ قطب مدار تو علی الدوام تجلی صفات میں رہتا ہے۔ مگر خود تجلی ذات میں ہوتا ہے۔

قطب مدار "خاص" ہے، فرد 'اخص' ہے۔ فردانیت مقام انبساط و محبت ہے۔ یہاں پہنچ کر مراد باقی نہیں رہتی۔ بعض اولیاء کو تجلی افعالی ہوتی ہے اور بعض کو تجلی اِسمائی، بعض کو تجلی اَثاری۔ بعض مقام "محو" میں ہوتے ہیں بعض مقام "سکر" میں اور بعض بیک وقت دونوں مقامات پر مقاماتِ اولیاء خارج از حدوسفر ہوتے ہیں، مگر اہل فردانیت تمام مقامات سے بلند تر ہوتے ہیں۔ تنزلی کی ایک حد ہے مگر عروج و ترقی حدود وانتہا سے مبرا ہے۔

افراد ترقی کر کے جب فردانیت میں کامل ہو جاتے ہیں تو اُن کا رتبہ محبوبیت آ جاتا ہے۔ حضرت غوث الثقلین سید عبدالقادر جیلانی، سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی اسی مقامِ محبوبیت کے مالک تھے۔

7۔ **اخیار:** ابدال میں سے یہ 40 اخیار ہیں

8۔ **نقبا:** یہ 300 ہیں سب کا نام علی ہے

9۔ **نجبا:** یہ تعداد میں 70 ہیں نام حسن اور مصر میں رہتے ہیں

10۔ **عمد:** یہ چار ہیں نام محمد ہے زمین کے مختلف زاویوں پر کام کرتے ہیں

11۔ **مکتوبان:** یہ حضرات چار ہزار ہیں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں، لیکن یہ حضرات اپنے آپ کو نہیں پہچان سکتے۔ ان پر ان کا اپنا حال آشکار نہیں ہوتا، یا یوں کہیے کہ اپنے مقام سے اخفا میں ہوتے ہیں۔

قطب آدھا پیر اور غوث کامل پیر ہوتا ہے۔ یہ شریعت والوں کی ظاہری اور باطنی اصلاح کرتے ہیں۔

اس سے آگے معارف ہیں جو مکمل ہیں۔ یہ طریقت کے منازل طے کرواتے ہیں۔

اس سے آگے **اکمل ہیں۔ یہ حقیقت تعلیم دیتے ہیں۔**

اس سے آگے **نورالہدیٰ ہیں یہ معرفت کی تعلیم دیتے ہیں (معرفت)**

اس سے آگے **نورعلی نور ہیں یہ بقا اور لقا میں پہنچاتے ہیں۔** یہ مقام معراج ہے۔ فقرا کے لئے روحانی اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے لئے جسمانی معراج کی منزل ہے۔

(2) اولیاءظاہریں:- ان کے سپرد بھی مخلوقِ خدا کی ہدایت واصلاح ہوتی ہے۔ یہ حضرات ہمارے ظاہری احوال و معاملات کی روحانی اصلاح اور نگرانی کرتے ہیں، یہ لوگ مخلوقِ خدا کی اصلاح اور ہدایت کے لیے اپنی زندگی وقف کر دیتے ہیں اور دشوار ترین حالات میں بھی اپنے کام سے غفلت نہیں برتتے۔

ان میں علماء، مشائخ، صوفیاء اور مجددشامل ہوتے ہیں۔ عاشقین، صالحین اور محبوبین بھی ان میں شامل ہیں۔ علماء اور مشائخ کے ہزاروں مقامات اور ہزاروں مراتب ہیں یہ معاشرہ انسانی کی اصلاح ظاہر اور باطن کی اصلاح کے لیے رشد وہدایت پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور ان کے اثرات خصوصیات کے ساتھ مسلم معاشرے پر نمایاں ہوتے ہیں۔ اگر چہ ان کی اصلاحی کوششیں غیر مسلم پر بھی اثر انداز ہوتی ہے اور تاریخ عالم نے عالم اسلام کے اذہان وفکر میں جن انقلابات کی نشاندہی کی ہے وہ ان علما ومشائخ کی شب وروز کوششوں کے مرہونِ منت ہے۔ ان میں صوفیاء خاص طور پر روحانی اور قلبی اصلاح میں مصروف رہے اور ان کی کوششوں نے اسلامی معاشرے کی اخلاقی نشونما میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ انہوں نے مردہ دلوں کو حیات بخشی اور مردہ لاشوں کو زندہ کر دیا۔ انہی حضرات میں ملامیۃ، قلندر، اور مجذوب بھی شامل ہیں۔

ملامیۃ: صوفیاء کرام کی یہ وہ جماعت ہے جو ریا سے بچتی ہے اور اخلاص میں بے حد کوشش کرتی ہے۔ یہ اپنے کمالات باطنی کو پوشیدہ رکھتی ہے۔ ظاہر بین حضرات ان پر غلط رائے قائم کرتے ہیں اور سنگین الزامات کی بناء پر فتاوٰی صادر کرتے ہیں۔ مگر ان حضرات نے نہ تو اپنے حالات پر نظر ثانی کی اور نہ اپنے مخالفین کے فتوؤں کو کوئی اہمیت دی۔

قلندر: صوفیاء کے ہاں قلندر کا مقام بہت جانا جاتا ہے۔ شاہ نعمت اللہ ولیؒ کی رائے میں، صوفی منتہی اپنے مقاصد کو پالیتا ہے تو قلندر بن جاتا ہے۔ دنیا کے گرد و غبار میں اَٹے ہوئے یہ لوگ بعض اوقات دنیا والوں کو دم بخود کر دیتے ہیں۔ قلندر کے مقام کو متعین کرنے کے لیے عارفانِ حق نے بڑے بڑے عمدہ نکتے نکالے ہیں۔ یہ شخصیت نہ عبادات میں سما سکتی ہے اور نہ ہی انہیں الفاظوں کے کوزے میں بند کیا جا سکتا ہے، نہ یہ بیان کے پیمانے میں ناپے جا سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قلندر کی بلند پروازیاں

دین دنیا کی حدود و قیود کو توڑ کر آگے نکل جاتی ہیں۔ گویا کوچہ محبوب میں پہنچنے کے لیے یہ دیر وحرم سے بہت آگے بڑھ جاتا ہے۔

مجذوب: صوفیا میں مجذوب کا مقام نہایت ہی نازک اور منفرد ہے۔

'ملامیتہ' ریا کاری سے بچنے کے لیے سنگ باری طفلاں زمانہ کے مقام پر آ کر کھڑا ہوتا ہے۔

قلندر علم وخرد کی قائم کردہ حدود کو توڑ کر دور او پر نکل جاتا ہے۔ اُس کی پرواز ناسوت اور ملکوت کی بنیادوں کو خاطر میں نہیں لاتی۔ مگر مجذوب کا معاملہ ان دونوں مقامات سے دگرگوں ہے۔ وہ خدا تک رسائی حاصل کرنے کے لیے بطریق سیر کشفی عیانی چلتا ہے۔ طریق استدلال سے بالکل نا آشنا اس راستے پر چلنے والا سالک بعض اوقات یادِ خداوندی کے غلبہ میں پھنس جاتا ہے۔ عالم وما فیا کے تمام خیالات محو ہو جاتے ہیں۔ منجانب اللہ ایک کشش ہوتی ہے جو باعث ترقیات مزید ہوتی ہے۔ اسی حالت کو صوفائی مبتدی کہتے ہیں جو صوفائی وقت کی ابتدائی منزل ہے۔ صوفی پر مختلف مقامات آتے ہیں، تجلیات وارد ہوتی ہیں، پھر وہ صفائی متوسط کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔

اور پھر وہ مجذوب کامل بن جاتا ہے۔ یہ مجذوبِ واصل ہو کر مقام تعین پر پہنچ جاتا ہے۔ یہ مقام صفائی منتہیٰ ہے اس رتبہ پر فائز صوفی کو مجذوب سالک کہتے ہیں۔ صوفیاء اسلام کے مجذوبین کی ایک خاص تعداد ایسی ہے۔ جسے تاریخ نے اپنے دامن میں جگہ دی ہے۔ مجذوبین کا یہ طبقہ اصلاح عالم کے کسی مقام پر متعین نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی انہیں جذب حقیقی سے اتنی فرصت ہوتی ہے کہ خلق کی اصلاح کا کام اپنے ذمہ لیں۔ اس کے باوجود بعض حضرات کے معاملات ان مجذوبوں کے گوشہ ابرو کی جنش سے طے پا گئے ہیں۔

دورِ حاضر میں مادیت نے انسانی ضمیر کو زنگ آلود کر دیا ہے۔ انسان اپنی ظاہری زندگی کی آسانیوں کے حصول کے لیے دیوانہ وار تگ و دو میں مصروف ہو گیا ہے۔ اہل اللہ کی مجالس سے محروم ہو گیا ہے۔ رشد و ہدایت کے چشموں سے اُسے ایک قطرہ آب بھی میسر نہیں۔ یادِ الٰہی کی راحتوں سے یکسر بے بہرہ ہو گیا ہے۔ اُسے کثرت مال کی ہوس نے دنیا کی دوڑ دھوپ میں مصروف کر دیا ہے۔

مندرجہ بالا رجال الغیب کو احادیث مبارکہ سے ثابت کیا جاتا ہے۔

حدیث اوّل: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ابدال میری امت میں چالیس (40) ہیں ان ہی سے زمین قائم ہے۔ انہی کے سبب تم پر مینہ اُترتا ہے انہی کے باعث تمہیں مدد ملتی ہے" (مشکوۃ، مسند احمد)

حدیث دوم: محمد بن عجلانؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ہر قرن میں میری امت سے سابق (نیک کاموں میں سبقت کرنے والے) لوگ ہیں، وہی راست باز (صدیق) ہیں اُن کے ذریعے سے پانی برستا ہے"۔ اُن کے طفیل روزی دی جاتی ہے اور اُن کی برکت سے زمین والوں سے بلائیں دفع کی جاتی ہیں'۔

قرن: قرن سے مُراد 10 سال، 20 سال، 30 سال، 40 سال، 50 سال، 60 سال، 70 سال، 80 سال، 90 سال، 100 سال، 120 سال ہے۔ صحیح قول کے مطابق 100 سال ہے۔ اس کی صحت رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے قول مبارک سے ثابت ہوتی ہے کہ وہ یہ حدیث ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ایک لڑکے کے سر پر اپنا مبارک ہاتھ پھر کر فرما" تُو ایک قرن زندہ رہ، تو وہ 100 سال تک زندہ رہا۔"

حدیث سوم: مکحولؒ حضرت ابو دردہؓ صحابی سے راوی ہیں کہ! فرمایا" انبیا کرام اوتاد الارض ہیں۔ جب نبوت کا سلسلہ ختم ہوا تو محمد خاتم النبیین ﷺ سے ایک قوم کو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا جن کو ابدال کہتے ہیں۔ انہوں نے نماز، روزے اور تسبیح کی کثرت سے لوگوں پر فضیلت حاصل نہیں کی ہے۔ بلکہ حسن خلق، سچی پرہیز گاری، نیک نیتی۔ تمام اہل اسلام کے لیے ان کے دل کا سلامت ہونا، اللہ کی نصیحت پر عمل، اللہ کو خوش کرنے کے لیے صبر اور حلم، عقل، تواضع سے وہ انبیاء کے خلیفہ ہیں۔ وہ ایک ایسا گروہ ہے جن کو اللہ نے اپنے علم سے اپنے لئے خاص طور پر چن لیا اور پسند فرمایا اور وہ چالیس صدیق ہیں۔ ان میں سے تیس آدمی مثل یقین ابراہیم خلیل الرحمٰن کے ہیں۔ ان کے ذریعے زمین والوں سے تکالیف اور بلائیں دور ہوتی ہیں۔ ان کی وجہ سے مینہ برستا ہے اور ان کی برکت سے روزی دی جاتی ہے۔ ان میں سے کبھی کسی کا انتقال نہیں ہوتا۔ مگر اُس کی جگہ اللہ تعالیٰ ایک جانشین پیدا فرما دیتا ہے۔ یہ لوگ کسی کو لعن طعن نہیں کرتے۔ اپنے ماتحت لوگوں کو ایذا نہیں دیتے۔ ان پر دست درازی نہیں کرتے۔ ان کو حقیر نہیں جانتے اور اپنے سے اوپر والوں پر حسد نہیں کرتے۔ وہ دنیا کے حریص نہیں ہوتے، وہ موت سے نہیں ڈرتے۔ وہ تکبر کرنے والے نہیں اور نہ ہی آنکھ، کان، بند کرنے والے ہیں۔ وہ لوگوں سے زیادہ شریں کلام ہیں اور نفوس سے زیادہ پرہیز گار، ان کی طبیعت میں سخاوت ہے۔ اور صفت ان کی سلامت ودوامی ہے۔ یہ نہیں ہے کہ وہ آج خشیت میں ہیں تو کل غفلت میں، ہمیشہ اُن کی حالت ایک ہے۔ خدا کے ساتھ بھی اور آپس میں بھی، اِن کو تُند ہوا اور تیز رفتار گھوڑا نہیں پکڑ سکتا۔ اور ان کا

اشتیاق نیک کاموں میں آگے بڑھا ہوا ہے۔ یہی لوگ اللہ کے گروہ ہیں ہاں اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے" میں نے کہا اے ابو درداؓ "اس صفت سے جو تم نے مجھے بتائی ہے کوئی اور چیز مجھ پر ثقیل نہیں (یعنی یہ مجھ پر سب سے بھاری ہے، یعنی یہ بہت سخت مشکل کام ہیں) چہ جائکہ میں اس کو حاصل کر سکوں (یعنی میں اس کو کیسے حاصل کروں)" کہا کہ متوسط درجہ یہ ہے کہ:

" تو دنیا کو دشمن رکھ اگر تو دنیا سے بغض رکھے گا تو آخرت کی محبت تیرے پاس آئے گی۔ اور جس قدر تو دنیا سے الگ ہو گا اتنا ہی آخرت کو دوست رکھے گا۔ اور جس قدر تو آخرت سے محبت کرے گا اتنا ہی تم کو اپنا نفع اور نقصان معلوم ہوگا۔ جب اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی طلب کی صداقت معلوم ہوتی ہے تو وہ اُس پر راحت اور مضبوطی انڈیل دیتا ہے۔ اور پھر اُس کو اپنی حفاظت اور احاطہ میں کر لیتا ہے۔ اور اس کی تصدیق اُس نے اپنی کتاب قرآن مجید میں کی ہے۔ (سورۃ نحل۔ آیت نمبر ۱۲۸)

ترجمہ: " بے شک اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی اور محسن ہیں "۔

پس جب ہم نے اس پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اُس کی رضا مندی چاہنے سے کوئی چیز زیادہ لذت والی نہیں ہے اور افضل نہیں ہے۔ جس سے کوئی لذت حاصل کرنے والا لذت لے" (روایت کیا اس کو حکیم ترمذی نے اپنی کتاب نوادرالوصول کی معرفت اخبارِ رسول خاتم النبیین ﷺ میں)

حدیث چہارم: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا! سُنا میں نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے فرماتے ہوئے

"ابدال شام میں ہیں اور وہ چالیس ہیں۔ جب اُن میں سے کسی کا انتقال ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ پر دوسرے کو بدل دیتا ہے۔ ان کے ذریعے سے مینہ دیا جاتا ہے اور ان سے دشمنوں پر مدد لی جاتی ہے اور ان کی برکت سے زمین والوں کی بلائیں رد ہوتی ہیں۔ یہی اہلِ بیعت رسول خاتم النبیین ﷺ ہیں۔ اور اس امت کے امان ہیں اگر یہ مر جائیں تو زمین خراب اور دنیا تباہ ہو جائے اور یہی بات اللہ تعالیٰ نے فرمائی اور "اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرے تو زمین برباد ہو جائے"۔ (روایت کیا اس کو حکیم ترمذی نے نوادرالوصول، صفحہ 222، صفحہ 223)

حدیث پنجم: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے کہا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے "ہمیشہ (40) آدمی میری امت میں رہیں گے جو ابراہیم علیہ السلام کے دل پر ہیں۔ ان کی برکت سے اہلِ زمین سے بلائیں دُور ہوتی ہیں۔ ان کو ابدال کہتے۔ انہوں نے اس بات کو نماز، روزہ، صدقات سے نہیں حاصل کیا"۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کس چیز سے یہ خوبی حاصل ہوئی؟

اس پر نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: "سخاوت اور اسلام کی خیر خواہی سے حاصل کی"

اس حدیث کو روایت کیا ابونعیم اصفہانی نے، کتاب حلیۃ الاولیا اور مواہب المدینہ میں، صفحہ 430 پر۔

حدیث ششم: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "ابدال اس امت میں 130 آدمی ہیں اُن کے دل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل پر ہیں۔ جب ان میں سے کسی کا انتقال ہوتا ہے تو اس کی جگہ اللہ تعالیٰ دوسرے کو بدل دیتا ہے" (روایت کیا اس کو حکیم ترمذی نے نوادرالوصول میں)

حدیث ہفتم: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "ابدال شام میں 140 ہیں جب ان میں سے کسی ایک کا انتقال ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے کو بدل دیتا ہے ان کی برکت سے بارانِ رحمت مانگی جاتی ہے اور دشمنوں پر ان سے مدد دی جاتی ہے اور شام والوں سے ان کے ذریعے بلائیں دور کی جاتی ہیں" (امام احمد بن حنبلؒ)

حدیث ہشتم: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "اہلِ شام کو گالی نہ دو بے شک اُن میں ابدال ہیں" (روایت کیا اس کو طبرانی نے)

حدیث نہم: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "میری امت کے ابدال 40 (چالیس) ہیں 22 شام میں اور 18 عراق میں ہیں۔ جب ان میں سے کسی کا انتقال ہوتا ہے تو اس کی جگہ اللہ تعالیٰ دوسرا مقرر فرما دیتا ہے۔ جب امر (قیامت) آئے گا تو سب قبض کیے جائیں گے" (روایت کیا اس کو حکیم ترمذی ابن عدی نے کامل میں اور روضہ الریاحین فی حکایات الصالحین، صفحہ 8)

حدیث دہم: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "ابدال شام میں، نجبا مصر میں، نقبا خراساں میں، اوتاد باقی زمین میں اور حضرت خضر علیہ السلام سب قوم کے سردار ہیں۔"

(روایت کیا اس کو حکیم ترمذی ابن عدی نے کامل میں اور روضہ الریالین فی حکایات الصالحین، صفحہ 8)

ابدال کی علامتوں میں احادیث جن سے وہ پہچانے جاتے ہیں اور معلوم ہوتے ہیں

حدیث گیارہ: بکر بن خنیسؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:"میری اُمت کے ابدال کی علامت ہے کہ وہ کسی شے کو لعنت نہیں کرتے" (روایت کیا اس کو ابن ابی دنیا نے کتاب الدعا میں)

کسی مسلمان پر لعنت نہیں کرنی چاہیے کہ بعض علماء کے نزدیک مستحق لعنت پر بھی لعنت نہ کرے، شجر، جمادیات اور حیوانات پر بھی لعنت ممنوع ہے۔ مگر بچھو وغیرہ پر بعض جانوروں پر حدیث شریف میں لعنت آتی ہے۔

رسولِ پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

1۔ مسلمان طعن کرنے والا، لعن کرنے والا، اور بیہودہ بکنے والا نہیں ہوتا۔ (جامع ترمذی جلد دوم حدیث نمبر 2019)

2۔ دوسری حدیث میں ہے کہ بہت لعنت کرنے والے قیامت کے دن گواہ اور شفیع نہ ہوں گے۔ (صحیح مسلم حدیث نمبر 6610 جلد دوئم)

3۔ تیسری حدیث میں ہے کہ مسلمان کی لعنت مثل اُس کے قتل کے ہے۔ (صحیح بخاری شریف حدیث نمبر 6652)

4۔ چوتھی حدیث میں ہے کہ جب بندہ کسی پر لعنت کرتا ہے تو وہ لعنت آسمان کی طرف چڑھتی ہے۔ آسمان کے دروازے اُس کے لیے بند ہوجاتے ہیں کہ یہاں تیری جگہ نہیں۔ پھر زمین کی طرف اترتی ہے اُس کے بھی دروازے بند ہوجاتے ہیں کہ یہاں تیری جگہ نہیں ہے۔ پھر دائیں بائیں پھرتی ہے۔ کہیں بھی ٹھکانہ نہیں پاتی تو جس پر لعنت کی گئی اگر وہ لعنت کے لائق ہے تو اُس پر جاتی ہے ورنہ دینے والے پر پلٹ آتی ہے۔ (سنن ابی داود، جلد چہارم، حدیث نمبر 4905)

آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:" میں نے عورتوں کو دوزخ میں بکثرت دیکھا" عرض کیا کس سبب سے؟ تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ "وہ لعنت بہت کرتی ہیں "۔ (صحیح مسلم، جلد اول حدیث نمبر 241)

امام غزالی نے کیمیائے سعادت میں نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے وقت میں سو بار شراب پی۔ ایک صحابیؓ نے اُس پر لعنت کی، حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ہے کہ" شیطان اس کا دشمن موجود ہے۔ وہ کفایت کرتا ہے تو لعنت کر کے شیطان کا یار نہ بن"۔ ایک اور شخص نے شراب پی لوگ اس کو مارتے جاتے اور لعنت کرتے جاتے فرمایا آپ خاتم النبیین ﷺ نے" اس کو لعنت نہ کرو کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کو دوست رکھتا ہے"۔ اس لیے لعنت کرنا ثواب میں داخل نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص دن بھر شیطان پر لعنت کرتا ہے تو کیا حاصل ہوگا؟ اس سے بہتر ہے کہ اس قدر وہ وقت درود شریف اور تلاوت میں صرف کرے کہ ثوابِ عظیم ہاتھ آئے۔ اگر اسی کام میں کوئی فائدہ ہوتا تو پھر پروردگارِ عالم ہمیں ابلیس کو لعنت کرنے کا حکم دیتا۔

اہلِ علم فرماتے ہیں اہلِ سُنت والجماعت کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہ کسی پر لعنت نہیں کرتے۔ اور اہلِ بدعت کی برائیوں میں سے ایک بُرائی یہ ہے کہ یہ ان کے بعض لوگ بعض کو کافر کہتے ہیں اور بعض لوگ ایک دوسرے کو لعنت کرتے ہیں۔

حدیث بارہ: کتانیؒ محدث سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے کہا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:" نقبا تین سو، نجبا ستر، ابدال چالیس، اخیار سات، اوتاد چار اور غوث ایک ہے۔"

نقبا کا مسکن مغرب ہے نجبا کا مصر ہے ابدال کا مسکن شام ہے اور اخیار زمین میں سیاحت کرتے ہیں۔ اوتاد جہات اربعہ ہیں یعنی ایک مشرق ایک مغرب ایک جنوب اور ایک شمال میں ہیں اور مسکن غوث وقطب کا مکہ مکرمہ ہے۔ جب امر عالم سے کوئی حاجت پیش آتی ہے تو نقبا خلوص دل سے دعا کرتے ہیں۔ پھر نجبا، پھر ابدال، پھر اخیار، پھر اوتاد، اگر قبول ہوجائے تو ٹھیک ہے ورنہ غوث دعا مانگتے ہیں حتیٰ کہ اُن کی دعا قبول ہوجاتی ہے۔

احادیث اس بیان میں کہ ابدال عورتیں بھی ہیں:۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

"ابدال چالیس مرد اور چالیس عورتیں ہیں۔ جو کوئی مرد اِن میں سے مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے قائم مقام مرد کر دیتا ہے۔ اور جب کوئی عورت مرتی ہے تو اس کی جگہ اللہ تعالیٰ عورت کو قائم مقام کر دیتا ہے۔" (روایت کیا اس کو خلال نے کراماتِ اولیاء میں اور دیلمی نے مسند الفردوس میں وسیلہ جلیلہ، صفحہ 133)

احادیث ابدال کی خاصیتوں کے بارے میں:۔

حدیث اول: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:" امت میں ہر قرن میں پانچ سو آدمی ہیں اور

چالیس ابدال ہیں کبھی ان میں کمی نہیں ہوتی۔ جب ابدال میں سے کوئی مرتا ہے تو پانچ سو میں سے ایک ابدال ہی بھرتی ہوتا ہے۔اور یہ کمی کسی ایک بہترین امتی سے پوری کردی جاتی ہے"

عرض کیا یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ان کے اعمال بتائیے؟ تو اس پر آپ خاتم النبیین ﷺ سے ارشاد فرمایا:"جو اُن پر ظلم کرے اُس کو معاف کرتے ہیں اور جو اُن کے ساتھ بُرائی کرے اس سے احسان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے میں سے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں" (روایت کیا اس کو ابونعیم وسیلہ جلیلہ،صفحہ 1133)

حدیث دوم: حضرت معاذ ؓ سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:" تین چیزیں جس میں ہوں وہ ابدال کے گروہ میں ہے"-(1) رضا بالقضا (تقدیر الٰہی پر راضی ہوں) (2) محرمات الٰہی سے صبر (جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں دیا گیا اُس کی طرف توجہ نہیں) (3) اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے غصّہ (روایت کیا اس کو دیلمی نے مسندِ الفردوس میں)

حدیث سوم: حضرت ابودردا ؓ سے روایت ہے کہ کہا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:" اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ہیں جنہیں ابدال کہتے ہیں وہ اسی مرتبہ پر کثرتِ نماز، روزہ اور خشوع سے نہیں پہنچے بلکہ وہ صدق، سچائی، پرہیز گاری، نیک نیتی، اور سلامتی صدور اور رحمت سے پہنچے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو برگزیدہ کیا اپنے علم سے خاص کرلیا اپنے نفس کے لیے اور وہ چالیس آدمی ہیں ان میں سے کسی کا انتقال نہیں ہوتا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی جگہ خلیفہ پیدا نہیں فرما دیتا" (روایت کیا اس کو روضہ الریاحین،، صفحہ 81 مطبوعہ مصر میں)

حضرت حسن بصری ؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:" میری امت کے ابدال کثرتِ نماز اور روزوں کی وجہ سے بہشت میں نہیں جائیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت، سلامتی قلوب، سخاوت نفس اور اہلِ اسلام کے ساتھ رحم کرنے سے جنت میں داخل ہوں گے۔(روایت حکیم ترمذی)

حدیث چہارم: عطار ؒ سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:"ابدال موالی ہیں اور موالی کو سوائے منافق کے کوئی دشمن نہیں رکھتا۔ موالی کا مطلب مددگار، رفیق، تابع، سردار، ہمسایہ، چچا کا بیٹا، آفتاب، آزاد کرنے والا"

حدیث پنجم: حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:" ہمیشہ 40 آدمی میری اُمت میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب پر ہوں گے (یعنی اُن کا عکس ہوں گے) اللہ تعالیٰ اُن کی برکت سے زمین والوں سے بلا دفع کرتا ہے ان کو ابدال کہتے ہیں۔ اس درجہ کو (انہوں نے نماز، روزہ اور حج سے حاصل نہیں کیا)"۔

عرض کیا گیا کہ اُن کو یہ خصلت کس چیز سے ملی؟ اس پر آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:"سخاوت، اور مسلمانوں کی خیر خواہی سے" (روایت کی اس کو ابو النعیم نے حلیۃ الاولیاء میں)

ابدال سابقون اور برگزیدہ ہیں:-

حدیث اول: حضرت برا بن عازب ؓ ابوعمارہ ؓ انصاری حارثی ؓ صحابی ہیں۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:" اللہ تعالیٰ کے کچھ خاص بندے ہیں جن کو وہ بلند جنتوں میں جگہ دے گا وہ لوگوں میں زیادہ عقل مند ہیں"

راوی کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ وہ کیسے لوگوں سے زیادہ عقل والے ہوں گے؟

آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:" اُن کی ہمت اللہ تعالیٰ کی طرف سبقت کرنا (آگے جانا اُس کی طرف بڑھنا) اور اُس کے پسندیدہ اُمور کی طرف جلدی کرنا ہے۔ انہوں نے دنیا اور اُس کی اچھی چیزوں اور راحت اور نعمتوں کو ترک کردیا۔ وہ ان پر ذلیل ہوئی تو انہوں نے تھوڑا صبر کیا اور استراحت طویل کی" (روایت کیا اس کو امام یافعی نے روض الریاحین، صفحہ 8 پر)

حدیث دوم: حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:" میری اُمت میں ہر زمانے میں (سابقون) سبقت کرنے والے ہیں" (روایت کیا اس کو حافظ ابو النعیم نے خلیفہ الاولیاء میں)

حدیث سوئم: حضرت ابودردا ؓ سے روایت کرتے ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:" سابق (سبقت کرنے والے) اور میانہ رو دونوں بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے اور اپنے نفس پر ظلم کرنے والوں سے آسان حساب لیا جائے گا پھر جنت میں داخل کیا جائے گا۔" (روایت کیا حاکم نے)

حدیث چہارم: رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میری اُمت میں ہر زمانے میں سبقت لے جانے والے ابدال ہیں وہ صدیق ہیں۔ انہی کی بدولت مینہ برسائے جاتے ہیں اور ان ہی کی برکت سے روزی دی جاتی ہے۔ اور انہی کے ذریعے زمین والوں سے بلائیں دفع کی جاتی ہیں" (روایت کیا اس کو حکیم ترمذی نے)

حدیث پنجم: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: "خوشخبری ہے سابقون کے لیے طرف سایہ الٰہی کے ہیں" ''عرض کیا گیا وہ کون لوگ ہیں؟'' اس پر نبی رحمت خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "یہ وہ لوگ ہیں جو حق دیئے جاتے ہیں تو قبول کرتے ہیں اور جب سوال کیے جاتے ہیں تو خرچ کرتے ہیں، اور وہ لوگ ہی جو لوگوں کے لیے وہی حکم کرتے ہیں جو اپنے لیے کرتے ہیں"۔

حدیث ششم: حضرت ابو امامہ باہلیؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ زمینوں میں سے شام ہے اور اس میں اِس کی خلقت اور بندوں سے برگزیدہ لوگ ہیں اور وہ ضرور ضرور داخل ہوں گے جنت میں، میری اُمت سے ایک گروہ جن پر حساب و کتاب نہیں" (طبرانی)

حدیث ہفتم: حضرت معروف کرخیؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص ہر روز یہ کہے کہ اے اللہ اُمت محمدی پر نگاہ کر، اے اللہ اُمت محمدی کی اصلاح کر، اے اللہ اُمت محمدی پر رحم کر، اے اللہ اُمت محمدی کو بخش دے، اے اللہ اُمت محمدی سے غم دور کر، تو وہ ابدال میں لکھا جائے گا"

حدیث ہشتم: حضرت ابو درداؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص مومن مردوں اور عورتوں کے لیے ہر روز 27 بار استغفار کرے تو وہ مستجاب الدعوات لوگوں میں سے ہو جائے گا۔ جن کی برکت سے اہلِ زمین کو روزی پہنچائی جاتی ہے"

علامہ سیوطیؒ نے طبرانی کے حوالے سے جامع صغیر میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ: "اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی حاجت روائی اور مشکل کُشائی کا منصب عطا فرمایا ہے۔ لوگ اپنی حاجات میں اُن کی طرف رُجوع کرتے ہیں"

علامہ سیوطیؒ نے اِسی حدیث کو سند کے اعتبار سے حَسن کا درجہ دیا ہے۔

محدث عبدالروف مناویؒ نے اِس حدیث کی شرح میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی مخلوق میں اپنی نیابت عطا فرمائی ہے۔ اور ان کو اپنی دینی اور دنیاوی نعمتوں کا مالک بنا دیا ہے تاکہ وہ ان خزانوں کو محتاجوں پر خرچ کریں۔ (فیض القدیر)

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے پردہ فرما جانے کے بعد سب سے پہلے قطب حضرت ابو بکر صدیقؓ ہوئے۔ پھر حضرت عمرؓ، پھر عثمانؓ، پھر علیؓ، پھر باتفاق جمہور، حضرت حسن بصریؒ۔

بعض صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے بعد درجہ قطب سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کو عطا فرمایا گیا۔ پھر صحابہ اکرمؓ اور اُن کے بعد اول حضرت حسن بصریؒ تھے پھر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ۔ جب قطب کا انتقال ہوتا ہے تو اُس کے دو وزیروں میں سے ایک اس کا جانشین بنایا جاتا ہے۔ جس میں سے ایک عالم ملکوت کا کام کرتا ہے اور دوسرا عالم ملک کا (زمین کا)۔ یہ حضرات نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے نائب ہوتے ہیں۔ ان کو اختیارات اور تصرفات نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی نیابت میں ملتے ہیں۔ علومِ غیب ان پر منکشف ہوتے ہیں۔ ان میں سے بہت سوں کو لوحِ محفوظ پر مطلع کیا جاتا ہے۔ مگر یہ سب نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے واسطے اور عطا سے ہوتا ہے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے وسیلے کے بغیر کوئی غیر نبی کسی غیب پر مطلع نہیں ہو سکتا۔ تمام اولیاء اولین اور آخرین میں سے زیادہ معرفت حضرت صدیق اکبرؓ کو پھر حضرت عمرؓ کو پھر حضرت عثمانؓ کو پھر حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو مرتبہ تکمیل پر حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ نے جانبِ کمال نبوت حضرات شیخین کو قائم فرمایا اور جانب کمالاتِ ولایت حضرت علی کرم اللہ کو تو بعد کے تمام اولیاء نے حضرت علی کرم اللہ کے گھر سے نعمت پائی اور انہی کے دستِ نگر تھے اور ہمیشہ رہیں گے۔

****

نسل نو کو روحانی اسلام کی طرف کیسے راغب کیا جائے؟

دینی تعلیم اور تبلیغ کے ذریعے نئی نسل کا اسلام کی طرف لانا وقت کی اہم ضرورت ہے۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد گرامی ہے

لا تسبو الدھر ''زمانے کو گالی نہ دو''

زمانے کو بُرا بھلا کہنے سے کوئی بات نہیں بنے گی بلکہ اس کے برعکس معاملہ اور بگڑ جائے گا۔اس لیے کہ زمانے کا کام عدل کرنا ہے۔اسے کسی سے دلچسپی اور سروکار نہیں وہ تو اس کے حق میں اپنا فیصلہ دے گا جو اپنا موقف اس کے سامنے بہتر طریقے سے پیش کرے گا۔ہمارے علما اور مبلغین قرآن اور حدیث کو جس انداز سے پیش کر رہے ہیں وہ نئی نسل کو اسلام کی طرف راغب کرنے کی بجائے اس کے اندر مذہب بیزاری اور گمراہی کے رجحانات کو فروغ دے رہے ہیں۔قرآن حکم کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔

یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا ۙ وَّ یَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا ؕ (سورۃ البقرہ 26 : 2)

ترجمہ: ''یہ (قرآن) بہت سوں کو گمراہ کر دیتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت دیتا''

آج ہماری نسلیں جدید تعلیم سے آراستہ ہو کر ان عقائد اور نظریات کو تنقیدی نظروں سے دیکھنے لگی ہیں جو بزرگوں سے ان تک پہنچے ہیں۔کالجوں اور یونیورسٹیوں سے تعلیم یافتہ جدید نسل جب روحانی سلسلوں کا نام سنتی ہیں تو وہ اپنے بزرگوں کے سامنے لب کشا ہو کر پوچھتی ہیں کہ یہ قادری، سہروردی اور چشتی سلسلے کیا ہیں ان کی افادیت اور ضرورت کیا ہے؟ مشائخ اور پیروں کو ہم کیوں مانتے ہیں؟ جو کچھ مانگنا ہو خدا سے کیوں نہ مانگا جائے یہ توسل اور واسطہ کیوں اور کس لیے ضروری ہے؟ اور ان تمام سوالوں کے جواب میں ہم انہیں گستاخ اور بدزبان کہہ کر خاموش کر دیتے ہیں۔ہماری ڈانٹ سے وہ اس وقت تو زبان بند کر لیتے ہیں لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ اسلامی تعلیمات سے باغی اور سرکش ہو جاتے ہیں۔اس کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہم ان سے جدید انداز میں اور عصری علم کی زبان میں مکالمہ نہیں کر سکے اور ان کا ذہن ہماری بے ربط باتوں سے مطمئن نہیں ہو سکا۔

اولیا اللہ کا مقام قرآن کی نظر میں:

قرآن مجید کا انداز اور اسلوب اپنے اندر حکمت لیے ہوئے ہے۔بعض اوقات خطاب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی ذات سے ہوتا ہے لیکن حکم آپ خاتم النبیین ﷺ کی وساطت سے اُمت کو دینا مقصود ہوتا ہے۔قرآن مجید کی درج ذیل آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے اپنے محبوب خاتم النبیین ﷺ سے ارشاد فرمایا:

وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَیْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ (سورۃ الکھف 28: 18)

ترجمہ: ''اور اپنے آپ کو روکے رکھیے ان لوگوں کے ساتھ جو صبح شام اپنے رب کو اس کی رضا چاہتے ہوئے پکارتے ہیں اور اپنی آنکھوں کو ان سے مت پھیریئے''

اسی ارشاد ربانی میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے توسط سے امت مسلمہ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ ان لوگوں کی معیت اور محبت اور دلجمعی کے ساتھ ہم نشینی اختیار کریں۔جو صبح و شام اللہ کے ذکر میں سرمست رہتے ہیں اور جن کی ہر گھڑی یاد الٰہی میں بسر ہوتی ہے اور انہیں اٹھتے بیٹھتے کسی اور چیز کی طلب نہیں ہوتی اور وہ ہر وقت اللہ کے طلب گار رہتے ہیں۔یہ بندگان خدا صرف اپنے مولا کی آرزو رکھتے ہیں اور اسی کی آرزو میں جیتے ہیں اور اپنی جان آفریں اس کے حوالے کر دیتے ہیں۔

اولیاء اللہ کی معیت کیوں اور کس لیے؟

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ بجائے گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنے سے اولیاء اللہ کی سنگت اور ہم نشینی کی کیا ضرورت ہے؟۔ان کے سلسلے میں آنے، بیعت کرنے اور نسبت قائم کرنے کی اہمیت شریعت میں کیا ہے؟ چاہیے تو یہ تھا کہ سارا معاملہ سیدھا اللہ سے استوار کر لیا جاتا اور بلا واسطہ اسی سے تعلق اور ناتا جوڑنے کی کوشش کی جاتی۔بندوں کو درمیان میں لانا اور انہیں تقرب الی اللہ کیلئے واسطہ بنانا کیوں ضروری ہے؟ جبکہ مقصود کُل تو اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔یہ سوال آج کے دور میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے، اس لیے کہ اکثر یہ باتیں زبان زد عام ہیں کہ خدا اور اس کے بندوں کے درمیان یہ ولیوں، پیروں، فقیروں اور صوفیاء کا طبقہ لانے کی کیا ضرورت ہے؟ کیوں نہ ان کو درمیان سے نکال دیا جائے اور بندوں کا تعلق براہ راست اللہ سے جوڑا جائے؟۔اس طرح کی باتیں آج کل بڑی شدت سے زور پکڑ رہی ہیں۔اور یہ سوال ذہنوں کو پریشان (Agitate) کر رہے ہیں کہ اولیاء اور صوفیا کو درمیانی واسطہ ماننے کا از روئے شریعت کیا جواز ہے؟ اس کا جواب ہم قرآن سے پوچھتے ہیں کہ اسی کا حوالہ سب سے معتبر حوالہ ہے۔اے قرآن ہمیں بتا کہ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان میں یہ اولیاء اللہ کا طبقہ کس نے پیدا کیا؟ تو قرآن جواب دیتا ہے کہ

بندوں اور خدا کے درمیان اولیاء اللہ کو اللہ نے ڈالا ہے اور کس میں اتنی ہمت اور جسارت ہے کہ ایسا کر سکے اس کے بارے میں قرآن مجید کے الفاظ

وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ سورۃ الکھف، آیت نمبر 28

اس حکم کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اولیاء اللہ کو درمیانی واسطہ بنائے بغیر اور کوئی چارہ نہیں۔

اللہ رب العزت نے اپنی توحید کا پیغام اپنے بندوں تک پہنچانے کے لیے انبیاء کو بھیجا جو حضرت آدم علیہ السلام سے کر نبی آخر الزماں حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ تک ہر دور میں اس فریضہء نبوت کو بطریق احسن سرانجام دیتے رہے۔ ابتدائے آفرنش سے اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ وہ اپنا پیغام انبیاء کی وساطت سے دیتا ہے۔ جب انبیاء کا زمانہ تھا ان کو اپنے بندوں کے درمیان رکھا اور جبکہ نبوت کا دروازہ ہمیشہ کیلئے بند ہو چکا ہے۔ اس کام کیلئے اولیاء اللہ کو مامور کیا جاتا رہا اور یہ سلسلہ تا قیامت ابد تک جاری رہے گا۔ قرآن پاک میں فرمان الٰہی ہے

''تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو لوگوں کو نیکی کا حکم کرے اور برائی سے منع کرے یقیناً یہی لوگ بامراد ہیں۔'' سورۃ آل عمران، آیت نمبر 104

یہ اللہ کی سنت ہے کہ وہ اپنی توحید کا پیغام اپنے بندوں کو دینا چاہتا ہے تو (قل ھو اللہ احد) فرماتا ہے کہ ''قل'' کہہ'' کیا کہہ؟ کہتا ہے کہ کہہ اللہ ایک ہے۔ تو اے اللہ تُو خود اپنی توحید کا اعلان کیوں نہیں کرتا تُو خود ہی فرما دے کہ میں ایک ہوں۔ یہ نبی کا واسطہ کہلانے کے لیے تو نے کیوں ڈالا؟۔ اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے کہ نہیں یہ میری شان نہیں کہ بندوں سے از خود کلام کروں اور نہ کسی بشر کی مجال ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست کلام کرے۔ قرآنی ارشاد

''وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ'' (سورۃ الشوریٰ 51 : 42)

ترجمہ: ''نہیں کوئی بشر کہ خطاب کرے اللہ سے''

اس امر کی دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ کام اپنے منتخب مکرم بندوں سے کراتا ہے۔ جنہیں منصب رسالت پر فائز کر دیا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''میں جسے منصب نبوت و رسالت سے سرفراز فرماتا ہوں اپنے اس نبی اور رسول ہی سے کلام کرتا ہوں اور اپنے اس محبوب کو ہی اپنا ہمراز بناتا ہوں اور اسے اپنی خبر دیتا ہوں تو اے محبوب تجھے میں نے اپنا رسول بنایا ہے تو ہی میرے بندوں کے پاس جا اور انہیں میرے ہونے کی خبر دے اور جو کلام میں نے تجھ سے کیا ہے وہ ان تک پہنچا دے۔ (قل ھو اللہ احد) کے کلمے میں ''قل'' کہنا رسالت ہے۔ جبکہ (ھو اللہ احد) وہ اللہ ایک ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ توحید کے مضمون کا عنوان بھی رسالت ہے تا کہ لوگوں کو اس امر سے مطلع کر دیا جائے کہ اللہ ایک ہے اور وہی سب کا رب ہے۔

اس سے یہ نکتہ کھلا کہ اللہ کی سنت یہی ہے کہ وہ کسی سے براہ راست کلام نہیں کرتا اور اگر وہ کسی سے کلام کرنا چاہتا ہے تو درمیان میں واسطہ رسالت لاتا ہے۔ اب یہ کس کی مجال ہے کہ وہ رسول کے واسطے کے بغیر اس سے کلام کرے تو آیت توحید سے یہ صورت واضح ہوگئی ہے کہ اللہ رب العزت اپنے بندوں سے ہم کلام ہونے کیلئے اپنے رسول کا واسطہ درمیان میں لاتے ہیں۔ اس پر ہم چیں بہ چیں کیسے ہو سکتے ہیں؟۔ یہ اللہ کا حکم ہے اور ہم اس کے حکم کے پابند ہیں۔ اس سے روگردانی نہیں کر سکتے۔ رب ذوالجلال نے یہ بنیادی نکتہ، کلیہ اور اصل اور اصول بیان فرما دیا کہ میری اطاعت کا راستہ میرے رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی اطاعت کے راستے سے گزرتا ہے۔ ارشاد ہوا ہے

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (سورۃ النسا 80 : 4)

ترجمہ: ''جو رسول خاتم النبیین ﷺ کی اطاعت کرتا ہے تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی''۔

اے میرے بندو یہ بات ہمیشہ کیلئے اپنے پلے باندھ لو کہ جس نے میری اطاعت کرنی ہو۔ اسے چاہیے کہ مصطفی کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کرے۔ میرے مصطفی خاتم النبیین ﷺ کی اطاعت کے بغیر میری اطاعت کا تصور بھی نہ کرنا اس نقطے کو یہ کہہ کر مزید واضح کیا۔

''قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ'' (سورۃ العمران 31 : 3)

ترجمہ: ''اے حبیب خاتم النبیین ﷺ فرما دیں کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع میں آ جاؤ اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا'' (میری پیروی میں آ جاؤ)

''اے محبوب! آپ خاتم النبیین ﷺ فرما دیجئے کہ اگر تم میں سے کوئی اللہ کی محبت اور غلامی کا دعویٰ کرتا ہے تو پہلے میری محبت اور غلامی کا پٹہ اپنے گلے میں ڈال لے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو اسے اللہ کی محبت نصیب ہو جائے گی''۔ اس سے یہ بات روز روشن کی طرح آشکار ہوگئی کہ اللہ کے نزدیک وہ محبت اور اطاعت ہرگز معتبر اور قابل قبول نہیں جو اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کی محبت اور اس کی اطاعت کے بغیر ہو اس نے رسول کو اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان واسطہ بنا دیا اور یہ بات طے کر دی کہ اس رابطہ کو درمیان میں رکھے بغیر اطاعت و محبت الٰہی کا کوئی دعویٰ محض ''خیال است و جنوں است'' والی بات ہوگی۔ مزید ارشاد ہوا کہ

وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ ‘‘ ط (سورۃ البقرہ 186 : 2)

ترجمہ:’’ (اے محبوب خاتم النبیین ﷺ) جب آپ خاتم النبیین ﷺ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں (تو فرمادیں) پس میں قریب ہوں‘‘۔

یعنی اے میرے محبوب خاتم النبیین ﷺ جب تلاشِ حق کے متلاشی میرے بندے آپ خاتم النبیین ﷺ سے میرے متعلق سوال کریں تو آپ خاتم النبیین ﷺ انہیں کہہ دیجئے کہ میں انسان کے بہت قریب ہوں۔ یہاں اب کہا جا رہا ہے کہ میں ان بندوں کے قریب ہوں۔ مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ بندے کون ہیں؟ جنہیں قرب الٰہی کا مژدہ جانفزا سنایا جا رہا ہے۔ ذرا غور کریں تو یہ نکتہ کھل جائے گا کہ میرے بندے وہ ہیں جو پہلے میرے مصطفی خاتم النبیین ﷺ کے در کے سوالی بنیں، جو ان کے در پر آ کر سوالی ہوگا وہی میرا بندہ ہوگا اور جو اس در کا سوالی نہ ہوگا وہ خدا کے در کا سوالی نہیں وہ کبھی شان بندگی کا حامل نہیں ہو سکتا۔

تو اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ رسالت ایسا واسطہ ہے جس سے اطاعت و محبت الٰہی کے باب میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے جب منافقوں نے از روئے عناد درِ مصطفی خاتم النبیین ﷺ پر سر تسلیم خم کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرما کر ان کی قلعی ظاہر کر دی۔ یہ ارشاد ہوا ہے

وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰی مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ وَ اِلَی الرَّسُوۡلِ رَاَیۡتَ الۡمُنٰفِقِیۡنَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡکَ صُدُوۡدًا ۚ (سورۃ النسا 61 : 4)

ترجمہ:’’اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اور رسول کی طرف تو آپ دیکھیں گے کہ منافق آپ خاتم النبیین ﷺ سے منہ موڑ کر پھیر جاتے ہیں‘‘

ملاحظہ ہو کہ یہ منافق لوگ اللہ کی طرف آنے سے پس و پیش نہیں کریں گے۔ اور انہیں کسی قسم کی ہچکچاہٹ اور گھبراہٹ نہ ہوگی لیکن جب رسول خاتم النبیین ﷺ کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ اپنا چہرہ یہ کہہ کر پھیر لیتے ہیں کہ جب بالآخر اللہ ہی طرف جانا ہے تو سیدھے اس کی ہی طرف کیوں نہ جائیں؟۔ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی طرف کیوں جائیں۔ اللہ ان لوگوں کے بارے میں جن کے دلوں کے اندر چور ہے۔ فتویٰ دے رہا کہ وہ میرے بندے نہیں بلکہ منافق ہیں، میرا ان سے بندگی کے ناطے کوئی تعلق نہیں۔

بغیر واسطہ رسالت بندہ خدا کا بندہ نہیں بن سکتا:

یہ بات ارشاد ربانی سے طے ہوگئی کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی راہ پر چلے بغیر کوئی اپنی منزل پا نہیں سکتا۔ وہ لاکھ ٹکریں مارتا ہے اس کی بندگی کو بارگاہ خداوندی میں سند قبولیت نہیں مل سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے خود واسطہ رسالت کو اپنے اور بندوں کے درمیان رکھا ورنہ اگر وہ چاہتا تو کتاب کے ذریعے اپنا پیغام براہ راست بندوں تک پہنچا سکتا تھا۔ اس کی قدرت کاملہ کے سامنے کوئی چیز محال نہیں، وہ اپنے فرشتوں سے یہ کام لے سکتا تھا۔ عین ممکن تھا کہ ایک شخص صبح اٹھتا اور اس کے سرہانے ایک پارہ پڑا ہوتا جس پر درج ہدایت ربانی اس کے دل میں اتر جاتی۔ وہ کلام جو اس نے اپنے ہر نبی اور رسول کے ساتھ کیا تو کیا وہ اپنے ہر بندے کے ساتھ نہیں کر سکتا تھا؟ اس طرح ہر بندے کا تعلق براہ راست اس سے قائم ہو جاتا ہے لیکن اپنی بے پایاں حکمتوں کے پیش نظر اس بات کا فیصلہ کر دیا کہ میری ہدایت میرے رسول خاتم النبیین ﷺ کے واسطے کے بغیر ممکن نہیں اور میری معرفت کو وہی پا سکتا ہے جسے میرے رسول خاتم النبیین ﷺ کی معرفت حاصل ہو جائے

تیری معراج کہ تُو لوح و قلم تک پہنچا
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

تو یہ بات طے ہوگئی کہ بارگاہ مصطفوی خاتم النبیین ﷺ میں شرف حضوری حاصل کرنے والے کو ہی فیضان رسالت خاتم النبیین ﷺ نصیب ہوگا۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ فیضان رسالت ہی معرفت الٰہی حاصل کرنے کا پیش خیمہ ہے۔ یہی واسطہ وہ زینہ ہے جو سیدھا عرش الٰہی تک جاتا ہے اگر کوئی اصل واسطے کو درمیان سے ہٹانا چاہے تو اس کا یہ عمل اللہ کے نظام کو منسوخ کرنے کے مترادف ہوگا۔ اس پر حضور نبی اکرم خاتم النبیین ﷺ کا یہ ارشاد پاک دلالت کرتا ہے

انما انا قاسم و اللہ یعطی

میں (نعمتوں کی) تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ عطا کرنے والا ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب العلم)

سلسلہ اولیاء کا اجراء:

باب نبوت ہمیشہ کیلئے بند ہونے کے بعد فیوضات الٰہیہ (فیضان الٰہی) کے حصول کو جاری و ساری رکھنے کیلئے خدائے ذوالجلال نے اپنے محبوب اور مقرب بندوں یعنی اپنے اولیائے کا سلسلہ جاری فرما دیا۔ ان سے فائدہ حاصل کرنا از روئے حکم قرآن ہے

"وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ" (سورۃ الکھف 28: 18)

ترجمہ: "اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھو جو صبح شام اپنے رب کی رضا چاہتے ہوئے اس کو پکارتے ہیں اور اپنی آنکھوں کو اس سے نہ ہٹاؤ (انہیں نظرانداز نہ کرو)"

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جنہیں میری قربت درکار ہو انہیں چاہیے کہ میرے ان خدا پرست بندوں کے صحبت اور سنگ اختیار کر لیں۔ پھر ارشاد ہوا

وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ج (ترجمہ: ان سے اپنی نظریں نہ ہٹاؤ) (سورۃ الکھف 28 : 18)

ترجمہ: "لوگو! میرے ان بندوں سے اپنی نگاہ نہ ہٹانا اور انہیں کبھی بنظر تحقیر نہ دیکھنا"۔ پھر فرمایا:

تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج (سورۃ الکھف 28 : 18)

ترجمہ: "کیا تم اس چند روزہ دنیا کی زینت کے اسیر رہنا چاہتے ہو"؟ ارشاد ہوا

"وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا" (سورۃ الکھف 28 : 18)

ترجمہ: "اس کی پیروی مت کرو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے"۔ خبردار ان لوگوں کی اطاعت نہ کرنا جن کے دلوں کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے۔ اگر تم ان کا کہنا مانو گے اور ان کے پیچھے چلو گے تو ہم سے دور ہو کر خسران فی الدنیا و الاخرۃ کے مصداق بن جاؤ گے (دنیا اور آخرت کے خسارے میں)

اس آیت کریمہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ معرفت و قرب الٰہی، ذکر اور وصل باللہ کیلئے اللہ کا حکم ہے کہ اللہ کے نیک بندوں سے یک گونہ قلبی تعلق صحبت اور معیت اختیار کی جائے جو فیوضات نبوت حاصل کرنے کا وسیلہ ہے۔ تو جس طرح نبی کی ذات فیضان الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے۔ اسی طرح گروہ اولیاء فیضان نبوت حاصل کرنے کا ذریعہ و وسیلہ ہیں۔

مقناطیس اور مقناطیسیت:

قرآن اور جدید سائنس کے تناظر میں ہم مقناطیس (Magnet) کے حوالے سے بات کریں گے۔ مادی ترقی کے اس دور میں مقناطیس پر بہت کام ہو رہا ہے۔ مقناطیسیت وہ قوت ہے جس سے کوئی مقناطیس اپنے دائرہ اثر کے اندر چیزوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے ہر مقناطیس میں ایک خاص مقناطیسی قوت (Mangnetic Force) ہوتی ہے۔ جس کا اثر ایک خاص فاصلے (Range) تک ہوتا ہے جتنا طاقتور کوئی مقناطیس ہوگا اتنا زیادہ فاصلے تک اس کا دائرہ اثر ہوگا۔ اسے اس مقناطیس کا حلقہ اثر (Mangnetic Field) کہتے ہیں۔ سائنسدانوں کے نزدیک یہ زمین فی نفسہ ایک مقناطیس ہے۔ جس کی مقناطیسی قوت کا دائرہ کار اسی ہزار (80,000) کلو میٹر تک ہے۔

روحانی کائنات کا مقناطیسی نظام:

وہ مادیت زدہ لوگ جو آج تک روحانیت کی حقیقت نہیں سمجھ سکے۔ اکثر سوال کرتے ہیں کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک اللہ کا ولی ہزاروں میلوں کے فاصلے سے اپنے ایک مرید کو اپنی نظر اور توجہ سے فیضاب کر دے؟۔ اتنی دور سے ایسا کیونکر ممکن ہے؟۔ بصیرت سے محروم ان افراد کو یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ وہ قدیر و علیم ذات جس نے زمین اور مشتری جیسے سیارہ گان فلک کو وہ مقناطیسی قوت عطا کر رکھی ہے جو ہزاروں، لاکھوں میلوں کے فاصلے پر پڑی ہوئی کسی چیز پر اثر انداز ہو سکتی ہے تو کیا وہ مادی حقیقتوں کو روحانی حقیقتوں سے بدلنے پر قادر نہیں؟۔ یہاں اس کا ادراک وہی کر سکتا ہے جس کا دل بصیرت اور باطنی نور سے بہرہ ور ہو۔ ہر صاحب علم پر یہ حقیقت منکشف ہے کہ زمین جو ایک بڑا مقناطیس ہے اس کی مقناطیسی قوت دو کناروں یا دو پولز (Poles) سے پیدا ہوتی ہے۔ جو شمالی پول اور جنوبی پول کہلاتے ہیں۔ اس کے اثر کو قطب نما (compass) کی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ ہم جونہی اس کو زمین پر رکھتے ہیں اس کا رخ شمالاً جنوباً ہو جاتا ہے۔ اس compass کے مقابلے میں عام سوئیاں زمین پر رکھیں تو وہ جوں کی توں پڑی رہیں گی اور ان کا رخ شمالاً جنوباً نہیں پھرے گا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ compass کی سوئی کو کس نے شمالاً جنوباً پھیرا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ سوئی جس کی نسبت دوسرے Poles کے ساتھ ہو گئی وہ عام سوئی نہ رہی بلکہ قطب نما بن گئی جس نے اس کی سمت شمال اور جنوب کی طرف پھیر دی۔

روحانی کائنات کا قطب نما گنبد خضرا کا مکین ہے:

مادیت زدہ لوگوں کو جان لینا چاہیے کہ ان کا دل عام سوئی کی طرح ہے۔ جو کسی روحانی قطب نما سے منسلک نہ ہونے کے باعث اُس نور سے محروم ہے جس کے

بارے میں قرآن نے (لا شرقیۃ و لا غربیۃ) کہا کہ اس نور کی حدیں مشرق ومغرب سے ماوراء ہیں۔ روحانی کائنات کا قطب صرف ایک ہے اور وہ ہے "گنبد خضرا زمین کے قطب نما کے دو پول ہیں۔ شمالی وجنوبی، جس کی نسبت سے قطب نما کی سوئی شمالاً وجنوباً رخ اختیار کرلیتی ہے جبکہ فرش سے عرش تک روحانی کائنات کا قطب نما گنبد خضراء کا مکین خاتم النبیین ﷺ ہے جس طرح عام سوئیوں کی نسبت زمین کے قطبین سے ہوجائے تو وہ عام سوئیاں نہیں رہتیں بلکہ خاص ہوجاتی ہیں۔ جو ظاہری واسطہ کے بغیر جہاں بھی ہو خود بخود اپنی سمتیں شمالاً جنوباً درست کرلیتی ہیں۔ بالکل اس طرح ہمارے دل بھی ہیں جن کی سوئیوں کی نسبت گنبد خضراء سے ہوجائے تو پھر وہ عام دل نہیں رہیں گے۔ بلکہ خاص دل بن جائیں گے۔ پھر وہ کسی ظاہری واسطے کے بغیر بغداد ہو یا اجمیر، لاہور ہو یا سہرورد، بھُوراشریف ہو یا گولڑہ شریف ان کی سمت چہرہ مصطفیٰ کی طرف ہوجائے گی۔ تو یہ کیونکر ممکن نہ ہوگا کہ گنبد خضرا یا بغداد یا اجمیر اور دیگر روحانی مراکز سے سلسلہ فیض جاری وساری نہ ہو؟ اگر یہ فیض منقطع ہوگیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ہمارے دل کی سوئی خراب ہے اور اس کا رابطہ کسی روحانی قطب سے جڑا ہوا نہیں ورنہ یہ فیضان تو ہمیشہ جاری رہنے والا ہے۔ زمین کے دو پول ہیں جبکہ اس کائنات کا ایک ہی پول ہے جو مدینہ منورہ ہے۔ یہ نظام وحدت کی کارفرمائی ہے کہ جس دل کی سوئی مدینہ کے پول سے مربوط ہوگئی وہ کبھی بے سمتی اور بے ربطی کا شکار نہ ہوگا۔ آج بھی تاجدار کائنات خاتم النبیین ﷺ کی مقناطیسی توجہ ہر صاحب ایمان انسان کو وہ سمت (Direction) دے رہی ہے۔ جو زمینی مقناطیس کے دو پول کسی قطب نما کی سوئی کو شمال وجنوب (South and North) کی مخصوص سمت (Direction) دے سکتے ہیں۔

چاند کی تسخیر اور اپالو مہم:

جب امریکی خلا باز چاند کی تسخیر کیلئے اپالو گیارہ اور اپالو بارہ خلائی جہاز کے ذریعے محو سفر تھے اور امریکہ میں قائم زمینی مراکز سے سائنسدان انہیں ہدایت دے رہے تھے تو راستے میں دوران سفر اپالو گیارہ کا رابطہ زمین سے منقطع ہوگیا جس کے نتیجے میں وہ اپنی منزل مقصود تک نہ پہنچ سکا جبکہ اپالو بارہ کا رابطہ زمینی مرکز سے بحال رہا اور وہ چاند تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ تو جس طرح وہ اپالو مہم جو زمین سے رابطہ ٹوٹ جانے کی وجہ سے ناکام اور تباہ وبرباد ہوگئی اور وہ مہم جس کا رابطہ بحال رہا کامیابی سے ہمکنار ہوئی اسی طرح یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اس مادی دنیا کی طرح رب ذوالجلال نے رشدوہدایت کے لیے ایک طے شدہ نظام کے ذریعے کامیابی اور نجات کی منزل تک پہنچنے کیلئے روحانی مرکز حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی ذات کو بنایا ہے جس کا رابطہ اصل مرکز سے قائم رہا وہ اپنی منزل مقصود تک پہنچ جائے گا اور جو کٹ گیا وہ تباہ برباد ہوجائے۔

آج ہمارے دلوں پر غفلت کے دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں اور ان پر فیضان الوہیت اور فیضان رسالت کا نزول نہیں ہو رہا۔ اس کا کیا سبب ہے؟ بات یہ ہے کہ اللہ نے ہمارے دل کو ایک ٹی وی سکرین کی مثل بنایا ہے جس پر روحانی چینل سے نشریات کا آنا بند ہوگیا ہے۔ تو کیا ہم کہیں گے کہ چینل نے کام کرنا بند کردیا ہے؟ نہیں چینل پر نشریات اسی طرح جاری ہیں۔ ٹی وی سیٹ میں کوئی خرابی ہوگئی ہے جسے جب تک درست نہیں کرایا جائے گا نشریات سنائی اور دکھائی نہیں دیں گی تو جس طرح ٹی وی سے یہ بات ثابت ہے کہ اسٹیشن سے رابطہ بحال ہو تو اسکرین پر آواز اور تصویر آتی رہتی ہے اور یہ رابطہ کسی وجہ سے ٹوٹ جائے تو پھر ٹی وی کی لہریں (Waves) نہ آواز پہنچاتی ہیں اور نہ تصویر دکھاتی ہیں۔ اس طرح حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی رحمۃ العالمینی اور فیضان نبوت کا سلسلہ بلا انقطاع جاری وساری ہے اور یہ ہمارے قلب کی سوئی ہے جو رابطہ بحال نہ ہونے کی باعث اس اسٹیشن کو نہیں پا رہی جہاں سے روحانی نشریات دن رات نشر ہو رہی ہیں۔ آج بھی یہ رابطہ بحال ہو جائے تو یہ فیضان ہم تک بلا روک ٹوک پہنچ سکتا ہے۔ خاصانِ اُمت کا تعلق کبھی اپنے آقا مولا محمد خاتم النبیین ﷺ سے نہیں ٹوٹا۔

مقناطیس کیسے بنتے ہیں؟

مقناطیس بنانے کا کیا طریقہ ہے؟۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دو طریقے ہیں جن سے مقناطیس بنائے جاتے ہیں۔

1۔ **الیکٹرک چارج میتھڈ** (Electric Charge Method) اس طریقے کی رو سے لوہے کے ایک ٹکڑے میں سے برقی رو (Electric Current) گزاری جاتی ہے جس کے نتیجے میں جو مقناطیس بنتے ہیں انہیں Electric Charge Magnets برقی چارج مقناطیس کہلاتا ہے یہ مقناطیس اس آیت کریمہ کا مصداق ہیں جس میں اللہ رب العزت کا قرآنی ارشاد ہیں۔

"اَلَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ" (سورۃ الانعام 52 : 6)

ان بندوں کی یہ کیفیت بیان فرماتا ہے کہ وہ صبح وشام اپنے مولا کی یاد میں مست رہتے ہیں اور جب **ان میں سخت مجاہدہ اور تزکیہ کی بجلی گزاری جاتی**

ہے تو روحانی طور پر چارج ہو جاتے ہیں۔ اس عمل (Process) سے جو مقناطیس (Mangnets) تیار ہوتے ہیں ان میں کسی کو داتا گنج بخشؒ بنا کر لاہور میں، کسی کو غوث الاعظمؒ بنا کر بغداد میں، کسی کو خواجہ معین الدین چشتی بنا کر اجمیر میں اور کسی کو بہاؤالدین ذکریا بنا کر ملتان میں فیض رسانی کو جاری وساری رکھنے کیلئے مامور کر دیا جاتا ہے۔

2۔ **میگنٹ بنانے کا دوسرا طریقہ سٹروک میتھڈ (Stroke Method) ہے۔** اس کے مطابق ایک لوہے کے ٹکڑے کو مقناطیس کے ساتھ رگڑا جائے تو وہ لوہے کا ٹکڑا بھی مقناطیس کی طرح چیزوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اس میں مقناطیسیت (Magnetism) منتقل ہو جاتی ہے۔ روحانی دنیا میں دوسرے طریقے میں ایسے لوگ آتے ہیں جو مجاہدہ نفس، اور تزکیہ وتصفیہ کے اعتبار سے کمزور ہوتے ہیں اور وہ اس قدر ریاضت نہیں کر سکتے مگر ان کے اندر یہ تڑپ ضرور ہوتی ہے کہ وہ بھی اپنے قلب و باطن کو کثافت ورزائل سے پاک وصاف رکھ کر رضائے الٰہی سے ہمکنار ہو جائیں۔ آیت کریم ہے کہ

وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ وَلَا تَعْدُ عَیْنٰکَ عَنْھُمْ ۚ (سورۃ الکہف 28 : 18)

میں اُن طالبان حق کا ذکر کیا گیا ہے **جو اللہ والوں کی صحبت** اور معیت اختیار کر کے اپنے اندر حق پرستی اور خدا پرستی کا جوہر پیدا کر لیتے ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان اللہ والوں کو وصال کئے ہوئے صدیاں گزر گئی ہیں کیا وہ اب بھی طالبان حق کو اللہ سے ملا سکتے ہیں۔ اسکا جواب اثبات میں ہے۔ وہ ایسا کر سکتے ہیں اور یہ بات ہمیں قرآن کی آیت مبارکہ سے معلوم ہوئی ہے۔

اصحاب کہف اور خاص رحمت الٰہی:

قرآن فہمی کے باب میں ربط بین آیات بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ اس حوالے سے جب ہم سورۃ الکہف کا مطالعہ کر کے آیت قرآنی کا ربط دیکھتے ہیں تو **وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُم** سے اس سورہ مبارک میں بیان کردہ واقعہ اصحاب کہف اپنی پوری معنویت کے ساتھ ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ یہ پہلی امت کے وہ اولیاء اللہ ہیں جو اللہ کے دین اور اس کی رضا کے لیے دشمنان دین کے ظلم وستم سے بچنے کے لیے گھروں سے باہر نکلے اور ایک غار میں پناہ حاصل کر لی اور وہاں بحضور خداوندی دعا گو ہوئے: **رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً وَّھَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا** (سورۃ الکہف 10 : 18)

ترجمہ: اے ہمارے رب ہمیں اپنی بارگاہ سے خصوصی رحمت عطا فرما۔

ان کی دعا کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے باری تعالیٰ نے انہیں اس مژدہ جانفزا سے نوازا کہ تمہارا رب ضرور اپنی رحمت تم تک پھیلا دے گا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ خاص رحمت جس کا ذکر قرآن پاک میں مذکور ہے کیا تھی؟ یہاں قرآن کے سیاق وسباق کو غور سے دیکھا جائے تو اصحاب کہف کے حوالے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ غار میں تین سو نو سال پڑے رہے۔ کھانے پینے سے بے نیاز۔ بس قبر کی سی حالت میں وہ غار کھلا نہ ہونے کی وجہ سے سورج کی تپش، گرمی، سردی، آب وہوا کے اثرات سے محفوظ تھی لیکن **اللہ نے خصوصی رحمت کا جو وعدہ فرمایا تھا وہ تین سو نو سال تک ان کے جسموں کو سورج کے چڑھنے اور ڈھلنے سے پیدا ہونے والے اثرات سے محفوظ رکھتا رہا۔** ان کی خاطر سورج اپنا راستہ بدلتا رہا کہ ان کے جسم موسمی تغیرات سے محفوظ وسالم رہیں۔ آج کے نام نہاد مفسرین، استفسار کرتے ہیں کہ سورج کا راستہ مقرر ہے، وہ تو اپنا راستہ نہیں بدلتا۔ ان سے کوئی پوچھے تو پھر اللہ کی خاص نشانی کیسے ہوئی؟، اور قرآنی ارشاد (ذالک من آیات اللہ) کی وہ کیا توجیہہ کرتے ہیں؟ اللہ کی خاص نشانی یہ ہے کہ اس نے اپنے ولیوں کے لیے تین سو نو سال تک سورج کے طلوع وغروب کے اصول بدلے رکھے اور (**ذالک تقدیر العزیز العلیم**) کی رو سے ایک معین نظام فلکیات کو ایک طویل عرصہ تک صرف اس لیے تبدیل کر دیا اور تقدیر بدل کر رکھ دی تاکہ ان ولیوں کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ اس پورے واقعے کو بیان کر کے اس تناظر میں ایک راستہ بیان کر دیا کہ اگر لوگ میرا قرب حاصل کرنا چاہتے ہیں تو میرے ان مقرب خاص بندوں کے حلقہ بگوش بن جاؤ اور (**واصبر نفسک مع الذین**) کو حرز جان بنا لو۔ پھر آگے چل کر ارشاد ربانی ہوا۔

مَنْ یَّھْدِ اللہُ فَھُوَ الْمُھْتَدِ ۚ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا (سورۃ الکہف 17 : 18)

ترجمہ: ''اللہ جسے ہدایت دیتا ہے وہی راہ ہدایت پر ہے اور جس کو وہ گمراہ کر دے تو آپ کسی کو اسکا دوست نہیں پائیں گے''

یہ سب کچھ سمجھانے کے باوجود اگر بات ہماری سمجھ میں نہ آئے تو پھر جان لو کہ ہدایت کی راہ وہی پاتا ہے۔ جسے اللہ ہدایت کی راہ دکھا دے اور جو سب کچھ جانتے بوجھتے نہ مانے تو پھر اس کا کوئی ولی ومرشد نہیں اور اسے کوئی رہنما نہیں مل سکے گا۔ خدائے رحمان ورحیم نے اپنی خصوصی رحمت سے اصحاب کہف کو تھپکی دے کر پر

کیف نیند سلا دیا اوران پر عجیب سرشاری و مستی کی کیفیت جاری کر دی۔ پھر انہیں ایسے مشاہدہ حق میں مگن کر دیا گیا کہ صدیاں ساعتوں میں تبدیل ہوتی محسوس ہوئیں۔ جیسا کہ ایک حدیث پاک میں مذکور ہے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا۔ وہ اللہ کے نیک بندوں پر اس طرح گزر جائے گا جیسے عصر کی چار رکعتیں ادا کر کے سلام پھیرا ہو جبکہ اورلوگوں پر وہ دن نا قابل بیان کرب واذیت کا حامل ہوگا۔ تو مشاہدہ حق کے استغراق میں وقت سمٹ جاتا ہے اورصدیاں لمحوں میں بدل جاتی ہیں۔ اس دن اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ کو حکم دیں گے کہ ان طالبان حق کو جن کے پہلو فقط میری رضا کی خاطر نرم وگداز بستروں سے دور رہتے تھے اوران کی راتیں مصلے پر رکوع وسجود میں سرگرم ہوتی تھیں، میرے دیدار سے شرف یاب کیا جائے اوران پر سے سب حجابات اٹھا دیئے جائیں۔ پس وہ قیامت کے دن نور کے ٹیلوں پر رونق افروز ہوں گے اور وقت ان پر عصر کی نماز کی طرح گزر جائے گا جب کہ دوسروں کے لیے یہ عرصہ قیامت پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔

اصحاب کہف کے حوالے سے قرآن کہتا ہے کہ جب ان پر صدیوں کا عرصہ چند ساعتوں میں گزر گیا اور بیدار ہونے پر انہوں نے ایک دوسرے سے پوچھا کہ کتنا عرصہ گزرا ہوگا تو بعض نے کہا (یوما او بعض یوم) یعنی ایک دن یا دن کا کچھ حصہ قرآن کی اس بات سے انکار کیسے ہوسکتا ہے کہ ان پر صدیاں گزر گئیں تھیں مگر ان کے کپڑے میلے نہ ہوئے تھے اور جسموں میں کوئی کمزوری اور نقاہت کے آثار نہ تھے بلکہ ایک گونہ تازگی اور بشاشت تھی جیسے وہ چند گھنٹے نیند کر کے تازہ دم اٹھے ہوں۔ پھر انہوں نے اپنے کسی ایک ساتھی سے کہا کہ ان پیسوں سے کھانے کی کچھ چیزیں لاؤ دوکاندار ان سکوں کو دیکھ کر انہیں بے یقینی اور حیرت سے تکنے لگا کہ یہ شخص صدیوں پہلے کے سکے لے کر کہاں سے آ گیا؟ اور وہ انہیں قبول کرنے سے انکاری تھا کہ اتنی صدیوں پہلے کے سکے اب نہیں چلتے وہ (اصحاب کہف) کہنے لگا کہ بھئی یہ (سکے) ابھی کل ہی تو ہم اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ دکاندار نے کہا کیا بات کرتے ہو یہ صدیوں پہلے کے سکے جانے تم کہاں سے لے کے آئے ہو؟۔ پھر اس نے اپنے گرد وپیش غور سے دیکھا تو ہر چیز کو بدلا ہوا پایا۔ یہ اہل اللہ (اولیائ) وہ اہل مشاہدہ ہیں کہ جن پر ہزاروں برس بھی بیت گئے غار میں ان کی جسمانی حالت میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ **اسی طرح وہ اہل مشاہدہ ہیں جو قبر میں برزخی زندگی گزار رہے ہیں، ہزاروں سال ان پر بیت جائیں گے جیسے کہ وہ لمحے ہوں، یہ کوئی من گھڑت قصہ نہیں قرآن کا بیان کردہ واقعہ ہے۔ جس کی صداقت کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔**

ذکر اولیاء کرام کا ہو رہا تھا جو مرنے کے بعد مشاہدہ حق کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اُس پیغمبر حق خاتم النبیین ﷺ کا تو ذکر ہی کیا جو آئے ہی مردہ انسانوں میں زندگیاں بانٹنے کے لیے تھے یہ اولیاء جنہوں نے اپنی زندگی ذکر وفکر اور یاد الٰہی میں گزار دی مرنے کے بعد یہ کیفیت الٰہی ان کا نصیب ہے اِن اصحاب کہف کے ساتھ ان کا ایک خدمت گزار کتا بھی تھا تین سو نو سال تک یہ کتا بھی غار کے دہانے پر پاؤں پھیلائے ان کی حفاظت پر مامور رہا۔ ان کی نسبت سے قرآن نے اس کتے کا ذکر کیا ہے۔

وَ كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ''ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ط ترجمہ: ''کتے کو یہ مقام ان غار نشین اولیاء حق کی بدولت ملا'' (سورۃ الکھف 18 : 18)

مفسرین لکھتے ہیں کہ جب وقفے وقفے سے اصحاب کہف دائیں بائیں کروٹ لیتے تو وہ کتا بھی کروٹ لیتا تھا۔ یہ اسی صحبت نشینی کا اثر تھا جس کا ذکر (واصبر نفسک مع الذین) سے ہوا۔ روایات میں ہے کہ اصحاب کہف نے بہت کوشش کی کہ کتا غار سے چلا جائے وہ اسے دھتکارتے تھے لیکن وہ ان کی چوکھٹ پر جم گیا اور تین صدیوں تک فیض رحمت سے بہرہ یاب ہوتا رہا۔

ذات مصطفی خاتم النبیین ﷺ منبع ومصدر فیوضات الٰہی:

آقائے دو جہاں خاتم النبیین ﷺ اپنی رحمت العالمین کی بناء پر اس کائنات آب وگل کے مقناطیس اعظم ہیں جنہیں بارگاہ الوہیت سے فیض الیکٹرک چارج میتھڈ اور سٹروک میتھڈ دونوں ذریعوں سے ملا۔ پوری نسل انسانیت کا محسن وہادی اعظم بنایا جس کے دم قدم سے دنیائے مشرق ومغرب ایک قوم، آئین ودستور قرآن اور حکومت الٰہیہ کے نظام میں پرو دی گئی۔ اس فیضان الوہیت کا ذکر ایک حدیث میں ملتا ہے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ فرماتے ہیں کہ ''ایک رات مجھے اللہ نے اپنی شان کے مطابق دیدار عطا کیا اور اپنا دست قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا۔ یوں کہ اس کی بدولت میں نے اپنے سینے میں ٹھنڈک محسوس کی پھر اس کے بعد میرے سامنے سارے پردے اٹھا دیئے گئے اور آسمان وزمین کی ہر چیز مجھ پر روشن ہوگئی۔ فیض الوہیت کا یہ عالم تو زمین پر تھا۔ اس فیض کا عالم کیا ہوگا جو (قابَ قوسین) کے مقام پر نصیب ہوا اور پھر اس سے آگے (اَوْ اَدنیٰ) پر آپ کے درجات کی بلندی کا باعث بنا اور پھر آپ خاتم النبیین ﷺ کو (ثم دنیٰ فتدلیٰ) کا قرب الوہیت عطا ہوا۔ جس کے بعد زماں ومکاں اور لامکاں کے تمام فاصلے مٹ گئے اور محب ومحبوب میں دو کمانوں سے بھی کم فاصلہ رہ گیا (قابَ قوسین ادنیٰ) کہہ کر مخلوق کو یہ بتلانا مقصود تھا کہ دیکھو اپنا عقیدہ درست رکھنا، اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور معبودیت اپنی جگہ برحق ہے۔ اور محمد خاتم النبیین ﷺ اتنا قریب ہو کر بھی عبدیت کے مقام پر فائز ہیں۔ یہ

فرق روا رکھنا لازم ہے۔فیض الوہیت کی ساری حدیں اور انتہائیں آپ خاتم النبیین ﷺ پر تمام ہوائیں جب تمام فیض آپ خاتم النبیین ﷺ کو عطا کر دیئے گئے تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من رانی فقعہ راء الحق ترجمہ: جس نے مجھ کو دیکھا اس نے اللہ کو دیکھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ نے بارگاہ حق میں (رب ارنی انظر والیک) کا سوال کیا تھا جس کا جواب (لن ترانی) کی صورت میں دیا گیا روایات میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے دیدار الٰہی کی التجا کئی بار کی تھی۔ان کی یہ دعا اس وقت تک موخر کر دی گئی جب کہ اُمت مسلمہ کو شب معراج میں پچاس نمازیں دی گئیں اور چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰؑ آپ خاتم النبیین ﷺ کو بار بار، بارگاہ الوہیت میں پلٹ جانے کے لیے عرض کرتے رہے حتیٰ کہ پانچ نمازیں رہ گئیں۔آپ خاتم النبیین ﷺ محبوب حقیقی کے جلووں کا مظہر اتم ہو کر لوٹتے تو حضرت موسیٰ خاتم النبیین ﷺ آپ کے دیدار فرحت آثار سے شاد کام ہوتے۔یہ فیض عالم لاہوتی کا تھا۔عالم ناسوتی کے فیض کا یہ عالم تھا کہ ارض وسماء کے سب خزانوں کی کنجیاں آپ خاتم النبیین ﷺ کو تھما دی گئیں اور تمام فیوضات الٰہیہ کے آپ خاتم النبیین ﷺ قاسم بن گئے۔جس طرح فیضان الوہیت کے قاسم آپ خاتم النبیین ﷺ ہیں اسی طرح اولیاء فیضان رسالت کے قاسم ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا۔

"اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ" (الانعام 122 : 6)

ترجمہ: "اور کیا وہ مردہ تھا تو ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کے لیے نُور پیدا کیا جس سے لوگوں میں چلتا ہے"۔

مراد یہ کہ بھلا وہ لوگ جن کے دل مردہ تھے ہم نے ان مردہ دلوں کو زندہ کر کے نُور نبوت سے سرفراز فرمایا۔پھر جیسے تمہیں نور نبوت سے زندگی ملی تم اس نُور کو لوگوں میں بانٹا کرو۔اب اسی (یمسشی بہ فی الناس) کا کرشمہ تھا کہ کسی کو غوث الاعظم کی صورت میں بغداد میں یہ ذمہ داری دی۔کسی کو داتا گنج بخش ہجویریؒ بنا کر لاہور اور کسی کو خواجہ غریب نوازؒ بنا کر اجمیر میں اس نور کو بانٹنے پر لگا دیا اور کوئی اس نور کو سرہند میں تقسیم کرنے پر مامور ہوا۔وہ دل جو مردہ تھے سب اس نور نے زندہ کر دیئے۔اب موت کی کیا مجال کہ انہیں مار سکے۔موت تو صرف ایک ذائقہ ہے اور بقول اقبالؒ:

موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

ادھر کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان بندگان حق کے پاس مت جاؤ یہ کچھ دے نہیں سکتے اور ان کا توسل اختیار کرنا شرک ہے۔نہیں قطعاً ایسا نہیں جب اللہ نے انہیں نور دے کر فرما دیا۔(یمشی بہ فی الناس) تو ان کی صحبت اختیار کرنا اور حلقہ بگوشی میں آنا مشیت الٰہی اور حکم ربانی ہے۔

جدید سائنسی دریافت اور نظام برقیات سے ایک تمثیل:

موجودہ سائنسی دنیا سپر الیکٹرو میتھڈ (Super Electro Method) کے نظام سے چل رہی ہے۔جس کے تحت ایک کوائل (coil) پر اتنی توجہ اور محنت کی جاتی ہے کہ اس کی ساری برقی مزاحمت (Electrical Resistance) ختم کر دی جاتی ہے۔صوفیاء کی زبان میں اسے تزکیہ کہہ سکتے ہیں جس کے بارے میں قرآن نے فرمایا: (الاعلی 14: 87)

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ ترجمہ: "تحقیق وہ کامیاب ہو گیا جس نے اپنا تزکیہ کیا"

تزکیہ کیا ہے؟ **برقیات کی اصطلاح میں یہ بجلی چارج کرتے ہوئے تمام تر ممکنہ مزاحمت کو ختم کرنا ہے اور صوفیاء کی اصطلاح میں نفس کو کدورتوں اور رزائل کو اور اس مزاحمت کو دور کرنا جو قرب الٰہی کی راہ میں حائل ہوتی ہے۔**

جدید سائنس کے حوالے سے کوائل (coil) اس قدر ٹھنڈا کیا جاتا ہے کہ اس کا درجہ حرارت منفی دوسو انہتر (269- پر چلا جاتا ہے۔تو اس طرح جو الیکٹرو میگنٹ (Elector Magnet) حاصل ہوتا ہے وہ زیادہ سے زیادہ کرنٹ اپنے اندر سما سکتا ہے۔اس کی تمثیل پر صوفیاء، مجاہدہ، محاسبہ نفس کے ذریعے اپنے اندر غصہ حسد و بغض اور غرور و تکبر اور نفس کی کثافتوں کو جو فیض پانے کی راہ میں مانع ہوتی ہیں۔ اس قدر ٹھنڈا کر کے نکال دیتے ہیں کہ

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (سورۃ الاعمران 134 : 3)

ترجمہ: "اور غصہ پینے والے درگزر کرنے والے اور نیک لوگ اللہ کے محبوب ہیں" کی تصویر سامنے آنے لگتی ہے۔

توجس طرح (Superelectro Magnet) مادی کثافتوں کے دور ہونے سے چارج ہوا ہے اور اس سے مادی دنیا میں کرامتیں صادر ہونے لگتی ہیں اس طرح اولیاء کا نفس کثافتوں اور رزائل وکدورت سے پاک ہو کر فیضان الوہیت اور فیضان رسالت کو اپنے اندر جذب کر کے اپنے آپ کو اس قابل بنا لیتا ہے کہ پھر وہ جدھر نگاہ اٹھاتے ہیں کرامات کا ظہور ہونے لگتا ہے۔ اس ماہیت سے اولیاء کے قلب موصل مقناطیس (Conductin Magnet) بن جاتے ہیں۔ پھر جب ان الیکٹرو میگنٹس (Electro Magnet) کو ایک خاص عمل (Process) سے گزارا جاتا ہے تو (Super Conducting) میگنٹس Magnets بن جاتے ہیں اس کو این ایم آر NMR پروسیس یعنی Resonant Nuclear Magnetic) کے پروسیس سے گزارتے ہیں اور مریض کو اس کے سامنے رکھا جاتا ہے تو پھر اسکے اندر تمام چیزیں دیکھیں جاسکتی ہیں۔ گویا مقناطیسیت کی وجہ سے جسم کا پردہ تو قائم ہے مگر scanner کے ذریعے وہ چیزیں جو ننگی آنکھیں نہیں دیکھ سکتی آشکار کر دی جاتی ہیں تو وہ لوگ جنہوں نے تزکیہ وتصفیہ کی راہ اختیار کی ان پر سے بصورت کشف پردے اٹھادیئے جاتے ہیں۔ وہ کشف سے توجہ کرتے ہیں تو ہزارہا میل تک ان کی نگاہ کام کرتی ہے اور جو چیزیں ننگی آنکھ پر ظاہر نہیں اِن پر آشکار کردی جاتی ہیں اور جس طرح مقناطیسی قوت Magnetic Force ایک پروسیس کے ذریعے اس قابل بن جاتی ہے کہ ان سے بجلی پیدا ہونے لگتی ہے جو حرارت اور روشنی پیدا کرنے کا موجب ہے اور پھر جب یہ مکینیکل توانائی (Mechanical Energy) میں منتقل ہوتی ہے تو چیزوں کی ہیت بدلنے لگتی ہے اور وہ جسم جو مردہ ہوتے ہیں حرکت کرنے لگتے ہیں اس کی مثال پلاسٹک کے کھلونے کی طرح ہے جو بیٹری سے چارج کیا جائے تو وہ متحرک ہو جاتا ہے اور اس وقت تک متحرک رہتا ہے جب تک اس کو بیٹری سے چارج ملتا رہتا ہے۔ مادی کائنات میں بیٹری کا نظام مردہ اجسام کو زندگی اور حرکت دیتا ہے۔ اس طرح جب اولیاء کرام کی روحانیت ایک پروسیس سے گزرتی ہے تو جس مردہ دل پر ان کی نظر پڑتی ہے وہ دل زندہ ہو جاتے ہیں۔ وہ مردہ لوگ جو صحبت اولیاء سے فیض یاب ہو کر زندہ ہو جاتے ہیں ان کے دل اور روحیں حیات نو سے مستفیض ہو جاتی ہیں اس کی تصدیق قرآن میں بیان کردہ حضرت موسیٰ اور خضر کی ملاقات کے حوالے سے ہوتی ہے۔ جب ایک مقام مجمع البحرین پر جو حضرت خضر کی قیام گاہ تھی حضرت موسیٰ کے ناشتہ دان میں سے مردہ مچھلی زندہ ہو کر سمندر میں کود جاتی ہے۔ **یہ واقعہ اس امر کا مظہر ہے کہ وہ مقام جو حضرت خضر جیسے ولی اللہ کا مسکن تھا اس کی آب و ہوا میں یہ تاثیر تھی کہ وہ مردہ اجسام کو وہاں سے حیات نو ملتی تھی۔** اس طرح حضرت داتا گنج بخشؒ کا وجود مسعود حیات بخش اور گنج بخشی کا مظہر ہے اور یہ بات کسی معمولی انسان کی نہیں خواجہ اجمیر جیسے ولی برحق نے کہی تھی۔

گنج بخش فیض عالم مظہر، نور خدا

ناقصاں را پیر کامل، کاملاں را راہنما

اب یہ اپنے اپنے ظرف کی بات ہے کہ کوئی کس حد تک فیض لے سکتا ہے کوئی یہ کہے کہ میں بجلی ڈائریکٹ تربیلا ڈیم سے لوں گا تو کیا ایسا ممکن ہے۔ تربیلا ڈیم سے کنکشن کسے مل سکتا ہے۔ یہ مادی دنیا عالم اسباب ہے۔ جس کے اپنے عوامل اور سلاسل ہیں جن کی پابندی ضروری ہے۔ ایک طے شدہ نظام کے مطابق تربیلا سے بجلی پاور ہاؤس سے ٹرانسفارمروں اور وہاں سے مقرر اندازے کے مطابق گھروں میں آتی ہے، ٹرانسفارمر سے کنکشن لینے کے بعد گھروں میں (stablisers) اور فیوز (Fuse) لگا دیتے ہیں تاکہ ہمارے فریج اور دیگر حساس برقی آلات کہیں جل نہ جائیں۔ اس لیے ہمارے گھر کا برقی سسٹم اتنا کمزور ہے کہ زیادہ بجلی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

اس طرح اللہ رب العزت نے فرش سے عرش تک اس ارض وسماء کا کائنات میں ایک واحد ڈیم بنایا ہے جس سے رحمت کا پانی منتقل ہو کر مختلف دریاؤں اور نہروں میں منتقل ہوتا ہے۔ **وہ رحمت کا ڈیم آقائے نامدار خاتم النبیین ﷺ کی ذات گرامی ہے اور اس دریائے رحمت پر جو پاور ہاؤس بنائے گئے ہیں ان میں کسی کا نام ابوبکرؓ، کسی کا عمرؓ، کسی کا عثمانؓ اور علیؓ ہے اور فیضان رسالت کو تقسیم کرنے کے لیے اولیاء اللہ کا ایک وسیع وعریض سلسلہ ہے جو بقدر ظرف مخلوق خداوندی کو فیض تقسیم کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری وساری رہے گا۔**

چونکہ اولیاء کرام نے سخت، ریاضت اور مجاہدے سے نسبت محمدی خاتم النبیین ﷺ کو مضبوط سے مضبوط بنالیا ہے وہ فیض وہاں سے حاصل کرتے ہیں لیکن ہر شخص کا ظرف اس قابل نہیں ہوتا کہ وہ ڈائریکٹ اس ڈیم سے فیض حاصل کر سکے ان کیلئے (واصبر نفسک) کا درس یہ ہے کہ ان اللہ والوں کی سنگت اختیار کرلیں اور اپنے آپ کو اِن سے پیوستہ اور وابستہ رکھیں تو انہیں کامل ایمان نصیب ہو جائے گا۔

یہ سلاسل طریقت کا نظام من جانب اللہ قائم ہے۔ یہ ایک سلسلہ نور ہے جو تمام عالم انسانیت کو رب لازوال کی رحمت وسیع سے سیراب کر رہا ہے۔ اس سے انکار عقل کا انکار شعور کا انکار اور رب کائنات کی ربوبیت کا انکار ہے۔ (روحانی ڈائجسٹ من وعن)

"جس کا کوئی مرشد نہیں اس کا مرشد شیطان ہے"-(حضرت بایزید بسطامیؒ)

بیعت کیا ہے؟

بیعت کے معنی خود کو بیچ دینا، یا کسی کے ہاتھ پر بک جانا۔

بیعت کی اصل:

بیعت کی اصل یہ ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ کے موقع پر 400 صحابہ اکرامؓ سے ایک درخت کے نیچے بیعت لی جسے بیعت رضوان کہتے ہیں۔اس کا ذکر قرآن پاک کی سورہ فتح۔آیت نمبر 10 میں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے،

ترجمہ:" بے شک جو لوگ آپ (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی بیعت کرتے ہیں۔اللہ کا دست قدرت ان کے ہاتھوں پر ہوتا ہے"

حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نائب اور خلیفہ ہیں اس لئے آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت اللہ سے بیعت ہے۔اس طرح ہم لوگ بالواسطہ حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی بیعت کی نسبت قائم کرتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ بیعت ہونا سنت ہے۔

امام اہل سنت نے ''فتاوٰی افریقہ'' میں اس موضوع پر بہت عمدہ اور مدلل گفتگو فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں: مرشد کی قسمیں ہیں مرشد عام اور مرشد خاص۔

مرشد عام:

کلام ہے یعنی کلام اللہ، کلام رسول، کلام آئمہ شریعت وطریقت، اور کلام علمائے حق۔

عوام کا رہنما (یا مرشد) علمائے حق کا کلام

علمائے حق کا رہنما (یا مرشد) آئمہ کا کلام

آئمہ کرام کا رہنما (یا مرشد) رسول پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام اور

حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رہنما یا مرشد اللہ تعالیٰ کا کلام

فلاح ظاہری اور فلاح باطنی دونوں کے لئے اس مرشد عام کا ہونا ضروری ہے۔جو اس سے جدا ہے بلاشبہ وہ کافر ہے یا گمراہ یا اس کی عبادت برباد اور وہ تباہ۔

مرشد خاص:

یہ کہ بندہ کسی سُنّی صحیح عقیدہ عالم شریعت وطریقت جامع شرائط بیعت کے ہاتھ میں ہاتھ دے دے۔

اس طرح بیعت کی دو قسمیں ہوئیں،

۱۔بیعت برکت یا بیعت توسل

۲۔بیعت ارادت

۱۔بیعت برکت یا بیعت توسل:

یعنی برکت حاصل کرنے یا وسیلہ پکڑنے کے لئے بیعت ہونا۔آج کل عام بیعت یہی ہیں۔(یہ بھی نیک نیتوں کی بیعت، ورنہ جن لوگوں کی بیعت دنیاوی اغراض کے لئے ہوتی ہے۔(وہ خارج از بحث ہیں) اس مقصد کے لئے جس مرشد کی ضرورت ہوتی ہے اسے شیخ اتصال کہتے ہیں۔

شیخ اتصال:

وہ جو نفس اور شیطانی فریب کاریوں سے آگاہ ہو، دوسرے کی تربیت کرنا جانتا ہو، اپنے متوسل پر مکمل شفقت رکھتا ہو، اس کے عیب پر اسے مطلع کرے، ان کا علاج بتائے، جو مشکلات اس راہ میں پیش آئیں انہیں حل کرے۔

یہ بیعت بھی بہت مفید ہوتی ہے اور دنیا اور آخرت میں اس کے بہت فائدے ہیں۔محبوبان خدا کے غلاموں کے دفتر میں نام لکھا جانا اور ان سے سلسلہ متصل ہو جانا بڑی

سعادت ہے۔ یہ ایک بڑی نعمت ہے کہ ایک انسان ارباب طریقت کے ساتھ ایک سلسلہ میں منسلک ہو جائے۔

خاص خاص غلاموں اور سالکان طریقت سے اس امر میں مشابہت ہو جاتی ہے۔اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''جو جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ انہی میں سے ہے''۔(سنن ابی داؤد)

حدیث پاک میں ہے (حدیث قدسی)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!"وہ (اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے والے) وہ لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بھی بد بخت نہیں رہتا" ۔(مسند احمد)

کسی شخص نے سیدنا غوث اعظمؒ سے عرض کیا اگر کوئی شخص آپؒ کا نام لیوا ہے''اور اس نے آپؒ کے دست مبارک پر بیعت نہ کی ہو اور نہ خرقہ پہنا ہو تو کیا وہ آپؒ کے مریدوں میں شامل ہوگا؟

آپؒ نے فرمایا!''جو اپنے آپ کو میری طرف منسوب کرے اور اپنا نام میرے دفتر میں شامل کرے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے گا۔اور اگر وہ کسی ناپسندیدہ راہ پر ہوگا تو اسے توبہ کی توفیق دے گا اور وہ میرے مریدوں کے زمرے میں ہے''

۲۔بیعت ارادت:

بیعت ارادت یہ ہے کہ اپنا ارادہ اور اختیار ختم کر کے خود کو شیخ کامل کے سپرد کر دے، اسے اپنا حاکم، اپنا مالک اور متصرف جانے، اور اس کے چلانے پر راہ سلوک چلے، کوئی قدم بغیر اس کی مرضی کے نہ رکھے۔اس کے ہاتھ میں مردہ بدست زندہ ہو کر رہے یہی سالکین کی بیعت ہے اور یہی مشائخ مرشدین کا مقصود ہے۔یہی اللہ عزوجل تک پہنچاتی ہے اور یہی بیعت حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے صحابہ اکرامؓ سے لی تھی۔سیدنا عبادہ بن صامتؓ انصاری فرماتے ہیں کہ''**ہم نے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ سے اس بات پر بیعت کی کہ ہر آسانی و دشواری، اور ہر خوشی و ناگواری میں آپ خاتم النبیین ﷺ کا حکم سنیں گے۔اور اطاعت کریں گے اور صاحب حکم کے کسی حکم میں چوں چرا نہ کریں گے''۔**

قرآن پاک سورہ فاطر آیت نمبر 32 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے،

(ترجمہ):''پھر ہم نے کتاب کا وارث کیا اپنے چنے ہوئے بندوں کو، تو ان میں کوئی تو اپنی جان پر ظلم کرتا ہے، اور ان میں سے کوئی میانہ چال پر ہے، اور کوئی وہ ہے جو اللہ کے حکم سے بھلائیوں میں سبقت لے گیا، یہی بڑا فضل ہے''۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس اُمت میں تین گروہ ہیں:

۱۔اپنی جان پر ظلم کرنے والے۔

۲۔درمیانی چال چلنے والے جو فرائض اور واجبات کے پابند مگر سنت و مستحبات میں سست ہیں۔

۳۔مقربین بارگاہ الٰہی جو فرائض کی تکمیل کیساتھ نوافل کے بھی پابند ہیں۔

ہر گروہ کے افراد کی یہ دینی ذمہ داری ہے کہ اپنے سے اعلیٰ درجے کی طرف پہنچنے کی کوشش کرتا رہے۔''سبع سنابل شریف''میں اسی مقام پر ہے کہ مریدی کیا ہے؟ اپنے گناہوں سے توبہ کرنا اور اپنی غلطیوں کی عذر خواہی کرنا، کیونکہ بغیر توبہ کے انسان بے رونق ہے۔اس لئے مریدی بے حد ضروری ہے۔اے دوست تو خود توبہ نہیں کر سکتا تو اپنے نفس کو کسی صاحب توبہ کے سپرد کر دے''۔

تقویٰ ہر مسلمان پر فرض عین ہے اور وہ انسان کی فلاح یعنی جہنم سے نجات کے لئے بفضل الٰہی تعالیٰ کافی ہے۔پس صحیح العقیدہ مسلمان اگر تقویٰ اختیار کر لیں تو انہیں مرشد خاص کی ضرورت نہیں۔یعنی تقویٰ تک کی زندگی کے لئے مرشد خاص کا ہونا ضروری نہیں ہے۔مگر مرتبہ احسان، یعنی سلوک، یا راہ ولایت، اعلیٰ درجے میں مطلوب و محبوب ہے، مگر یہ تقویٰ کی طرح فرض عین نہیں ہے۔ورنہ اولیاء کے سوا جو کہ ہر دور میں ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوتے ہیں باقی کروڑوں مسلمان فرض کے چھوڑنے کی وجہ سے معاذ اللہ فساق (گناہ گار) ہوتے۔

اولیاء اکرامؒ نے بھی کبھی اس راہ عام کی دعوت نہیں دی۔کروڑوں میں سے چند کو اس پر چلایا اور اس کے طالبوں میں سے بھی جسے اس راہ کے قابل نہ پایا واپس کر دیا۔فرض سے واپس کرنا کیونکہ ممکن تھا؟ پس ثابت ہوا کہ اس کا ترک (راہ سلوک کا) فلاح کے منافی نہیں۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ،

۱۔ہر بد مذہب فلاح سے دور ہلاکت میں چور ہے مطلقاً بے پیرا ہے اور ابلیس اس کا پیر ہے۔

۲۔سنّی صحیح عقیدہ جو راہِ سلوک میں نہ پڑا اگر فسق (گناہ) کرے تو فلاح پر نہیں مگر پھر بھی نہ بے پیرا ہے اور نہ ہی اس کا پیر شیطان ہے۔

۳۔یہ اگر تقویٰ اختیار کرے تو فلاح پر بھی ہے اور بدستور اپنے شیخ یا مرشد عام کا مرید بھی ہے۔

غرض یہ کہ صحیح عقیدہ سنّی خاص بیعت نہ کرنے سے (مرشد خاص نہ کرنے سے) بے پیرا نہیں ہوتا اور نہ ہی شیطان کا مرید۔ہاں اگر گناہ کرے تو فلاح پر نہیں اور اگر متقی ہو تو فلاح پر بھی ہے۔

۴۔اگر راہ سلوک میں مرشد خاص کے بغیر قدم رکھا،اور راہ کھلی ہی نہیں اور نہ کوئی مرض مثلاً تکبر،خود پسندی۔خود بینی پیدا ہوا تو اپنی پہلی حالت پر ہے اس میں کوئی تغیر نہ آیا۔تو شیطان اس کا پیر نہ ہوگا۔اور وہ متقی بھی تھا تو فلاح پر ہوگا۔

۵۔اگر یہ مرض پیدا ہوئے تو وہ فلاح پر نہ رہا اور بحالت انکار فساد عقیدہ شیطان کا مرید بھی بن گیا۔

۶۔ہاں اگر محض جذب ربّانی کفایت فرمائے تو ہر بلا سے دور ہے،اور اس کے پیر رسول پاک خاتم النبیین ﷺ ہیں۔کیونکہ جذب ربّانی میں مرشد نبی کریم خاتم النبیین ﷺ ہوتے ہیں۔ولی کامل اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت یہ تحقیق لکھنے کے بعد فرماتے ہیں الحمداللہ یہ وہ تفصیل ہے کہ ان اوراق کے سوا کہیں نہیں ملے گی۔بیس برس پہلے یہ سوال ہوا تھا،جس کی تکمیل وتفصیل یہ ہے۔کہ اس وقت قلب فقیر پر فیض قدیر سے فائز ہوئی ہے۔''الحمدللہ رب العالمین'' اس گفتگو کے اختتام پر حضرت میر عبدالواحد بالگرامیؒ فرماتے ہیں،

کہ اس بیان سے (سورہ المائدہ کی آیت نمبر 35)

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَ ابْتَغُوْٓ ا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَ جَاهِدُوْ ا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْ نَ ○

(ترجمہ):''اے ایمان والوں اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسلیہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں مجاہدہ کرو تا کہ فلاح پاؤ''۔

کے مبارک جملوں کا حسن ترتیب واضح ہو گیا ہے۔اور وہ یہ کہ:۔

یہ فلاح امان کی طرف دعوت ہے اس لئے تقویٰ شرط ہے۔تو پہلے اللہ سے ڈرو یعنی تقویٰ کا حکم فرمایا۔اب تقویٰ پر قائم ہو کر جو راہِ احسان میں قدم رکھنا چاہئے تو شیخ کامل کے وسیلے کے بغیر ناممکن ہے۔اس لئے اس س دوسرے مرتبہ میں یعنی مرتبہ احسان یا (راہ سلوک) پر چلنے سے قبل پیر یا مرشد کی تلاش کا حکم دیا گیا ہے۔یعنی ''وابتغو الیہ الوسیلۃ'' اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈ و اور جب وسیلہ مل جائے تو پھر اصل مقصود راہ طریقت واحسان کا ذکر فرمایا کہ اس راہ میں مجاہدہ کرو تا کہ فلاح احسان پاؤ۔

اس سے ظاہر ہوا کہ اس راہ میں فلاح وسیلے پر موقوف ہے۔اور یہ بھی ثابت ہوا کہ یہاں بے پیرا فلاح نہ پائے گا۔اور جب فلاح نہ پائے گا تو نقصان اور خسارہ اٹھائے گا۔اور پھر حزب اللہ (اللہ کا گروہ) کے بجائے (حزب الشیطان) شیطان کے گروہ میں سے ہو جائے گا۔اللہ تعالیٰ سورہ مجادلہ آیت نمبر 19 میں فرماتا ہے۔

اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○

(ترجمہ):" سنتا ہے شیطان ہی کا گروہ خسارہ اٹھانے والا ہے" ۔

پھر آیت نمبر 22 میں فرماتا ہے۔

اَلَآ اِنَّ حِزبَ اللهِ هُمُ المُفْلِحُونَ ○

(ترجمہ):"سنتا ہے اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے" ۔

اس لئے بایزید بسطامیؒ نے فرمایا''جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے'' اس کے بعد تقویٰ کی تمام شرائط پر غور کریں کہ کیا ہم نے تقویٰ والی زندگی اختیار کر رکھی ہے؟ یا کر لی ہے؟ اگر ہم تقویٰ والی زندگی گزار رہے ہیں تو فلاح پر ہیں اور یہ فلاح (فلاح تقویٰ) ہماری نجات کے لئے کافی ہے۔(تقویٰ تک کی زندگی کے لئے مرشد خاص کی ضرورت نہیں ہوتی) اس کے بعد راہ سلوک ہے (مرتبہ احسان) جو کسی کسی کے مجاہدے اور کسی کسی کے نصیب کی بات ہوتی ہے۔

تقویٰ والی زندگی اپنائے بغیر راہ سلوک کی طرف نظر رکھنا،اور راہ سلوک کی منزلیں طے کرنے کی طرف بڑھنا شیطان ہی کا ایک دھوکا ہے۔اس کا یہ عام دھوکا ہے کہ اب تو تُو کچھ ہو گیا ہے اور آگے بڑھ۔وہ چاہتا ہے کہ آگے بڑھنے کے دھوکے میں انسان اپنے تقویٰ والی زندگی کے مراحل کو بھول جائے اور شیطان کا دوست بن جائے۔

بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ دنیاوی اغراض ومقاصد اور ذاتی فائدوں کے لئے مرشد تلاش کرتے ہیں۔نماز،روزہ،قرآن،ذکر سے دور بس پیر سے تمام فائدوں کے متمنی حضرت غوث پاکؒ ایسے لوگوں کے لئے فرماتے ہیں،''مخلوق میں دنیا کے لوگوں کی کثرت ہے اور آخرت کے مریدوں کی قلت''۔

مزید فرماتے ہیں، ''اے تقدیر اور کاتب تقدیر سے ناواقف انسان تجھ پر افسوس ہے کیا تو یہ گمان رکھتا ہے کہ اہل دنیا تجھے اس شے کے دینے پر قادر ہے۔ جو تیری تقدیر میں نہیں، ہرگز نہیں یہ تو شیطان کا (دھوکا) ہے وسوسہ ہے جو تیرے دل و دماغ میں رچ بس گیا ہے''۔

سرکار غوث پاکؒ کی اس بات کو مندرجہ ذیل واقعہ سے آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت بابا فرید گنج شکر اپنے تین مرید حضرت نظام الدین اولیاءؒ ، حضرت خواجہ ہانسویؒ، اور حضرت صابر کلیریؒ کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں ان کے سامنے سے ان کے ایک مرید یوسف نامی گزرے۔

بابا فریدؒ کے ساتھ ان تینوں مریدوں کو دیکھ کر یوسف نامی مرید نے بابا فریدؒ سے کہا، ''میں ایک مدت سے آپؒ کی صحبت میں ہوں لیکن آپؒ نے مجھے نہیں نوازا۔ اور ان تینوں کو آپؒ نے خلعت عطا فرما دی، اب یہ ہدیے وصول کرتے ہیں''۔

بابا فریدؒ نے نہایت عاجزی سے جواب دیا، ''انسان کے لئے وہی کچھ ہوتا ہے جو کچھ اللہ تعالیٰ اس کے لئے لکھ دیتا ہے''۔ لیکن میں تو مدت سے آپؒ کی خدمت کر رہا ہوں، یوسف نے فوراً ہی کہا۔ بابا فریدؒ نے پھر یوسف کو سمجھاتے ہوئے کہا، ''برخوردار میں نے کہا ہے نا کہ انسان کے لئے وہی ہے جو رب نے اس کے لئے رکھ دیا ہے''۔ لیکن یوسف نے کچھ کہنا چاہا اسی اثنا میں بابا فریدؒ نے سامنے سے گزرنے والے ایک دس، گیارہ سال کے لڑکے سے کہا ''بیٹے سامنے سے مجھے ایک اینٹ لا دو میں بیٹھنا چاہتا ہوں''۔

کچھ دن پہلے سامنے ایک دیوار کی مرمت کے سلسلے میں کچھ اینٹیں آئیں تھیں، وہ لڑکا گیا اور بابا فریدؒ کے لئے دو بڑی بڑی اینٹیں اٹھا لایا۔ بابا فریدؒ اس پر بیٹھ گئے۔ اور لڑکے سے کہا" اب ایک اینٹ نظام الدین اولیاء کے لئے لاؤ"۔ وہ لڑکا گیا اور ایک اور اینٹ لے کر آیا اور بابا فریدؒ نے نظام الدین کو اس پر بیٹھنے کو فرمایا۔ پھر ایک اینٹ خواجہ ہانسویؒ کے لئے منگوائی، اور اس کے بعد صابر کلیریؒ کے لئے اور بابا صاحب نے دونوں مریدین کو باری باری بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

جب یہ تینوں حضرات بیٹھ گئے، تو بابا فریدؒ نے اس لڑکے سے کہا" اب ایک اینٹ یوسف کے لئے لاؤ"۔ وہ لڑکا گیا اینٹوں کے اس ڈھیر پر اس نے کئی مرتبہ نظر ڈالی اور پھر ایک چھوٹا سا ٹکڑا اینٹ کا اٹھا کر بابا فریدؒ کے سامنے رکھ دیا۔ بابا فریدؒ نے یوسف کی طرف غور سے دیکھا انداز یہ تھا کہ سمجھ گئے۔ اس کے بعد پھر نرمی سے کہا،" میں نے کہا نا کہ انسان کو وہی دیا جا سکتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے اس کے لئے رکھ دیا ہے"۔ (لکھ دیا ہے)

لباس پارسائی سے شرافت آ نہیں سکتی

شرافت نفس میں ہو تو بندہ پارسا ہو گا

ایک اور موقع پر غوث پاکؒ دنیا کے طالب مرید کے لئے فرماتے ہیں''اے انسان تو اللہ تعالیٰ کی بندگی کے بجائے اپنے نفس کی خواہشات اور مال و دولت کی بندگی کر رہا ہے ''اس بات کی کوشش کر کہ تو کسی فلاح والے کو پائے، جس کی پیری (رہنمائی) سے تجھے فلاح اور کامیابی مل جائے۔ اولیاء اللہ تو فرماتے ہیں جس نے فلاح والے کو نہ دیکھا اس کو فلاح نہیں ملے گی۔ لیکن تو اگر فلاح والے کو دیکھتا بھی ہے تو سر کی آنکھوں سے، نہ کہ دل و دماغ کی اور ایمان کی آنکھوں سے۔ گویا تیرے پاس ایمان ہی نہیں کہ بصیرت قلبی حاصل کر کے بھلائی کو دیکھ سکے''۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: (سورہ الحج، آیت نمبر 46)

ترجمہ:" آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن وہ دل جو سینوں کے اندر ہیں وہ نابینا ہو جاتے ہیں"۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ فلاح والوں کو دیکھ لینا ہر آنکھ کے بس کی بات نہیں ۔

غوث پاکؒ اپنے ایک اور خطبے میں ارشاد فرماتے ہیں'' تو نابینا ہے تقویٰ اختیار کر اور پھر بینائی دینے والا تلاش کر۔ تو جاہل ہے اپنے لئے معلوم ڈھونڈ، جب کوئی تجھے مل جائے تو اس کا دامن پکڑ لے۔ اور اس کے اقوال اور مشوروں کو قبول کر، اور اس سے سیدھا راستہ پوچھ (جگہ جگہ مارا مارا نہ پھر) پھر جب تو اس کی رہنمائی سے سیدھی راہ پر جا پہنچے تو وہاں جا کر بیٹھ جا (یعنی اس کی صحبت اختیار کر) تا کہ تو اس کو اچھی طرح پہچان لے۔ اسی وقت سے ہر گمراہ تیری طرف رجوع کرنے لگے گا۔ اور پھر لوگ تجھ سے روحانی غذا حاصل کرنا شروع کر دیں گے۔

عاشق، چور، فقیر خدا توں منگدے گھپ اندھیرے

اِک لُٹاوے، اِک لُٹے، اِک کہہ دے سب کچھ تیرا

****

بارگاہ رسالت سے فیض اور مرشد کا سایہ

سب سے پہلے تو یہ سمجھ لینا کہ اللہ تعالی کی تمام نعمتیں بارگاہ رسالت سے ہی عطاء ہوتیں ہیں۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

(ترجمہ): ''بے شک میں تقسیم کرنے والا ہوں اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والا ہے''۔ (بخاری شریف)

کسی نعمت دینے والے کا دوسرے کو نعمت نہ دینا چار وجوہ کی بناء پر ہوتا ہے۔

ا۔ یا تو دینے والے کو اس نعمت پر دسترس نہیں۔

۲۔ یا دے سکتا ہے مگر بخل کی وجہ سے نہیں دیتا۔

۳۔ یا لینے والا اس نعمت کا اہل نہ تھا۔

۴۔ یا وہ اہل تو ہے مگر اس سے بھی زیادہ کوئی اور محبوب ہے اس کے لئے نعمت مخصوص کر رکھی ہے۔

اب دیکھئے تمام کمالات قدرت الٰہی کے تحت ہیں۔ اللہ تعالیٰ اکرم الاکرامین ہیں، ہر سخی سے بڑھ کر غنی۔ اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ ہر فضل و کمالات کے اہل اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کو کوئی محبوب بھی نہیں ہے۔

بس لازم ہے کہ الوہیت کے سوا تمام تر فضائل، جس قدر نعمتیں اور جس قدر برکتیں ہیں، مولا عزوجل نے سب سے اعلیٰ درجہ کمال پر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو عطا فرمائیں ہیں۔ اس لئے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''بے شک میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والے ہیں''۔ (بخاری شریف)

اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ ہیں، اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی طرف وسیلہ مشائخ اکرام ہیں۔ مرید کو یہ یقین ہونا چاہیے کہ اسے جو کچھ بھی ملے گا، یعنی اسے بارگاہ نبوی خاتم النبیین ﷺ سے جو کچھ بھی ملے گا، اسے اس کے مشائخ طریقت ہی کے وسیلے سے ملے گا۔ اس لئے اسے اپنے شیخ کا دامن مضبوطی سے پکڑے رکھنا چاہئے۔

حضرت علیؓ سے ایک حدیث مروی ہے،

ترجمہ: نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''جو شخص اپنے باپ کے سوا کسی دوسرے کی نسبت کرے یعنی کسی دوسرے کو اپنا باپ بتائے، یا اپنے آقا کے سوا کسی دوسرے کو اپنا آقا بتائے، تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت نہ اس کا فرض قبول نہ نفل''۔ (جامع ترمذی)

جو لوگ اپنے شیخ کے ہوتے ہوئے غیر سے ارادت قائم کرتے ہیں، انہیں کیا یہ خوف نہیں کہ کہیں وہ اس حدیث صحیح کی وعید شدید سے حصہ نہ پائیں۔

امام شعرانیؒ ''میزان الشریعۃ الکبریٰ''، میں فرماتے ہیں کہ ''جس طرح مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کی تقلید لازمی ہے اس طرح مرید کو ایک ہی پیر سے وابستہ رہنا چاہئے۔ مرید کو چاہئے کہ اپنے زمانے کے تمام مشائخ کے ساتھ نیک گمان رکھے۔ لیکن واسطہ صرف اپنے شیخ کے دامن سے رہے۔ تمام کاموں میں اس پر اعتماد رکھے اور اپنا وقت ضائع کرنے سے بچے۔ پھر فرمایا ارادت (مرشد کے ہاتھ پر بک جانا) اہم ترین شرط ہے بیعت میں۔ بس مرشد کی ذرا سی توجہ درکار ہے، لیکن اگر ارادت نہیں تو کچھ نہیں۔''

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ بیعت اسے کہتے ہیں کہ حضرت یحیٰ منیریؒ کے ایک مرید دریا میں ڈوب رہے تھے۔ حضرت خضرؑ ظاہر ہوئے اور کہا" اپنا ہاتھ مجھے دے کہ تجھے نکال لوں"۔ مرید نے عرض کیا" حضرت یہ ہاتھ تو میں حضرت یحیٰ منیریؒ کے ہاتھ میں دے چکا ہوں، اب دوسرے کو نہیں دوں گا"۔ حضرت خضرؑ غائب ہوئے اور حضرت منیریؒ ظاہر ہوئے اور انہیں نکال لیا۔ اس لیئے ایک ہی کو پکڑو (ادھر اُدھر منہ نہ مارو)۔

''سبع سنابل شریف''، میں ہے کہ ایک شخص کو سزائے موت کا حکم ہوا، جلاد نے تلوار کھینچی۔ یہ اپنے شیخ کے مزار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے، جلاد نے کہا" قبلہ کی طرف منہ کر لو'' بے دھڑک فرمایا" تو اپنا کام کر میں نے قبلے کی طرف ہی منہ کیا ہے"۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ کعبہ جسم کا قبلہ ہے اور شیخ روح کا قبلہ اسی کا نام ارادت ہے۔ اگر صدق عقیدت کے ساتھ ایک دروازہ پکڑ لو تو فیض ضرور ملے گا۔ ورنہ ساری عمر ایک دروازے سے دوسرے دروازے کے چکر لگاتے ہوئے ضائع ہو جائے گی۔ اگر شیخ خالی ہے، تو شیخ کا شیخ تو خالی نہیں اور اگر بالفرض وہ بھی سہی تو حضرت غوث اعظمؒ تو معدن فیض و منبع انوار ہیں۔ ان سے ضرور فیض آئے گا۔ اس لئے کہ وہ فیض حضرت علیؓ سے اور

وہ فیض نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پارر ہے ہیں، بس سلسلہ صحیح اور متصل ہونا چاہئے۔

اب رہی بات پیر کے سائے کی تو پیر کا سایہ ذکر الٰہی سے بڑھ کر ہے۔ یہ قول شریعت کے عین مطابق ہے۔ دیکھئے ایک آدمی خود ذکر کرتا ہے، اور دوسرا پیر کے زیر سایہ ذکر کرتا ہے پہلا صرف ذکر کا ثواب پائے گا۔ دوسرے کو پیر کی صحبت عالم بنادے گی، اس لئے کہ پیر نہ صرف ذکر کروائے گا بلکہ ذکر کس طرح کرنا ہے؟ ذکر کے آداب کیا ہیں؟ ذکر کے اوقات خاص کیا ہیں کون سا ذکر کرنا ہے ان کے مسائل کیا ہیں؟ پس ان دونوں میں وہی فرق ہو گیا جو عابد اور عالم میں ہوتا ہے۔

حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ ''عالم کی فضیلت عابد پر وہی ہے جو چودھویں رات کے چاند کی ستاروں پر''۔ (ترمذی۔ ابوداؤد)

دوسری حدیث میں ارشاد ہے ''ایک عالم شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہوتا ہے''۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

''مکاشفۃ القلوب'' میں امام غزالی نے حضرت حسن بن علیؓ کا ارشاد نقل فرمایا ہے کہ، ''جو شخص علمائے ربانی کی محفل میں اکثر جاتا رہتا ہے، اس کی زبان کی رکاوٹ دور ہو جاتی ہے، ذہن کی الجھنیں کھل جاتی ہیں اور وہ جو کچھ حاصل کرتا ہے اس کے لئے خوشی کا باعث ہوتا ہے۔ اس کا علم (علمائے ربانی کا) اس کے لئے (اس شخص کے لئے جو علمائے ربانی کی محفل میں شریک ہوتا ہے) ایک طرح کی ولایت ہوتا ہے جو اسے نفع دیتا ہے پیر و مرشد یا روحانی استاد کے ساتھ ناشکری باپ کے ساتھ نافرمانی کے برابر ہے''۔

خلیفہ ہارون رشید نے مامون رشید کی تعلیم کے لئے امام کسائیؒ (جو امام محمدؒ کے خالہ زاد بھائی ہیں) سے عرض کیا کہ ''شہزادہ آپ کے مکان پر آجایا کرے مگر اس کا سبق پہلے ہوا امام کسائیؒ نے فوراً کہا ''یہ ناممکن ہے جو پہلے آئے گا اس کا سبق پہلے ہوگا'' خلیفہ ہارون رشید نے کہا آپ ٹھیک فرمارہے ہیں۔ پھر ایک روز اتفاقاً خلیفہ ہارون رشید کا گزر امام کسائیؒ کی درس گاہ کی طرف ہوا، دیکھا کہ امام کسائیؒ اپنے پاؤں دھور ہے ہیں اور مامون رشید پانی ڈال رہا ہے۔ خلیفہ ہارون رشید نے غصے میں مامون رشید کو ایک کوڑا مارا اور کہا ''بے ادب اللہ تعالیٰ نے دو ہاتھ کس لئے دیئے ہیں ایک ہاتھ سے پانی ڈال اور دوسرے سے استاد کے پاؤں دھو''۔

یہ ہے ادب ایسے طالب علم اپنے مرشد یا استاد سے کچھ پاتے ہیں۔ طالب یا مرید کو یہ یقین ہونا چاہئے، کہ بارگاہ رسالت سے اسے جو بھی فیض ملے گا، وہ اس کو اس کے شیخ کے وسیلے سے ہی ملے گا۔

****

مُصنِّفہ کی تمام کُتُب

خاتم النبیین مِحبُوبِ ربُّ العٰلمین ﷺ	خاتم النبیین مُحسنِ اِنسانیت ﷺ (۲،۱)	مقصدِ حیات	عبدیّت کا سفر ابدیّت کے حصُول تک
تعلُّق مع اللہ	مُختصراً قُرآنِ پاک کے علُوم	راہِ نجات	فلاح
اہلِ بیت اور خاندانِ بنُو اُمَیّہ	ثواب و عتاب	تُو ہی مُجھے مِل جائے (جِلد۔۱)	تُو ہی مُجھے مِل جائے (جِلد۔۲)
مُختصرِتذکرئہ انبیاءکرامؑ، صحابہ کرامؓ و آئمہ کرامؒ	اولیاءکرامؒ	کتاب الصلوٰۃ وَ اوقاتُ الصّلوٰۃ	عشرہ مُبشرہؓ اور آئمہ اربعہؒ
حیاتِ طیّبہ	آگہی	اِسلام عالمگیر دِین	عقائد واِیمان
دِینِ اِسلام (بچّوں کےلئے)	کتابِ آگاہی (تصحیح العقائد)	تصوُّف یا رُوحانیت (جِلد۔۱)	تصوُّف یا رُوحانیت (جِلد۔۲)

www.jamaat-aysha.com